تاریخ ابنِ کثیر

البدایہ والنہایہ

حصہ
دوم

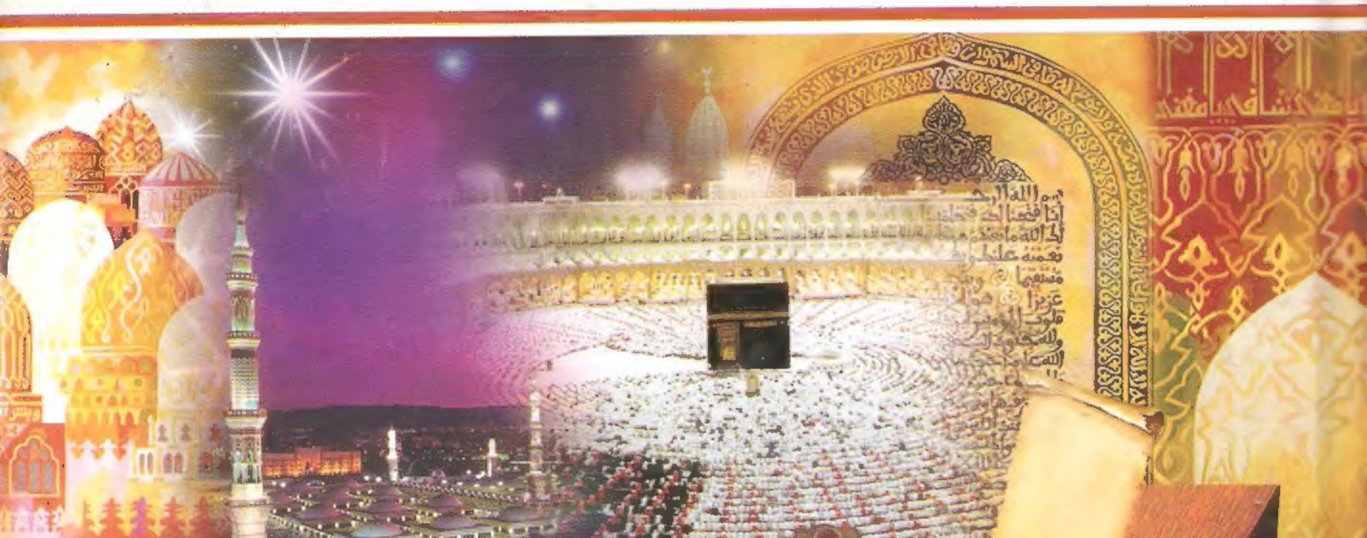

علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر دمشقی

نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ

تاریخ ابن کثیر

شہرۂ آفاق عربی کتاب

البدایۃ والنہایۃ

کا اردو ترجمہ

جلد دوم

میں تذکرہ انبیائے بنی اسرائیل سے شروع ہو کر سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل نبوت و بعد نبوت کے واقعات بڑی تفصیل سے درج کیے گئے ہیں۔

تصنیف ❁ علامہ حافظ ابو الفدا عماد الدین ابن کثیر (۷۰۱ھ۔۷۷۴)

ترجمہ ❁ پروفیسر کوکب شادانی فاضل ادب (عربی)

ایم اے (فارسی) ایم اے (انگریزی) ایم اے (اسلامیات) ایم اے (تاریخ اسلام)

سابق پروفیسر ڈیلی کالج (اندور) فرگوسن کالج (پونا) الفنسٹن کالج (بمبئی)

نفیس اکیڈمی

اردو بازار، کراچی

اَلبِدَایۃ وَالنَہایۃ

مصنفہ علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر کے حصہ سوم' چہارم کے اردو ترجمے کے جملہ
حقوق اشاعت وطباعت' تصحیح وترتیب وتبویب قانونی بحق

طارق اقبال گاہندری

مالک نفیس اکیڈمی کراچی محفوظ ہیں

نام کتاب	....	تاریخ ابنِ کثیر (جلد دوم)
مصنف	....	علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر
ترجمہ	....	پروفیسر کوکب شادانی
ناشر	....	نفیس اکیڈمی ۔ کراچی
طبع اوّل	....	جون ۱۹۸۷ء
ایڈیشن	....	آفسٹ
ضخامت	....	۲۰۰
ٹیلیفون	....	۰۲۱۔۷۷۲۲۰۸۰

فہرست عنوانات

نمبرشمار	مضامین	صفحہ
	باب ۱	
1	موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت کا ذکر	۲
2	قصہ حزقیل	۶
3	قصہ یسع علیہ السلام	۱۰
4	قصہ شمویل علیہ السلام (اسی قصے سے قصہ داؤد علیہ السلام کی ابتدا ہوتی ہے)	۱۲
5	قصہ داؤد علیہ السلام' ان کے زمانے کے حالات' ان کے فضائل وشمائل' ان کی نبوت کے دلائل اور ذکر اظہار	۱۹
6	داؤد علیہ السلام کی کمیت حیات وکیفیت وفات	۲۴
7	قصہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام	۲۷
8	سلیمان علیہ السلام کا ذکر وفات اور ان کی مدت	
9	حیات ودور حکومت کا تعین	۳۳
	باب ۲	
10	داؤد و سلیمان علیہما السلام کے بعد اور زکریا و یحییٰ علیہما السلام سے قبل بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے انبیاء کا ذکر جن کے ادوار نبوت نامعلوم ہیں۔	۳۶
11	قصہ ارمیا بن حلقیا علیہ السلام	۳۸
12	بیت المقدس کی تباہی کا ذکر	۳۹
13	ذکر دانیال سے بعض واقعات کا ذکر	۴۲
14	اپنی سرزمین کے تحفظ' قومی سلامتی اور بیت المقدس از سرنو کے لیے وہاں سرداران بنی	
15	اسرائیل کا اجتماع	۴۵
16	قصہ عزیز علیہ السلام	۴۸
17	قصہ زکریا و یحییٰ علیہما السلام	۵۱
18	یحییٰ علیہ السلام کے سبب قتل کا بیان	۵۶
19	قصہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام	۵۹
	باب ۳	
20	اللہ تعالیٰ کے ولدیت سے منزہ ہونے اور ظالموں کی طرف سے اس پر سب سے بڑے اتہام کا بیان	۶۴
21	حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی ولادت' صغرسنی اور لڑکپن میں ان کی تربیت اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف وحی کے آغاز کا ذکر	۶۷
22	چار آسمانی کتابوں کے نزول اور ان کے اوقات نزول کا بیان	۷۱
23	شجر طوبیٰ کی وضاحت	۷۲
24	خبر مائدہ کا ذکر	۷۳
25	عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کا ذکر	۷۵
26	عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف اور شمائل و فضائل کا ذکر	۷۷
27	بیت لحم اور القمامہ کی تعمیر	۷۸
28	ذکر ذی القرنین	۷۹
29	ذی القرنین کی چشمہ آب حیات کی تلاش کا بیان	۸۲

30 یاجوج ماجوج کی قوم کا ذکر ۸۴

31 قصہ اصحاب کہف ۸۶

32 دو مومن و کافر اشخاص کا قصہ ۹۱

33 قصہ اصحاب الجنۃ ۹۳

34 ان اصحاب ایلہ کا قصہ جو اپنا روز ہفتہ منانے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے ۹۴

35 قصہ لقمان ۹۵

36 قصہ اصحابِ الاخدود ۹۷

باب ٤

37 بنی اسرائیل کی خبریں اور ان کی باتیں بیان کرنے کے بارے میں اجازت کا ذکر ۱۰۰

38 بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار بندۂ خدا

39 جریج کا ذکر ۱۰۲

40 قصہ برصیصا ۱۰۴

41 ان تین آدمیوں کا قصہ جو ایک غار میں پھنس کر رہ گئے تھے ۱۰۵

42 ایک نابینا' ایک مبروص اور ایک گنجے کا قصہ ۱۰۷

43 اہل کتاب کی تحریفات اور اپنے مذہب میں ان کے ردوبدل کا ذکر ۱۰۹

44 ذکر اخبار العرب ۱۱۱

45 قصہ سبا ۱۱۳

46 ربیعہ بن نصر بن ابی حارثہ بن عمرو کا ذکر ۱۱۵

47 یمن کے ملوک تبابعہ میں سب سے نیک خصلت بادشاہ کا اہل مدینہ سے سلوک ۱۱۷

48 یمن پر لخنیعہ ذی شناتر کی حکومت کا ذکر ۱۱۸

49 یمن کے حمیری بادشاہ کا حبشہ کے علاقہ سوڈان کے خلاف خروج ۱۲۰

50 حاکم یمن ارياط پر ابرہہ اشرم کی فوج کشی ۱۲۱

51 ابرہہ کا خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے ہاتھی لے کر آنا اور اس کا بحکم الٰہی فوراً مارا جانا جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں اللہ

52 تعالیٰ نے فرمایا ہے ۱۲۲

53 یمن پر اہل فارس کے حملے ۱۲۴

54 ملوک الطوائف کا ذکر ۱۲۵

باب ٥

55 حجازی عربوں کے بنی اسماعیل کا ذکر جو زمانہ جاہلیت سے قبل بعثت نبوی تک وہاں کے حکمران رہے ۱۲۶

56 خزاعہ' عمرو بن لحی اور دوسرے عربوں میں اصنام پرستی کا ذکر ۱۲۸

باب ٦

57 عرب کے ایام جاہلیت ۱۳۰

58 حجازی عربوں کا جد اعلیٰ عدنان جس پر آنحضرت ﷺ کا قدیم سلسلہ نسب ختم ہوتا ہے ۱۳۱

59 حجاز کے عربی قبائل کا عدنان تک اصول انساب ۱۳۳

قریش کے نسب' ان کی شاخوں اور ان کی ایک شاخ بنونضر بن کنانہ کے فضلاء کا ذکر ۱۳۵

60 قصی بن کلاب کے بیت اللہ کی تولیت قریش کو منتقل کرنے بنی خزاعہ کے اس میں مزاحمت کرنے اور قریش کے حرم میں (جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جائے امن بنایا ہے) اجتماع کا ذکر ۱۳۷

61 زمانہ جاہلیت کے سب سے بڑے سخی حاتم طائی کا ذکر ۱۳۹

62 امری القیس بن حجر' معلقات میں سے ایک

	کے مذہب کا ذکر	۱۴۱
63	زمانہ جاہلیت کے شاعروں میں زمانۂ اسلام پانے والے شاعر ابی صلت ثقفی کا کچھ ذکر	۱۴۴
64	بحیرا راہب کا ذکر	۱۴۶
65	قیس بن ساعدہ الایادی کا ذکر	۱۴۷
66	زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کا ذکر	۱۴۸
67	زمانہ جاہلیت کے کچھ مزید واقعات	۱۴۹
68	کعب بن لوی کا ذکر	۱۵۰
69	چاہ زمزم کی کھدائی کی تجدید	۱۵۱
70	جناب عبدالمطلب کا خانہ کعبہ کے قریب بطور نذر اپنے ایک بیٹے کی قربانی کا ارادہ	۱۵۳
71	عبدالمطلب کا اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب الزہریہ کے ساتھ کرنے کا ذکر	۱۵۵
	باب ۷	
72	کتاب سیرت رسول ﷺ	۱۵۸
	باب ۸	
73	رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت	۱۶۱
74	آنحضرت ﷺ کی صفتِ ولادت	۱۶۲
75	آنحضرتؐ کی شب ولادت کے علامتی واقعات	۱۶۶
76	آنحضرت ﷺ کی ولادت پر قیصر و کسریٰ میں ظہور پذیر واقعات	۱۶۹
77	آنحضرت ﷺ کی دایہ اور دودھ شریک کا ذکر	۱۷۱
78	آنحضرت ﷺ کا ذکر رضاعت	۱۷۲
79	آنحضرت ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب کی وفات اور آپ کا ان کے بعد دیگرے اپنے دادا عبدالمطلب اور اپنے چچا ابوطالب کے زیر پرورش و تربیت رہنے کا ذکر	۱۷۶
80	قبل بعثت آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ کا ذکر	۱۷۸
81	آنحضرت ﷺ کا مشرکین کے مابین جنگ ملاحظہ فرمانے کا ذکر	۱۸۱
82	آنحضرت ﷺ کا حلف الفضول ملاحظہ فرمانے کا ذکر	۱۸۲
83	حضرت خدیجہؓ بنت خویلد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی شادی کا ذکر	۱۸۴
84	قبل بعثت قریش کے ہاتھوں بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کا ذکر	۱۸۶
	باب ۹	
85	کتاب مبعث رسول اللہ ﷺ	۱۸۹
86	آنحضرت ﷺ کی بعثت کی عجیب و غریب نشانیاں	۱۹۲
87	عمرو بن مرہ الجہنی کا قصہ	۱۹۴
88	قصہ سیف بن یزن اور اس کی آنحضرت ﷺ کے بارے میں بشارت کا ذکر	۱۹۶
89	ھواتف الجان کا تذکرہ	۱۹۸

☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۱

موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت کا ذکر

موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم یعنی ہم مؤرخین عموماً داؤد علیہ السلام کی نبوت کا ذکر کرتے ہیں لیکن بنی اسرائیل میں نبوت کی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے تو ان سے پہلے یوشع علیہ السلام اور کالب آتے ہیں۔ یوشع و کالب دونوں یوفنا کے بیٹے اور موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں شامل تھے۔ ان دونوں میں یوشع' موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی یعنی مریمؑ کے شوہر تھے اور ان دونوں میں کالب اور چند دوسرے لوگوں کے علاوہ وہی واحد شخص تھے جو اللہ تعالیٰ سے خائف رہتے تھے۔

یہی دونوں بھائی تھے جو درحقیقت بنی اسرائیل کے نقیب تھے اور وہ یہی دونوں تھے جنہوں نے بنی اسرائیل میں جہاد کا نعرہ بلند کیا تھا اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ (ان مشرکین) پر دروازے سے داخل ہو (یعنی ان پر چڑھائی کرو) اور خدا پر توکل کرو' اگر تم مومن ہو تو غالب رہو گے)۔

ابن جریر لکھتے ہیں کہ ان دو بھائیوں کے بعد بنی اسرائیل میں مامور من اللہ حزقیل بن یوذی تھے جن کی رب العزت سے دعا کی وجہ سے وہ سب لوگ زندہ ہو گئے تھے جو بنی اسرائیل کے علاقے سے دشمن کے خوف سے نکل کر مر چکے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔

قصہ حزقیل

(قرآن شریف میں) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنے شہر سے نکلے تھے' ان کی تعداد ہزاروں تھی (لیکن) وہ موت سے خائف تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ مر جاؤ' پھر انہیں زندہ کر دیا' اللہ تعالیٰ انسانوں پر مہربانی فرمانے والا ہے

لیکن اکثر لوگ (اس کا) شکر ادا نہیں کرتے''۔

محمد بن اسحٰق وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب یوشع علیہ السلام کے بعد کالب بن یوفنا بھی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تو ان کے بعد بنی اسرائیل میں جو قابل ذکر شخصیت رہ گئی وہ حزقیل کی تھی اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے وہ حزقیل ہی تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی جس کے نتیجے میں جیسا کہ مندرجہ بالا قرآنی آیت کے حوالے سے ابھی بیان کیا گیا کہ وہ ہزاروں آدمی جو موت کے خوف سے اپنے شہر سے نکل بھاگے تھے کیونکہ وہاں وبا پھیل گئی تھی لیکن اس کے باوجود قضائے الٰہی سے مر گئے تھے' زندہ ہو گئے تھے۔

ہوا یہ تھا کہ جب وہ اپنے شہر سے نکل کر صعید پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب کے سب یک لخت مر گئے تھے اور زمین میں ان کا گوشت ان کی ہڈیوں سے جدا ہو کر خاک میں مل چکا تھا تاہم لوگوں نے اس سے قبل ان سب کو ایک جگہ دفن کر دیا تھا تا کہ درندے ان کا گوشت نہ کھا جائیں اور پھر اس جگہ ایک خطیرہ (مقبرہ) بھی بنا دیا گیا تھا اور اس واقعے کو مدتیں گزر گئی تھیں لیکن جب حزقیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کا اس طرف سے گزر ہوا تو انہیں اس واقعے کا علم ہوا جس پر وہ بہت حیران ہوئے اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ ان مردہ لوگوں کو دوبارہ زندہ دیکھنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان ہزاروں مردہ اشخاص کو زندہ کر کے انہیں دکھا دیا یعنی وہ سب کے سب فی الفور بلند آواز سے تکبیر پڑھتے ہوئے ان کے سامنے زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

اسباط نے بھی السدی' ابی مالک' ابی صالح' ابن عباس' مرہ' ابن مسعود اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے مندرجہ بالا قرآنی آیہ شریفہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ایک گاؤں جس کا نام داوردان لیا جاتا تھا اور وہ واسط سے قبل آباد تھا میں طاعون پھیل گیا تو بہت سے لوگ وہاں سے بھاگ کر ایک نزدیکی علاقے میں چلے گئے تھے۔ تاہم جو لوگ وہاں سے بھاگنا مناسب نہ سمجھ کر اور مشیت ایزدی کو آمنا وصدقنا کہہ کر وہیں رُکے رہے تھے ان میں سے اکثر اس وبا کا شکار ہونے سے بچ گئے تھے اور جب ان بھاگے ہوئے لوگوں میں سے کچھ لوگ جو دوسری جگہ پہنچے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو وہاں اتفاقاً ایک بار پھر طاعون پھیل گیا۔ لیکن اب کے اس گاؤں کے سب لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو قدرت خداوندی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ وہ دوسری جگہ منتقل ہونے کے باوصف اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام کے تمام ہلاک ہو گئے۔ اس کرشمہ قدرت سے اللہ تعالیٰ کو یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس کے بندوں میں سے جس کی موت آنا ہوتی ہے ہر جگہ آ جاتی ہے یعنی اس کا آنا ناگزیر ہوتا ہے خواہ اس سے بچنے کے لیے وہ کہیں بھی بھاگ کر چلا جائے۔

اس واقع کا ذکر کرتے ہوئے باسط بیان کرتے ہیں کہ داوردان کے لوگ دوسری بار جہاں بھاگ کر گئے تھے وہ جگہ قابل کہلاتی تھی اور وہاں پہنچنے والوں کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی کچھ لوگوں نے ان کی تعداد تیس ہزار بتائی ہے۔ قابل ایک وسیع و عریض وادی تھی جس کے نشیبی حصے سے ایک غیبی آواز آئی تھی کہ ''مر جاؤ'' اور وہ سب مر گئے تھے۔ البتہ جب حزقیل علیہ السلام کا مدتوں بعد وہاں سے گزر ہوا تھا اور وہ وہاں کے لوگوں سے جن میں یہ روایت ایک زمانے سے مشہور چلی آ رہی تھی یہ واقعہ سن کر

حیران رہ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان سے دریافت فرمایا تھا کہ آیا وہ اس کرشمہ قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کے اثبات میں جواب اور التجا (دعا) کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کی واحد قبر سے انہیں دوبارہ زندگی عطا فرما کر حزقیل کے سامنے کھڑا کر دیا تھا اور جیسا کہ محمد بن اسحٰق کی بیان کردہ روایت میں پہلے بتایا جا چکا ہے وہ سب کے سب بیک زبان اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور پھر انہوں نے یک زبان ہو کر سُبحانَکَ اللّٰھُمَّ و بحمدِکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنتَ کہا تھا۔ حالانکہ اس وقت تک ان کا گوشت تو گوشت ان کی ہڈیاں تک سرمہ ہو کر خاک میں مل چکی تھیں لیکن اب وہ زندہ ہو کر اپنی قوم میں چلے گئے تھے، تاہم اب وہ برائے نام کپڑوں میں ملبوس تھے اور ان کے چہروں پر اب تک مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنی اپنی طبعی موت مر گئے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کی تعداد ایک جگہ صرف چار ہزار، دوسری جگہ آٹھ ہزار بتائی لیکن جب ابی صالح نے ان کی تعداد نو ہزار بتائی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسے صحیح تسلیم کیا لیکن انہوں نے آخر میں بتایا کہ ان کی صحیح تعداد چالیس ہزار تھی۔

سعید ابن عبدالعزیز کی روایت کے مطابق وہ لوگ اہل اذرعات میں سے تھے۔ ابن جریج عطاء کے حوالے سے کہتے ہیں کہ موت کا خوف یوں تو (قریباً) ہر فرد بشر کو لاحق ہوتا ہے لیکن یہ واقعہ قدرت خداوندی کی مثالوں میں سے ایک مثال بن گیا ہے جو آج تک جمہور کی قوی ترین روایت بنتا چلا آ رہا ہے۔

امام احمدؒ اور صاحبان صحیح یعنی بخاری و مسلم (رحمہما اللہ) نے زہری کے توسط اور عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب، عبداللہ بن حارث بن نوفل اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) شام کی طرف جاتے ہوئے سرغ میں ٹھہرے تھے تو ان سے ملاقات کے لیے عساکر اسلام کے امیر ابو عبیدہ بن جراح اور ان کے ساتھی دیگر امرائے لشکر آئے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ شام میں وبا پھوٹ پڑی ہے یعنی کوئی سخت ترین مرض وبائی شکل اختیار کر گیا ہے جس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمسفر لوگوں سے جن میں مہاجرین و انصار دونوں شامل تھے آگے جانے کے بارے میں مشورہ طلب کرنے کے لیے مجلس مشاورت کا اعلان کیا تھا لیکن اسی دوران میں عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) جو کسی ضروری کام سے پیچھے رہ گئے تھے وہاں آ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ زمین کے جس خطے میں تمہارا قیام ہو اگر وہاں وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے بھاگو مت اور جس جگہ کے بارے میں تمہیں علم ہو جائے کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں جاؤ مت'' مذکورہ بالا راویوں کے مطابق عبدالرحمٰن بن عوف کی زبان سے یہ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر شام جانے کی بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرغ ہی سے مدینے واپس ہو گئے تھے۔

امام (احمدؒ) فرماتے ہیں کہ ان سے حجاج اور یزید المفتی [1] نے ان سے ابن ابی ذویب کے توسط اور زہری، سالم اور عبداللہ

---

[1] مفتی کا پورا نام یزید بن ابی تھا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ مفتی اہل مصر کا مفتی تھا اور بہت ہی حلیم اور عاقل شخص تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے مصر میں علم پھیلایا اور (پہلی صدی ہجری میں) لوگوں کو حلال و حرام کے مسائل سے آگاہ کیا (محمود الامام) قوسین میں اضافہ از مترجم۔

بن عامر بن ربیعہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے راستے میں تھے تو انہیں عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی سنائی تھی کہ جب کسی جگہ کسی قوم کو وبا کا سامنا ہوتا ہے تو در حقیقت وہ اس قوم پر عذاب خداوندی کی ایک شکل ہوتی ہے۔ اگر تم (اتفاقاً) کسی ایسی جگہ ہو تو وہاں سے بھاگو مت اور اگر کسی جگہ کے بارے میں تمہیں اس کی اطلاع ملے تو وہاں جاؤ مت) اس روایت کے آخر میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حدیث سنی تھی تو وہ (شام جانے کی بجائے) راستے ہی سے لوٹ آئے تھے۔ امام احمدؒ نے اس روایت کو زہری کے حوالے سے مالک کی زبانی بھی بیان کیا ہے۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں حزقیل علیہ السلام کے دور نبوت کی مدت کے بارے میں انہوں نے کسی سے ذکر نہیں سنا۔ البتہ یہ سنا ہے کہ ان کی وفات کے بعد جب ان کی قوم دوبارہ اصنام پرستی میں مشغول ہوگئی اور ان میں سے ایک بت کا نام ''بعل'' رکھ کر اس کی پرستش کرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی قوم ہی میں سے اس کی اصلاح کے لیے الیاس بن یاسین کو مبعوث فرمایا۔

ہم حضرت الیاس علیہ السلام بن یاسین بن فنحاص بن عیزار بن ہارون ابن عمران کا تفصیلی ذکر اس لیے پہلے ہی کر چکے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں ان کا ذکر حضرت خضر علیہ السلام کے تفصیلی ذکر کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ضمن آیا ہے لیکن چونکہ سورۂ صافات میں ان کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد آیا ہے اس لیے ہم نے یہاں ان کے ذکر کا مختصراً اعادہ کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحٰق نے وہب ابن منبہ کے حوالے سے حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ان کے وصی یسع بن اخطوب علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تھی جن کا ذکر آگے آئے گا۔

قصہ یسع علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں دوسرے انبیاء کے ساتھ یسع علیہ السلام کا نام بھی لیا ہے۔ ارشاد ہوا:

''اور اسماعیل اور یسع اور یونس ولوط (تھے جنہیں) ہم نے تمام عالمین پر فضیلت بخشی''۔

نیز سورۂ ص میں ارشاد ہوا:

''اور اسماعیل ویسع اور ذی کفل کو یاد کیجیے جو سب کے سب اہل خیر میں سے تھے''۔

ابو حذیفہ اسحٰق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں سعید نے قتادہ وحسن کے حوالے سے بتایا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت یسع علیہ السلام نبی ہوئے اور انہوں نے بھی خدا کے فضل وکرم سے نبوت کی ذمہ داری بہ تمام وکمال ادا کی۔ انہوں نے لوگوں کو حضرت الیاس علیہ السلام کے طور طریق اور شریعت کی طرف دعوت دی لیکن ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پھر نازیبا حرکات اور کفر و ضلالت میں مبتلا ہو گئے۔ انہی میں وہ ظالم و جابر لوگ بھی تھے جنہوں نے جبر اور جور وظلم کی انتہا کر دی۔ حتیٰ کہ انبیاء کو بھی قتل کر ڈالا۔ بادشاہ عنید طاغ بھی انہی میں سے تھا لیکن کہا جاتا کہ اس نے تائب ہو کر مذہب انبیاء سے رجوع کر لیا تھا اور وہ ان کی کفالت بھی کرتا رہا تھا۔ اسی لیے وہ ذی کفل کہلایا اور جنت کا مستحق ٹھہرا۔

محمد بن اسحٰق نے یسع علیہ السلام کا نام یسع بن اخطوب بتایا ہے جب کہ حافظ ابوالقاسم بن عساکر کہتے ہیں کہ وہ یسع درحقیقت اسباط بن عدی بن شوتلم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن ابراہیم خلیل علیہم السلام تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے اور بادشاہ بعلبک کے خوف سے انہی کے ساتھ جبل قاسیدن میں جا چھپے تھے اور انہی کے ساتھ وہاں سے لوٹ کر بعلبک آ گئے تھے۔ پھر جب حضرت الیاس علیہ السلام وفات پا گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔

عبدالمنعم بن ادریس نے بھی اپنے والد اور وہب بن منبہ کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے جب کہ ان کے علاوہ کچھ لوگوں نے ان کی اقامت گاہ بانیاس بتائی ہے۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ کچھ قاری یسع کے حرف ''س'' کو مشدد پڑھتے اور کچھ غیر مشدد پڑھتے ہیں۔ جب کہ بعض اسے حرف عطف واؤ کے بعد ''ولليسع'' بھی پڑھتے ہیں۔ بہر کیف انبیاء علیہم السلام میں یہ پہلا اور واحد نام ہے (جو[1] قرآن میں آیا ہے)

چونکہ کچھ مؤرخین نے یسع کو ابن ایوب علیہ السلام بھی لکھا ہے اس لیے ہم نے اس سے قبل ذی کفل یعنی یسع کا ذکر ایوب کے بعد کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

---

[1] اضافہ از مترجم (شادانی)

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ یسع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی عزت وحشمت پر زوال آ گیا تھا کیونکہ انہوں نے پہلے کی طرح اصنام پرستی شروع کر دی تھی اور انبیاء علیہم السلام تک کو قتل کرنے لگے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر از روئے انصاف ان سے زیادہ جابر وظالم حکمران مسلط کر دیئے جو ان کا خون بہانے لگے۔ ان حکمرانوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان کے دشمن ہو گئے۔ تاہم جب بھی ان دشمنوں میں سے کسی دشمن کو مغلوب کر لیتے تھے تو اس کی لاش کو تابوت میں جسے وہ تابوت میثاق کہتے تھے رکھ کر اسے اپنے لیے باعث خیر و برکت سمجھتے تھے اور اب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد بس یہی ایک چیز تفاخر وطمانیت کا سبب رہ گئی تھی۔ پھر جب انہوں نے دشمنوں کے ساتھ لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں غزہ وعسقلان پر قبضہ کر لیا تو اس فتح کے بعد نہ صرف اپنی ہی رعایا پر اپنے ظالم و جابر حکمرانوں سے کہیں زیادہ ظلم وقہر کے پہاڑ ڈھائے بلکہ اپنے اپنے مقبوضات کے سلسلے میں باہم لڑنے جھگڑنے لگے تو بنی اسرائیل ہی کا ایک حکمران ان کے سروں پر سوار ہو کر ان کی گردنیں توڑنے لگا اور جب وہ خود ایک بڑی تکلیف دہ اور اذیت ناک موت مرا تو اس کے بعد بنی اسرائیل بھیڑ بکریوں کا ایک ایسا گلہ ہو کر رہ گئے جس کا کوئی چرواہا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے پھر انہی میں سے ان کی اصلاح کے لیے ایک شمویل نام کا ایک نبی مبعوث فرمایا جس کا قصہ ہم قصص القرآن پر مبنی پہلے قصص الانبیاء کی طرح ان شاء اللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں شمویل بن بالی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اس وقت یوشع بن نون علیہ السلام کو وفات پائے چار سو ستر سال گزر چکے تھے۔ ابن جریر نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے لیکن ہم نے اسے بخوف طوالت یہاں بیان کرنا قصداً چھوڑ دیا ہے۔

قصہ شمویل علیہ السلام

(اسی قصے سے داؤد علیہ السلام کی ابتدا ہوتی ہے)

شمویل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن یہو بن تہو بن صوف بن علقمہ ابن ماحث بن عموصا بن عزریا کو اشمویل بھی کہا جاتا ہے۔

مؤرخ مقاتل کہتے ہیں کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کے اخلاف اور ورثا میں سے تھے جب کہ مجاہد نے انہیں اشمویل بن بلفا تا بیان کیا ہے' تاہم اکثر دوسرے لوگوں میں سے کسی نے ان دو مؤرخین کے بیانات سے آگے اور کوئی بات نہیں کہی ہے۔ واللہ اعلم

السدی ابن عباس' ابن مسعود اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ دوسرے لوگوں کے علاوہ ثعلبی وغیرہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب عمالقہ نے بنی اسرائیل کے مقبوضات غزہ وعسقلان ان سے چھین کر ان کے اکثر لوگوں کو وہاں تہ تیغ کر دیا اور ان کے رہے سہے بیٹوں سے بدسلوکی کے علاوہ انہیں سب وشتم کا ہدف بھی بنانے لگے اور بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت بھی ختم ہو گیا تو اسی زمانے میں اس قوم کی ایک لاولد عورت نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ اسے ایک ایسا بیٹا دے جو خدا کا ذکر کیا کرے۔ چنانچہ اس عورت کی بارگاہ باری تعالیٰ میں اس دعا کی قبولیت کے بعد اس کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام اشمویل رکھا جس کے معنی عبرانی زبان میں اسماعیل ہوتے ہیں یعنی ''اللہ تعالیٰ نے میری دعا سن لی'' پھر جب اس عورت کا وہ بیٹا ذرا بڑا ہوا تو اس نے اس عبادت گاہ میں ایک نیک شخص کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اسے نیکی وعبادت خداوندی کی تعلیم دے وہ لڑکا اس مرد صالح کے پاس رہتے رہتے اور تعلیم حاصل کرتے ہوئے سن بلوغت کو پہنچا تو ایک روز رات کے وقت سوتے میں اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی اسے بلا رہا ہے۔ اس آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے اپنے بستر سے اٹھ کر اس مرد صالح سے پوچھا:

''کیا آپ نے مجھے آواز دے کر بلایا ہے؟''۔

مرد صالح: ''نہیں تو''۔

اس پر اس نوجوان نے اپنے اس سرپرست ومعلم کو بتایا کہ اس نے سوتے میں ایسا سنا تھا جیسے کوئی اسے آواز دے کر بلا رہا ہے۔

اس کے بعد شمویل یا اشمویل نے یکے بعد دیگرے کئی راتوں تک وہی آواز سنی اور پھر ایک شب کو اسے معلوم ہوا کہ وہ آواز جبریل علیہ السلام کی تھی کیونکہ اس رات جبرئیل علیہ السلام نے اس کے سامنے آ کر اسے بتایا کہ اس کے پروردگار نے اسے اس کی

قوم کی اصلاح کے لیے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ قصہ اور شمویل علیہ السلام کے اپنی قوم کے ساتھ باہمی امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے:

''بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہِ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے یہ بھی کہا کہ خدا نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیسے ہوسکتا ہے بادشاہت کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ خدا نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے) مقرر فرمایا ہے اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور خدا کو (اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ وہ بڑا کشائش والا اور دانا ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔ غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پیئے گا (وہ سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر۔ جب وہ نہر پر پہنچے) تو چند اشخاص کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح یاب کر۔ تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور خدا لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی کرنے سے ہٹاتا نہ رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔ لیکن خدا اہل عالم پر بہت مہربان ہے''۔ (۲:۲۴۶۔۲۵۱)

اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس قصے میں مذکورہ قوم کے جس نبی کا ذکر آیا ہے وہ شمویلؑ تھے۔ تاہم بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یوشعؑ اور شمویلؑ فرد واحد کا نام ہے اور بعض مفسرین نے شمویلؑ کو یوشعؑ بتایا ہے لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے کیونکہ امام ابوجعفر

بن جریر نے اپنی تاریخ میں یوشع علیہ السلام کی وفات اور شمویل علیہ السلام کی بعثت میں چار سو ستر سال کا فصل بتایا ہے۔ پس واللہ اعلم

یہاں بحوالہ قرآن پاک اس قصے کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قوم کو جب لڑائیوں سے واسطہ پڑا اور اس کے دشمن اس پہ ظلم کے پہاڑ ڈھانے لگے تو اس کے لوگوں نے اپنے نبی سے کہا کہ وہ خدا سے دعا کریں کہ وہ ان کے لیے کوئی بادشاہ مقرر فرما دے تا کہ وہ اس کے ساتھ یا اس سے جدا رہ کر جیسا بھی موقع ہو اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ جیسا کہ اس قصے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ اگر تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے تو کیا تم جہاد کرو گے تو وہ بولے کہ ہم خدا کی راہ میں ضرور جہاد کریں گے اور یہ بھی کہا کہ بھلا ہمیں جہاد کرنے سے کون سی چیز مانع ہے کہ جب ہمارے دشمنوں نے ہمیں اور ہمارے بیٹوں کو ہمارے ملک سے نکال دیا ہے لیکن جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے' جب ان سے جہاد کے لیے کہا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب نے اس سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ پھر جیسا کہ اس قصے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے' کہ انہیں نہر کا پانی پینے سے منع کیا گیا تھا لیکن ان میں سے چند کے سوا سب نے نہر سے پانی پیا اور لڑائی سے انکار کر کے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اس قصے میں قرآن شریف کے مطابق ان سے ان کے نبی نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اس طالوت کا تاریخی دستور کے مطابق پورا نام طالوت بن قیش بن افیل بن صارو بن تحورت بن افیح بن انیس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق ابن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بتایا ہے۔

عکرمہ اور السدی کہتے ہیں کہ طالوت پیشے کے لحاظ سے سقہ تھے جب کہ وہب بن منبہ نے اسے دباغ یعنی کھالوں کو پکا کر صاف کرنے والا بتایا ہے۔ یہی وجہ ہوگی کہ اس کی قوم نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر کہ بادشاہی کا حق تو اس سے زیادہ انہیں ہے اور یہ کہ وہ ہم سے زیادہ صاحب مال و زر بھی نہیں ہے انکار کر دیا۔

مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ نبوت لاوی کے اور بادشاہت یہوذا کے خاندان میں تھی لیکن جب وہ بنیامین کے خاندان میں آئی تو ان لوگوں نے ان کی اولاد میں سے کسی کو مذکورہ بالا بہانہ تراش کر بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اس لیے اسے یعنی طالوت ہی کو ان پر بادشاہت کے لیے منتخب فرمایا اور اسے علم جسمانی توانائی کی دولت و نعمت بخشی۔

کہا جاتا ہے کہ شمویل کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مطلع فرمایا تھا کہ طالوت کے سوا اس کے عصا کے برابر ان کی قوم میں سے کسی کا قد نہ ہوگا اور اس کے عصا کے برابر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شمویل سے ارشاد فرمایا تھا طالوت اور اس کے عصا کے برابر واقعی اس کے تمام دور بادشاہت میں اور کسی کا قد نہ ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بادشاہت کے لیے اس کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ تھی اور کچھ لوگ اس کی وجہ اس کا علم بتاتے ہیں اور کچھ دوسرے اس کی قوم میں صرف اس کا امتیازی قد و قامت لیکن ظاہر ہے کہ ارشاد خداوندی میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں اس کی بادشاہت کی وجہ فنون حرب میں اس کی انفرادی و امتیازی قابلیت تھی جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا حسن و جمال تھا کیونکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل میں اتنا خوبصورت شخص کوئی نہ

ہوا تھا اور نہ انبیائے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم عطا فرمایا تھا نہ اتنی جسمانی توانائی بخشی تھی۔

اس کے علاوہ بنی اسرائیل میں اس وقت کے نبی شمویل علیہ السلام نے ارشادِ خداوندی کے مطابق ان سے فرمایا تھا کہ ان کے لیے غیب سے ایک تابوت اترے گا جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی چھوڑی ہوئی چیزیں ہوں گی اور یہ کہ وہ تابوت ان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا اس لیے وہ لوگ جنہیں طالوت کو پہلے مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار تھا اب اس تابوت کی وجہ سے خیر و برکت سے کیونکر کنارہ کش ہو سکتے تھے جب کہ انہیں اپنے دشمنوں کا بھی خیال تھا اور وہ جانتے تھے کہ فنون حرب میں طالوت کی قابلیت ہی کی وجہ سے ان پر غلبہ حاصل ہوسکتا تھا اس لیے انہیں طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنا ہی پڑا جس کا حکم ان کے نبی نے خدا کے حکم کے مطابق انہیں دیا تھا اس کے بعد جب انہوں نے اپنے دشمنوں سے لڑائیوں کے مواقع پر دیکھا کہ اس کا سفید چہرہ اس وقت سرخ ہو جاتا تھا تو انہیں اس کے زیر کمان رہ کر اپنے دشمنوں پر کامل فتح کا یقین ہو گیا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دور طالوت سے قبل مذکورہ بالا تابوت بنی اسرائیل کے قبضے میں تھا جو اصنام پرست تھے لیکن انہوں نے دیکھا کہ وہ تابوت خود بخود فرش سے اٹھ کر ان کے اس بت بعل کے سر پر پہنچ جاتا ہے جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ وہ اسے وہاں سے اتار کر فرش پر رکھتے لیکن اگلی صبح وہ پھر وہیں پہنچ جاتا۔ اس لیے انہوں نے تنگ آ کر اسے دو آدمیوں کے ہاتھ بنی اسرائیل میں بھجوا دیا تھا جسے بنی اسرائیل اپنے نبی کے ارشاد کے مطابق اس غیبی امداد کو اپنے لیے وجہ خیر و برکت اور اپنے دشمنوں پر اپنی یقینی فتح کا سبب سمجھنے لگے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ متعدد مفسرین نے بھی بیان کیا ہے کہ شمویل علیہ السلام کے قصے میں جس نہر کا ذکر آیا ہے اور جس کا پانی پینے سے تھوڑی سی مقدار کے علاوہ بنی اسرائیل کو منع کیا گیا تھا اس کا نام کلام الٰہی کے مطابق نہر الاردن تھا اور وہ آج تک اس نام سے یعنی نہر اردن یا دریائے اردن کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

السدی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لشکر کی تعداد اسی ہزار جوانوں اور امرائے لشکر پر مشتمل تھی جن پر چھہتر ہزار نے حکم الٰہی کے خلاف دریائے اردن کا پانی پی لیا تھا اور طالوت کے ہمراہ صرف چار ہزار افراد رہ گئے تھے جب کہ بخاریؒ نے صحیح بخاری میں قصہ بنی اسرائیل کے ضمن میں اور زہیر و ثوری نے ابی اسحٰق' البراء بن عازب کے حوالے سے بتایا ہے کہ طالوت کے ہمراہ اس کے جن فوجیوں نے دریائے اردن کو عبور کیا تھا ان کی تعداد اصحاب بدر یعنی تین سو تیرہ افراد سے زیادہ نہ تھی اور اسی لیے انہوں نے اس سے کہا تھا کہ ان میں ان کے دشمن جالوت کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود جب جالوت سے ان کا مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں جالوت پر فتح حاصل ہوئی تھی جیسا کہ اصحاب بدر کو قریش مکہ یعنی کفار کے مقابلے میں جن کی تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی اور جن کے پاس سینکڑوں گھوڑے تھے انہی کو جن کے پاس غزوۂ بدر میں صرف دو گھوڑے تھے کامل فتح حاصل ہوئی کیونکہ یہ فتح بھی اہل ایمان کو خدا کے حکم سے حاصل ہوئی تھی اور اس کا ارشاد بھی یہی ہے کہ وہ چاہے تو قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر فتح دلا سکتا ہے۔

طالوت کے قلیل التعداد لشکریوں نے بھی جو اہل ایمان تھے اصحاب بدر کی طرح اللہ تعالیٰ سے وہی دعا کی تھی کہ (یا اللہ ہم پر

صبر کے دہانے کھول دے، ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار پر فتح کے لیے ہماری امداد فرما) اور چونکہ اس دعا کے وقت ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور وہ خدا کی نصرت پر اعتماد رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے حسب مراد ان کے کثیر التعداد دشمن پر انہیں فتح بخشی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ ''انہوں نے دشمن کو خدا کے حکم سے شکست دی'' یہی بات اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہونے والے اہل ایمان سے قرآن میں فرمائی:

''اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم (قلیل تعداد میں) کمزور تھے اس لیے اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار بن سکو''۔

پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے طالوت کے تھوڑے سے ساتھیوں کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے طالوت کو نہ صرف بادشاہت بخشی بلکہ اسے علم و حکمت کی دولت سے بھی مالا مال کر دیا۔

اس قصے میں داؤد علیہ السلام کی شجاعت کا بھی مدلل ثبوت ملتا ہے جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا اور چونکہ ان کی حریف فوج کو نہ صرف شکست ہوئی تھی بلکہ دشمنوں کا بادشاہ بھی چونکہ میدان جنگ میں مارا گیا تھا اس لیے سامانِ حرب و ضرب کے علاوہ اس کا دیگر سامان اور زر و جواہر بھی کثیر تعداد میں ان کے ہاتھ آئے تھے۔ اس سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ حق اور حق پرست نصرت الٰہی سے کس طرح باطل اور باطل پرستوں پر غالب آ جاتے ہیں۔

السدی کی روایت میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے والد کے تیرہ بیٹوں میں سب سے چھوٹے تھے اور ان میں سے دو یہ بیان کر چکے تھے کہ انہوں نے سنا ہے کہ طالوت نے اعلان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو شخص جالوت کو لڑائی میں قتل کرے گا وہ اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے علاوہ اسے اپنی سلطنت میں نصف کا شریک بھی کرے گا یعنی اس طرح وہ بنی اسرائیل کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ داؤد علیہ السلام جو گوپھن سے پتھر پھینکا کرتے تھے غضب کے نشانہ باز تھے اور ان کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ داؤد علیہ السلام ہی تمام بنی اسرائیل میں وہ واحد شخص تھے جنہیں ان کی قوم کے جانی دشمن جالوت سے لڑائی کے وقت ایک پتھر سے یہ آواز آتی سنائی دی تھی کہ:

''مجھے اٹھا لو اور جالوت پر پھینکو تو مجھی سے تم جالوت کو قتل کر دو گے''۔

کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جالوت سے طالوت کی جنگ کے موقع پر داؤد علیہ السلام کو پتھر سے جو آواز سنائی دی تھی وہ درحقیقت ایک کے بجائے تعداد میں تین تھے اور داؤد علیہ السلام نے انہیں اٹھا کر اپنے گوپھن میں رکھ لیا تھا تو وہ تینوں ایک پتھر بن گئے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ مذکورہ بالا لڑائی میں جب جالوت داؤد علیہ السلام کے سامنے آیا تو انہوں نے اس سے فرمایا کہ ''میرے سامنے سے ہٹ جا' میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا'' داؤد علیہ السلام سے یہ سن کر جالوت بولا: ''لیکن میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں''۔ یہ کہہ کر وہ داؤد علیہ السلام کی طرف بڑھا تو انہوں نے اپنے گوپھن سے وہی پتھر اس کی طرف پھینکا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور یہ دیکھ کر اس کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئی۔

کہتے ہیں کہ جالوت پر فتح یاب ہونے کے بعد طالوت نے حسبِ اعلان داؤد علیہ السلام سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور انہیں حسب

وعدہ اپنی سلطنت میں بھی نصف کا شریک کر لیا لیکن داؤد علیہ السلام کی اس شجاعت و دلیری کی وجہ سے بنی اسرائیل طالوت سے کہیں زیادہ ان کی عزت کرنے لگے جسے دیکھ کر طالوت رشک وحسد کا شکار ہوگیا اور اس نے داؤد علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا تو بنی اسرائیل کے علماء نے اسے اس سے روکا لیکن طالوت نے ان علماء میں سے اکثر کو قتل کرا دیا تاہم وہ داؤد علیہ السلام پر قابو پانے اور انہیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

بہر کیف کچھ عرصے کے بعد جب طالوت کا وہ جذبہ رشک وحسد کم ہوا تو وہ اپنے اس خیال باطل پر خود ہی نادم ہوا اور خدا کے سامنے تائب ہوا لیکن اس کی بے چینی میں جب اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو اس نے گریہ وزاری شروع کر دی اور زمین پر سر رگڑ رگڑ کر ایک عرصے تک فریاد کرتا رہا۔ آخر ایک روز اسے زمین سے ان علماء کی آواز سنائی دی جنہیں اس نے قتل کرایا تھا کہ:

''اے طالوت تو نے ہمیں قتل کرایا تھا اور بظاہر اب ہم مردہ ہیں لیکن درحقیقت ہم زندہ ہیں''۔

زمین سے یہ آواز سن کر طالوت اور زیادہ خوفزدہ ہوگیا اور پہلے سے زیادہ گریہ وزاری کرنے لگا لیکن ایک روز جب اس نے اپنے کسی قریبی ساتھی کو اس حقیقت سے آگاہ کیا تو اس نے پوچھا:

''ان علماء میں سے جنہیں آپ نے قتل کرایا تھا کوئی باقی ہے یا نہیں؟''۔

اس سوال کے جواب میں اس نے بنی اسرائیل کے باقی ماندہ علماء کی تلاش شروع کی تو آخرکار اسے ایسے عالم کا پتہ معلوم ہوا جو اس وقت گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

طالوت نے اسے بلا کر پہلے تو اپنی سابقہ حرکت پر ندامت کا اظہار کیا اور پھر اس سے پوچھا کہ آیا اس کے اس پچھلے گناہ کی توبہ کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

اس عالم نے طالوت پر ترس کھا کر ایک ایسی عبادت گزار ضعیف عورت کی نشاندہی کی جو مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور تھی۔

جب اس عورت کو بلایا گیا تو وہ طالوت کو لے کر یوشع علیہ السلام کی قبر پر گئی اور اللہ تعالیٰ سے انہیں زندہ فرمانے کی دعا کی۔ اس کی دعا واقعی بارگاہ رب العزت میں فوراً درجہ قبولیت کو پہنچی اور یوشع علیہ السلام اپنی قبر سے زندہ ہو کر نکل آئے اور انہوں نے وہاں حاضرین سے پوچھا:

''کیا قیامت برپا ہوگئی ہے؟''

یوشع علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں اس عورت نے آگے بڑھ کر کہا:

''نہیں ابھی قیامت نہیں آئی''۔

پھر اس نے ان سے طالوت کا ذکر کر کے جو سامنے ہی ندامت سے سر جھکائے کھڑا تھا عرض کیا:

''یہ اپنے پچھلے گناہوں پر حد درجہ نادم ہے اور چاہتا ہے کہ اسے بارگاہِ الٰہی میں اس کی توبہ کی قبولیت کا طریقہ بتا دیا جائے۔ اس لیے میں اسے ساتھ لے کر یہاں حاضر ہوئی ہوں تاکہ آپ جو نبی تھے اسے وہ طریقہ بتا دیں کیونکہ میں ایسا

کوئی طریقہ نہیں جانتی''۔

یوشع علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ طریقہ یہ ہے کہ یہ (طالوت) یہ ملک چھوڑ دے اور خدا کی راہ میں اس وقت تک کافروں سے جہاد کرتا رہے جب تک قتل نہ ہو جائے اور یہ میت کی شکل میں یہاں واپس نہ آئے''۔

یوشع علیہ السلام کی زبان سے یہ سن کر طالوت نے ان کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور اپنا ملک چھوڑ کر سلطنت داؤد علیہ السلام کے حوالے کر کے چلا گیا۔ اس کی اولاد میں سے اس وقت صرف تیرہ آدمی تھے جو سب کے سب اس کے ساتھ ہی وہاں سے چلے گئے اور اس وقت تک راہ خدا میں جہاد کرتے رہے جب تک قتل نہ ہو گئے۔ ان میں خود طالوت بھی شامل تھا۔

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں یہ قصہ السدی کی طرح بہ اسناد روایت کیا ہے لیکن بعض جگہ یہ روایت محل نظر ہے اور قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحق فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے جس نبی نے طالوت کو بارگاہ باری تعالیٰ میں توبہ کی قبولیت اور اس کے سابقہ گناہوں کے سلسلے میں تلافی مافات کا طریقہ بتایا تھا وہ یسع بن اخطوب تھے اور وہی طالوت کو یوشع علیہ السلام کی قبر پر لے گئے تھے ابن جریر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور یہی انسب معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ ثعلبی کا بیان ہے کہ وہ عورت طالوت کو اشمویل کی قبر پر لے گئی تھی اور وہ اس کی دعا سے زندہ ہو کر اپنی قبر سے باہر آ گئے تھے۔

یہ کسی نبی کا معجزہ تو ہو نا ممکن ہے لیکن کسی عورت کا نبیہ ہونا بہر حال ناممکن ہے اور اس سے کسی ایسے معجزے کا منسوب کرنا بعید از قیاس ہے۔ واللہ اعلم

اہل توریت کے نزدیک طالوت کے قتل ہونے تک اس کی مدت حکومت چالیس سال رہی۔

قصہ داؤد علیہ السلام ان کے زمانے کے حالات' ان کے فضائل وشمائل' ان کی نبوت کے دلائل اور ذکر اظہار

عربی تواریخ کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام کا پورا نام داؤد بن ایشا بن عوید[1] بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عوینا ذب بن ارم بن حصرون بن فارص ابن یہوذا ابن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بتایا جاتا ہے جو ارض بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ کے نبی کی حیثیت سے قیام پذیر رہے۔

محمد بن اسحٰق بعض اہل علم اور وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کا قد چھوٹا' ان کی آنکھیں نیلگوں' بال کم لیکن ان کا دل صاف اور طیب و طاہر تھا۔ ان کے ہاتھوں جالوت کے قتل کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے جس کے بارے میں ابن عساکر مزید کہتے ہیں کہ انہوں نے جالوت کو مرج الصفر کے نواح میں قصر ام حکیم کے قریب قتل کیا تھا اور اس کے بعد بنی اسرائیل نے انہیں بطور عزت افزائی اپنا بادشاہ بنا لیا اور وہ داؤد علیہ السلام ہی تھے جو بیک وقت بنی اسرائیل کے بادشاہ اور ان کے نبی بھی تھے۔

یہ بادشاہت اور نبوت داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹے (سلیمان علیہ السلام) میں آخر تک قائم رہی یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت دونوں میں اس یکجا عظمت وفضیلت سے سرفراز فرمایا۔

جیسا کہ اس سے قبل جو آیات قرآنی پیش کی گئیں ان میں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کے قتل کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ روئے زمین پر کسی کو سلطانی بخشنے کا مقصد یہ ہے کہ طاقت ور لوگ کمزوروں پر غلبہ حاصل نہ کرنے پائیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو دنیا میں فساد برپا ہو جائے اور طاقت ور لوگ کمزوروں کو ہمیشہ مغلوب رکھیں لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس لیے یہ سلسلہ جاری رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کتابوں میں ''السلطان ظل اللّٰہ فی الارض'' بھی کہا گیا ہے یعنی بادشاہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ رحمت ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جن باتوں کا ازالہ قرآن کے ذریعہ ممکن نہیں ہوتا اسے اللہ تعالیٰ (اچھے) بادشاہوں کے ذریعہ کرا دیتے ہیں۔

ابن جریر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب طالوت و جالوت کی جنگ ہوئی تو پہلے جالوت نے طالوت کو مقابلے کے لیے للکارا تھا اس لیے وہ اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا تھا اور اپنے حریف جالوت کو قتل کر دیا تھا اور اس کے بعد طالوت اپنے عوام

---

[1] ہمارے پیش نظر نسخے میں یہی لکھا ہے لیکن ابن جریر کے نسخہ تاریخ میں داؤد بن ایشی بن عوید بن باعر بن سلمون بن نحشون ابن عمی ناذب بن رام الخ ہے جب کہ نسخہ عرائس میں ان کا نسب نامہ کچھ اور دیا گیا ہے جس سے رجوع کیجیے (محمود الامام) نسخہ عرائس دستیاب نہ ہو سکا۔ (مترجم)

میں اتنے ہر دلعزیز ہوئے کہ انہوں نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس واقعے سے قبل شمویل علیہ السلام بنی اسرائیل کے بادشاہ تھے اور انہی نے طالوت کو اپنا وارث و جانشین بنایا تھ۔ تاہم ابن جریر کے بقول طالوت' جالوت کے قتل کے بعد لوگوں میں پسندیدگی و ہر دلعزیزی کی بناء پر بادشاہ ہوا تھا۔ واللہ اعلم

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ طالوت نے قصرام حکیم کے پاس جالوت کو قتل کیا تھا اس کا محل وقوع بقول ابن عساکر وہی دریائے اردن کا کنارہ تھا جس کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے۔

طالوت کے ہاتھوں جالوت کے قتل کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے قصے کے ضمن میں قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس نے داؤد علیہ السلام کو اپنے فضل سے یہ معجزہ عطا فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں آ کر لوہا موم بن جاتا تھا جس سے وہ پہننے کے عام لباس کے علاوہ زرہ بھی بنا لیتے تھے جس سے وہ دشمنوں کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہو جاتے تھے۔ تاہم ان کے (بنی اسرائیل کے) جو اعمال تھے اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس نے پہاڑ اور پرندوں کو داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا اور وہ دیکھتے تھے کہ وہ یعنی پہاڑ اور پرندے اس کے تسبیح خواں ہیں یعنی ہمہ وقت خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے بندوں پر اس فضل و کرم کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرماتے ہیں کہ آیا اس کے اس فضل و کرم کے باوصف وہ اپنے خالق کے شکر گزار ہیں۔

یہ قصہ مجاہد و قتادہ اور حکم و عکرمہ نے بھی قرآن کے حوالے سے بہ تفصیل بیان کیا ہے۔

حسن بصری' قتادہ اور اعمش بتاتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے اس معجزے کی بناء پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا انہیں لوہے کو تپانے اور کوٹنے پیٹنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی جیسے دوسروں کو پڑتی تھی اور وہ آسانی سے اس کے تار بنا کر یا اسے کڑیوں میں تبدیل کر کے بالترتیب اس سے لباس یا زرہ بنا لیتے تھے جس سے انہیں چھ ہزار درہم تک آمدنی ہو جاتی تھی۔

داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو خود محنت کر کے حلال کی روزی حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور ان کے علاوہ قتادہ بھی کہتے ہیں کہ علماء و فقہاء اسلام کے ان افکار و اذکار کا ماحصل یہ ہے کہ اسی اکل حلال سے اہل ایمان کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ وہ رات بھر عبادت پروردگار میں مشغول رہ کر نصف النہار تک روزہ سے رہ سکیں۔

شیخین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح پسند کرتا ہوں جیسے اس کی عبادت داؤد علیہ السلام کیا کرتے تھے اور روزہ بھی مجھے داؤد علیہ السلام کے روزہ کی طرح مرغوب ہے''۔

حضرت داؤد علیہ السلام آدھی رات تک سوتے اور پھر اس کے تہائی حصے میں عبادت الٰہی میں گزارنے کے بعد اس کے چھٹے حصے میں آرام کر لیا کرتے تھے۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑ کر پھر روزہ رکھتے تھے۔

کلام الٰہی کے مطابق جب داؤد علیہ السلام صبح و شام عبادت خداوندی میں مشغول ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہاڑ اور چرند و پرند بھی ان کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے اور چرند و پرند ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے

یا جبال اوبی معه و الطیراً ' انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی و الاشراق.

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ایسی بے مثال آواز اور اس میں ایسا لحن عطا فرمایا تھا کہ ان کی قرأت سن کر پرندے ہوا میں اڑتے اڑتے رک جاتے اور پہاڑ اور تمام چرند و پرند ان کے ساتھ ذکر خداوندی میں مشغول ہو جاتے تھے۔

اوزاعیؒ نے عبداللہ بن عامر کے حوالے سے لحن داؤدی کے اس معجزے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کی آواز سن کر وحوش وطیوران کے گرد جمع ہو کر رقص کرنے لگتے اور رقص کرتے کرتے ان میں سے بعض بے ہوش اور بعض مر بھی جاتے تھے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت کرتے تو ان کی بے مثال آواز سن کر نہ صرف جن وانس چلتے چلتے رک جاتے بلکہ وحوش وطیوران کے گرد جمع ہو کر رقص کرتے اور کبھی رقص کرتے کرتے بے ہوش ہو جاتے اور کبھی کبھی مر بھی جاتے تھے۔

ابوعوانہ سے باسناد مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام بربط بجا کر زبور کی تلاوت کیا کرتے تھے' لیکن یہ روایت غریب ہے۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی آواز آل داؤد کے مزامیر سے وراثت میں پائی ہے''۔ کیونکہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن پاک میں خوش الحانی بھی کسی معجزے سے کم نہ تھی۔ یہ حدیث نبوی شیخین کے حوالے سے صحیح مسلم میں بھی روایت کی گئی ہے۔

امام احمدؒ نے بھی حماد بن سلمہ کی زبانی محمد بن عمر' ابی سلمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مندرجہ بالا حدیث نبوی بیان کی ہے۔

داؤد علیہ السلام کی تلاوت زبور میں جیسا کہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ایک دوسری جگہ عبدالرزاق کی زبانی اور معمر' ہمام اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے ایک تو کلام الٰہی کے اثر دوسرے خود ان کی ساحرانہ آواز کی تاثیر سے جو نتائج پیدا ہوتے تھے وہ بعید از قیاس نہیں ہیں۔

بخاریؒ نے جو حدیث نبوی اس سلسلے میں خصوصیت سے عبداللہ بن محمد اور عبدالرزاق کے حوالے سے پیش کی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام پہلے قرآن (اس حدیث میں جیسا کہ ظاہر ہے قرآن سے مراد زبور ہے) کی تلاوت شروع کرتے اور پھر اپنا ساز چھیڑتے تھے۔

اسی حدیث میں بخاریؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے حوالے سے داؤد علیہ السلام کے بدست خود روزی کے حصول اور اکل حلال کا ذکر بھی کیا ہے۔

بخاریؒ کی بیان کردہ اس حدیث نبوی کو موسیٰ ابن عقبہ نے بھی صفوان یعنی ابن سلیم عطاء، ابن یسار اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے جب کہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں داؤد علیہ السلام کے قصے کے ضمن میں ابراہیم بن طہمان' موسیٰ بن عقبہ' ابی عاصم' ابی بکر سبری اور صفوان بن سلیم کے حوالے سے داؤد علیہ السلام کا مذکورہ معجزہ یعنی ان کے ہاتھ میں آ کر لوہا موم ہو جاتا تھا اور ان کی بے مثال آواز کا ذکر کرتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث نبوی کا حوالہ بھی دیا ہے۔

قرآن شریف میں داؤد علیہ السلام کے قصے کے ضمن میں کلام الٰہی کے الفاظ ﴿وَ آتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ جن کی تفسیر امام احمدؒ نے کی ہے زبور کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ ماہ رمضان میں ان پر نازل ہوئی تھی اور وہ مواعظ واحکام پر مشتمل تھی لیکن اب وہ فی

الجملہ محل نظر ہے کیونکہ اس میں متعدد مقامات پر اہل کتاب نے تحریف کر دی ہے۔

جہاں تک قصہ داؤد علیہ السلام کے ضمن میں آیت قرآنی ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَ آتَيْنَا الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ﴾ کا تعلق ہے اس کا بدیہی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ایک عظیم مملکت کی بادشاہت بخشی تھی اور اس میں ان کے احکام نافذ فرما دیئے تھے۔

داؤد علیہ السلام کے احکام کے نفوذ اور ان کے عدل وانصاف کے سلسلے میں ان کے عادلانہ فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن جریر اور ابن حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ان کی خدمت میں دو اشخاص حاضر ہوئے جن میں سے ایک گائے کی ملکیت کا مدعی تھا اور ایک کہتا تھا کہ دوسرے نے اس کی گائے پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے جب کہ دوسرا شخص انکار کرتا تھا۔ داؤد علیہ السلام نے اس قضیے کا فیصلہ کرنے کے لیے رات تک انتظار کیا۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ انہیں مطلع فرمایا کہ مدعی جھوٹا ہے اس لیے اسے قتل کر دیا جائے۔

اگلی صبح داؤد علیہ السلام نے مدعی کو بلا کر اس سے فرمایا کہ ''شب گزشتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ حکم دیا ہے کہ میں تجھے قتل کر دوں لہٰذا اب میں تجھے قتل کرنے پر مجبور ہوں۔ بتا تو کیا کہتا ہے؟''۔

وہ شخص بولا: ''یا نبی اللہ! مجھے اس شخص کے باپ پر میری گائے غصب کرنے کا علم ہوا تھا لیکن میں نے دعویٰ بیٹے پر کر دیا جس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں''۔

داؤد علیہ السلام نے اس شخص یعنی مدعی کو غلط دعویٰ کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا تو لوگوں کا ان کے فیصلوں میں سختی سے عدل و انصاف پر عمل پیرا ہونے کا اور زیادہ یقین ہو گیا اور اس طرح داؤد علیہ السلام کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ ان کی صدق دل سے فرمانبرداری کرنے لگے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''شَدَدْنَا مُلْكَهُ'' سے اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے اور ''آتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ'' کا مطلب نبوت ہے۔

جہاں تک قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ''وَ فَصْلَ الْخِطَابِ'' کا تعلق ہے اس کے بارے میں شریح وشعبی اور قتادہ و ابوعبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب شہود وایمان ہے جس کی بناء پر داؤد علیہ السلام نے مدعی کو قتل کر دیا اور مدعا علیہ کو چھوڑ دیا تھا۔

مجاہد والسدی کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے اس فیصلے سے ان کی اصابت قضا یعنی فیصلے اور فہم وفراست کا ثبوت ملتا ہے۔ مجاہد یہ بھی کہتے ہیں کہ ''فصل الخطاب'' میں داؤد علیہ السلام کے کلام اور ان کے فیصلے کے مابین فصل کی طرف اشارہ ہے۔ ابن جریر نے مجاہد کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے اور مجاہد کی یہ رائے ابوموسیٰ کے اس قول کے منافی بھی نہیں ہے جس میں انہوں نے ''امابعد'' کہا ہے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل میں باہمی جھگڑوں اور گواہیوں کی کثرت ہوئی تو داؤد علیہ السلام کو ان کی سماعت اور پھر فیصلہ کرنے میں جو فصل غور کرنے اور کسی حتمی نتیجے تک پہنچنے میں رکھنا پڑتا تھا کلام الٰہی میں ''فصل الخطاب'' سے وہی مراد ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اکثر فیصلوں میں ہدایت خداوندی بھی شامل ہوتی تھی اور مقدمات کی سماعت کے لیے ان کے سامنے

پیش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم موصول ہونے میں جو وقفہ ہوتا تھا اس ارشاد ربانی میں اس کا مفہوم بھی شامل ہے۔

داؤد علیہ السلام کے بارے میں جو قصے بیان کیے گئے ہیں ان میں اسرائیلیات پر مبنی حکایات کثرت سے شامل کی گئی ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کے بارے میں صرف اسی قصے پر اکتفا کی ہے جو قرآن شریف میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرماتا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

کسی شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے داؤد علیہ السلام کا قصہ سنانے کی درخواست کی تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ

''یوں تو ان کے بارے میں بے شمار قصے مشہور ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر اسرائیلی حکایات پر مبنی ہیں لیکن ان کا سچا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یہ ہے کہ ''افضل ترین روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور یہ کہ وہ نماز میں زبور کی تلاوت ستر طریقے سے ٹھہر ٹھہر کر اور خوش الحانی سے کیا کرتے تھے جس کے دوران میں ان پر رقت و گریہ طاری رہتا تھا اور اسی طرح وہ قریباً ساری رات عبادتِ الٰہی میں گزار دیتے تھے''۔ داؤد کے بارے میں اس سے بہتر میں تمہیں کوئی اور بات نہیں بتا سکتا''۔

اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے فرمایا:

''ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ داؤد علیہ السلام کے بیٹے سلیمان علیہ السلام ہر مہینے کے پہلے تین دن' پھر اس کے وسط میں تین دن اور اس کے آخر میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے اور وہ جب کسی شہر کو فتح کرنا چاہتے تھے تو اس وقت ظاہر ہے کہ خواہ مہینے کے پہلے تین دن ہوں' اس کے درمیانی تین دن ہوں یا آخری تین دن وہ ہمیشہ روزہ سے ہوتے تھے۔ میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دن کے وقت ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے' جو کی روٹی کھاتے تھے اور (بکریوں یا بھیڑوں کے) بالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے ان کے کوئی بیٹا نہ تھا جو وفات پاتا اور ان کا کوئی گھر بھی نہ تھا جو اجڑتا اور برباد ہوتا۔ انہوں نے تیر چلا کر کبھی کسی پرند و چرند کا شکار نہیں کیا۔ وہ بنی اسرائیل کی مجلس میں جاتے تو وہاں موجود لوگوں کی ضروریات معلوم کرتے اور انہیں پورا کیا کرتے تھے نیز ساری رات عبادت الٰہی میں گزار دیتے تھے۔ میں تمہیں' اگر چاہو' یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ان کی والدہ ماجدہ مریم بنت عمران ایک دن روزہ رکھتیں اور بیچ میں دو دن کا ناغہ کر کے پھر روزہ رکھا کرتی تھیں''۔

اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے فرمایا:

''اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ رسول عربی الامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے کے تین دن روزہ رکھا کرتے تھے''۔

داؤد علیہ السلام کے روزہ کا ذکر امام احمدؒ نے بھی اس کی شہرت کی بناء پر ابی نصر' فرج بن فضالہ' ابی ہرم' صدقہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کیا ہے۔

داؤد علیہ السلام کی کمیت حیات و کیفیت وفات

تخلیق آدم علیہ السلام کے بارے میں احادیث نبوی سے حوالے پیش کیے جا چکے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اور حوا کو جنت سے نکال کر زمین پر جانے کا حکم دیا تو اس کے بعد حوا کے بطن سے آدم علیہ السلام کی جو اولاد پیدا ہوئی وہ رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے وفات پاتی چلی گئی جن میں انبیاء علیہم السلام بھی تھے۔ آخر اپنی اولاد میں ایک ممتاز شخصیت کو سامنے دیکھ کر آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا: ''یہ کون ہے؟'' جواب ملا: ''تمہارا بیٹا داؤد علیہ السلام''۔

آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی شان و شوکت' نبوت و بادشاہت کا اعزاز اور بنی اسرائیل میں اس کی عزت و حرمت اور پسندیدگی و ہر دلعزیزی دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''اس کی ساری عمر کتنی ہوگی؟''۔

جواب ملا: ''ساٹھ سال''۔

آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''یارب! اس کی عمر میں اضافہ فرما دے''۔

جواب ملا: ''اس کی عمر میں اضافے کی واحد صورت یہ ہے کہ تمہاری باقی عمر اسے دے دی جائے''۔

آدم علیہ السلام نے خدا کے سامنے رضامندی کا اظہار کیا تو اس نے آدم علیہ السلام کی عمر سے جو ایک ہزار چالیس سال ہونا تھی چالیس سال نکال کر ان کے اس بیٹے یعنی داؤد علیہ السلام کی عمر میں شامل کر دیئے تو اس کی عمر سو سال ہوگئی لیکن خود آدم علیہ السلام کی عمر جو ایک ہزار چالیس سال ہونا تھی اب صرف ایک ہزار سال رہ گئی جو اس دعا کے وقت ان کی عمر تھی۔ تاہم جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو وہ یہ بات بھول چکے تھے کہ انہوں نے اپنی عمر کے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو ہبہ کر دیئے تھے کیونکہ یہ بات آئندہ صدیوں بعد کے واقعات سے متعلق تھی جسے انہوں نے ظاہر ہے کہ عالم تصور میں دیکھا تھا اور اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے بیٹے داؤد علیہ السلام کی مقررہ عمر ساٹھ سال کی بجائے سو سال کر دی گئی تھی۔

یہ روایت امام احمدؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما' ترمذیؒ کی صحیح' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابن خزیمہ اور ابن حبان کے حوالے سے بیان کی ہے۔ حاکم نے اس روایت کو مسلمؒ کی سند کی طرح بیان کیا ہے۔ حاکم کا طرز بیان ہم اس سے قبل قصہ آدم علیہ السلام میں واضح کر چکے ہیں۔

بعض اہل کتاب نے داؤد علیہ السلام کی عمر ستر سٹھ سال بیان کی ہے اور ان کے دور حکومت کو چالیس سال بتایا ہے جب کہ ان کی عمر کے بارے میں ان کا اول الذکر بیان مندرجہ بالا مستند روایات کے پیش نظر قطعاً ناقابل قبول ہے۔ البتہ انہوں نے داؤد علیہ السلام کا دور حکومت چالیس سال پر محیط بتایا ہے جسے قبول کرنے میں بظاہر کوئی امر مانع نہیں ہے۔

جہاں تک داؤد علیہ السلام کی عمر اور ان کی وفات کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں امام احمدؒ اپنی مسند میں قبیصہ' یعقوب بن

عبد الرحمٰن بن محمد بن عمرو بن ابی عمرو کی زبانی اور مطلب وابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا کہ داؤد علیہ السلام بہت باغیرت انسان تھے وہ جب کسی مکان سے کبیدہ خاطر ہو کر باہر آ جاتے تو وہاں دوبارہ نہیں جاتے تھے حتیٰ کہ اس میں رہنے والے ان کے اہل خانہ بھی ان سے معافی کے خواستگار نہ ہوں نہ وہ اس مکان میں اپنے کسی عزیز کو اس وقت تک جانے کی اجازت دیتے تھے۔ تاہم جب وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جہاں ان کی بیوی مقیم تھیں اور انہوں نے انہیں معاف کر دیا تھا تو دیکھا کہ اس مکان کے وسط میں ایک اجنبی کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اس کے بارے میں اپنی بیوی سے دریافت کیا تو وہ کچھ جواب نہ دے سکیں کیونکہ انہیں وہ شخص نظر ہی نہ آیا تھا لیکن جب داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے براہ راست پوچھا ''تو کون ہے؟'' تو وہ بولا: ''میں وہ ہوں جو بادشاہوں کی محلسراؤں بلکہ ان کی خواب گاہوں تک میں بغیر کسی رکاوٹ کے داخل ہو جاتا ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے''۔ اس شخص سے یہ سن کر داؤد علیہ السلام بولے: ''پھر تو تم یقیناً ملک الموت ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری قبض روح کے لیے بھیجا ہے' مرحبا!''۔ یہ کہہ کر داؤد علیہ السلام جہاں کھڑے تھے وہیں ٹھہر گئے اور عزرائیل ان کی روح قبض کر کے رخصت ہوئے۔ (حدیث نبوی کا لفظی و مفہومی ترجمہ)

مندرجہ بالا روایت کے مطابق داؤد علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے بعد ان کی میت جہاں رکھی گئی تھی وہاں دھوپ تھی۔ یہ دیکھ کر ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام نے بڑے پرندے کو حکم دیا کہ وہ ان کے باپ کی میت پر اپنے پنکھ پھیلا کر سایہ کر دے۔

امام احمدؒ یہ روایت بیان کرنے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کا منظر بچشم خود دیکھ کر بتایا کہ ایک پرندہ کہیں سے آیا' اپنا صرف ایک پنکھ آپ کے سینہ مبارک پر پھیلایا اور آپ کی روح پاک آسانی سے آناً فاناً قبض کر کے نہ جانے کدھر سے باہر چلا گیا۔

یہ روایت امام احمدؒ کی بیان کردہ اور ان کی اسناد انتہائی قوی ہیں اور ثقہ افراد پر مشتمل ہیں۔

جو بڑی کی روایت کے مطابق جس پرندے نے داؤد علیہ السلام کی میت پر سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سایہ کیا تھا وہ انتہائی لمبے پنکھوں والا شاہین تھا۔

السدی ابی مالک اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی وفات سنیچر کے روز صبح کے وقت ہوئی تھی اور ان کی میت پر ایک پرندے نے دھوپ کی وجہ سے سایہ کیا تھا جب کہ اسحاق بن بشر سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ و حسن کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ان کی وفات چہار شنبہ یعنی بدھ کے روز صبح کے وقت ہوئی تھی اور اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔

ابو السکن ہجری بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام' ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب نے صبح کے وقت وفات پائی تھی۔

ابن عساکر اپنی اسناد پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام اپنی سجدہ گاہ سے نکل رہے تھے کہ ملک الموت ان کے سامنے حاضر ہو گیا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ وہ کھڑے رہیں یا بیٹھ جائیں۔ یہ سن کر ملک الموت نے جواب دیا کہ یا نبی اللہ

مجھے سنین و شہور اور آثار داد زاں پر مشتمل صدیوں کا حساب دینا ہوتا ہے۔ ملک الموت سے یہ سن کر داؤد علیہ السلام بس چٹائی پر چڑھے تھے اس پر بیٹھ کر سجدے میں چلے گئے اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں وافر بن سلیمان نے ابی سلیمان فلسطینی اور وہب بن منبہ کے حوالے سے بتایا کہ داؤد علیہ السلام کی وفات کے دن ان کے جنازے میں شرکت کرنے والے لوگ جن میں دوسرے لوگوں کے علاوہ صرف راہبوں کی تعداد چالیس ہزار تھی سب کے سب دھوپ میں بیٹھے تھے اور موسم بھی گرمی کا تھا۔ یہ دیکھ کر سلیمان علیہ السلام نے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے یہ اعجاز بخشا تھا کہ پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حاضرین پر اپنے پروں سے سایہ کر دیں لیکن جب بے شمار پرندوں نے چاروں طرف سے آ کر ان کے حکم کی تعمیل کی تو وہاں ہوا کا گزر مشکل ہو گیا جس سے لوگوں کا سانس لینا مشکل ہو گیا اور یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ حبس دم کی وجہ سے موت کا شکار نہ ہو جائیں اس لیے سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے سے کم سے کم اتنی دور رہیں کہ اس جگہ ہوا تھوڑی بہت آتی رہے۔ چنانچہ ان پرندوں نے وہی کیا اور اس کے بعد وہاں موجود لوگوں کی جان میں جان آئی اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے اس اعجاز کے اظہار کا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشا تھا پہلا موقع تھا۔

حافظ ابویعلیٰ کہتے ہیں کہ انہیں ہمام الولید بن شجاع اور ولید بن مسلم نے ہیثم بن حمید الوضین بن عطاء نصر بن علقمہ جبیر بن نضیر اور ابی الدرداء کے حوالے سے یہ حدیث نبوی سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل ظہور عیسیٰ علیہ السلام سے قبل سو سال تک فتنہ و فساد سے مبرا رہے ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ وہ داؤد علیہ السلام کی ہدایات پر بہ تمام و کمال عمل کرتے رہے۔

ہمارے نزدیک یہ حدیث غریب اور محل نظر ہے خصوصاً اس لیے کہ الوضین سے بہت کی ضعیف احادیث منسوب کی گئی ہیں اور وہ خود بھی روایت احادیث میں کمزور ثابت ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم (مؤلف)

قصہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام

حافظ ابن عساکر کے بقول سلیمان علیہ السلام کا پورا نام سلیمان بن داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن تحشون بن عمینا داب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم بن ابی الربیع نبی اللہ بن نبی اللہ علیہم السلام ایک عرصے سے مشہور چلا آتا ہے۔

بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یعنی سلیمان علیہ السلام دمشق گئے تھے۔ ابن ماکولا نے ان کا نسب نامہ جو بتایا ہے وہ وہی ہے جو ابن عساکر نے بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ہم نے سلیمان کو داؤد علیہ السلام کا وارث بنایا'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''اے لوگو! ہم نے اسے (سلیمانؑ کو) پرندوں کی منطق دی اور بہت سی چیزوں پر اسے اختیار دیا۔ اس پر یہ ہمارا ظاہر و باہر فضل تھا''۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پرندوں کی زبان سمجھتے اور دوسروں کو سمجھاتے تھے۔

جہاں تک سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کی وراثت ملنے کا تعلق ہے اس کا مطلب نبوت و بادشاہت ہے نہ کہ مال و زر جیسا کہ حدیث نبوی سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے جو ان کی اولاد کو نہیں ملتا بلکہ اس کے مستحق وہ محتاج ہوتے ہیں جو ان کے رشتہ دار نہ ہوں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی تبلیغ دین ہوتا ہے اس لیے وہ دنیا کے مال و زر سے بے نیاز ہوتے ہیں نہ اپنی اولاد کے لیے اسے جمع کرتے ہیں نہ ان کے لیے اسے ترکہ میں چھوڑتے ہیں۔

یہ حدیث متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے صحاح (صحیح ستہ) میں درج ہے۔

حافظ ابوبکر بیہقی متعدد حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے ایک دن دمشق کے قریب درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزرتے ہوئے وہاں دو چڑیوں کو دیکھا جو اپنی زبان میں کچھ باتیں کر رہے تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں؟'' اور ان کے انکار کرنے پر انہیں بتایا: ''یہ چڑیاں نر اور مادہ ہیں' نر مادہ سے کہہ رہا کہ ''اگر تو میری زوجیت میں آ جائے تو میں تجھے رہنے کے لیے غرف دمشق میں جو صخرہ میں ہے ایک گھونسلا بنا دوں گا جب کہ صخرہ میں گھونسلے کی کوئی جگہ نہیں ہے اور اکثر مدعی اسی طرح کاذب ہوتے ہیں''۔

بیہقی کچھ دوسری اسناد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ طیور کی بولی سمجھنے کے علاوہ سلیمان علیہ السلام دوسری تمام مخلوقات کی زبان سمجھنے کی خدا کے حکم سے قدرت رکھتے تھے اور انہیں ان پر اختیار حاصل تھا جس کا ثبوت ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ﴾ میں موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ مخلوقات بشمول جنات سب کو حکم دے کر ان سے کام لے سکتے تھے۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی اپنے پروردگار سے اس دعا کا نتیجہ تھا جو انہوں نے ہر فرمان خداوندی کے اتباع کے حوالے سے اس سے کی تھی۔

کلام الٰہی (قرآن) میں اس کا ذکر ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ جن میں جن اور انسان اور سواریاں

جمع ہوتے تھے تو ان کے حکم سے ان سب کو دھوپ اور گرمی سے بچانے کے لیے پرندے ان پر سایہ کرتے ہوئے چلتے تھے۔

قصہ سلیمان علیہ السلام کے ضمن میں قرآن میں آیا ہے کہ وہ اسی طرح ایک دفعہ سفر کرتے ہوئے وادی نمل کی طرف جا رہے تھے تو نملہ نے اہل نمل کو خبر دار کر دیا تھا کہ ان کی آمد سے قبل سب کے سب اپنے اپنے گھروں میں گھس کر بیٹھ جاؤ تا کہ انہیں تمہارا پتہ نہ چل سکے۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھیوں کو تو ان کا علم نہ ہوسکا اور انہوں نے وادی نمل میں کسی روح کی موجودگی سے ان کے سامنے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ خود اپنی مسند پر بیٹھ کر اپنے جملہ ساتھیوں اور لاؤ لشکر کے ساتھ وہاں جا پہنچے تھے اور اہل نمل کا پتہ لگا لیا تھا۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ایک واقعہ انہیں وادی طائف میں پیش آیا تھا اور وہ اپنی مسند پر سب کو بٹھا کر وہاں جا پہنچے تھے۔

قرآن میں واقعہ نمل کا ذکر موجود ہے لیکن واقعہ طائف اور اس کی جزئیات کا جو راویوں نے بیان کی ہیں کوئی قرآنی یا دوسرا ثبوت نہیں ہے۔ تاہم اس کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنی بساط پر بیٹھ کر جہاں چاہتے پہنچ جاتے اور وہ اتنی وسیع و عریض تھی کہ اس پر ان کا سارا لاؤ لشکر بھی آ جاتا تھا جس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر پیش کریں گے۔

یہاں اس ذکر سے ہمارا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہتے وہاں کے کوائف معلوم کرنے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے تھے اور وہی انہیں وحی کے ذریعہ ان کی اطلاع بہم فرماتا تھا جب کہ مشہور روایات کہ چرند و پرند جن کی بولیاں صرف وہی سمجھ سکتے تھے۔ ان کے بارے میں قبل از وقت انہیں بتا دیتے تھے من گھڑت کہانیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کیونکہ ان کے برعکس وہ ہر مہم کے موقع پر آیت قرآنی کے مطابق ہمیشہ "رَبِّ اَوْزِعْنِیْ" (یعنی میرے پروردگار مجھے بتا اور مجھے ہدایت دے) کہا کرتے تھے۔

آیاتِ قرآنی کے مطابق وہ ہمیشہ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کرتے تھے کہ وہ انہیں اپنے صالح بندوں کی سی موت دے اور قیامت میں انہی کے ساتھ اٹھائے ان کی دعا میں جو ان کے والد گرامی داؤد علیہ السلام اور ان کے بزرگوں کا جو حوالہ ہوتا تھا وہ بھی صرف اس لیے کہ وہ سب صالحین اور طیب و طاہرین میں سے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی دعا اسی لیے درجہ قبولیت کو پہنچتی تھی کہ وہ خود بھی انتہائی صالح اور اپنے پروردگار کے انتہائی فرماں بردار بندے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بھی انتہائی عبادت گزار اور نیک خاتون تھیں اور جیسا کہ سینذ بن داؤد نے یوسف بن محمد بن منکدرؒ ان کے والد اور جابر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیمان علیہ السلام کی والدہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو یہ نصیحت فرمایا کرتی تھیں کہ "رات کو زیادہ سونے والا قیامت کے دن فقیر ہوگا"۔ یعنی اس کا دامن نیک اعمال سے خالی ہوگا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ شب بیداری و عبادت گزاری کی کس منزل پر فائز تھیں۔

جہاں تک سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کے طیور و وحوش اور جنات کے مسخر کرنے کا تعلق ہے اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

یمن کے شہر سبا اور وہاں کی ملکہ بلقیس کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں جن میں سے بعض مستند اور بعض ضعیف ہیں۔

ملکہ سبا بلقیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا باپ تو بنی آدم میں سے تھا لیکن ان کی والدہ قوم جنات سے تھی۔

ثعلبی کہتے ہیں کہ بلقیس کی حکومت سے قبل ان کی قوم پر جو شخص حکمران تھا وہ شرابی اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا جس کی وجہ سے ساری قوم میں فسادات پھوٹ پڑے تھے اور سارے ملک میں انتشار پھیل گیا تھا۔ یہ دیکھ کر بلقیس نے اسے کچھ لوگوں کی مدد سے تہ تیغ کر کے اس کا سر اس کے قصر کے دروازے پر لٹکوا دیا تھا اور اس حکمران سے نجات پانے کے بعد بلقیس کی ساری قوم پر اس کا سکہ بیٹھ گیا تھا اور وہ تمام کی تمام اس کے زیر فرمان آ گئی تھی۔ اس طرح بلقیس اپنی قوم کی سیاہ و سفید کی مالک ہو گئی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے شاہی محل میں جو تخت بنوایا تھا وہ زر و جواہر سے مزین ہونے کے علاوہ اپنی چھت کے لحاظ سے بے نظیر تھا کیونکہ اس میں سچ مچ کے ستارے لٹکتے نظر آتے تھے۔

ملکہ سبا یعنی بلقیس کے اس کر و فر کا حال سلیمان علیہ السلام سے جب بیان کیا گیا تو انہوں نے اسے اپنے پاس بلانے کا قصد کیا تو ایک جن نے ان سے عرض کیا کہ اگر ان کی اجازت ہو تو وہ بلقیس کو اس کے تخت سمیت ان کی خدمت میں لا کر حاضر کر دے روایت ہے کہ یہ پیشکش کرنے والے آصف بن برخیا تھے اور قوم جنات کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئی تھی۔ تاہم سلیمان علیہ السلام نے پہلے طاہر ہدہد کو حکم دیا کہ وہ پہلے بلقیس کے پاس ان کا خط لے جائے۔

چنانچہ سلیمان علیہ السلام کا یہ خط ہدہد بلقیس کے پاس اسی طرح لے گیا جیسے پہلے کبوتر پیغامات اور خبریں لے جایا کرتے تھے۔

بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کا وہ خط موصول ہونے کے بعد اپنے درباریوں سے مشورہ کیا اس قوم کی طرح سب کے سب سورج کی پرستش کرتے تھے اور بڑے متکبر و سرکش تھے اس لیے انہوں نے بلقیس کو مشورہ دیا کہ وہ ہرگز سلیمان علیہ السلام کے پاس نہ جائے لیکن ان کے اس مشورے پر جب بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کیا تو انہوں نے جنات کو حکم دیا کہ اسے اس کے تخت سمیت ان کی خدمت میں حاضر کر دیا جائے۔

اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کی یہ طاقت نیز یہ دیکھ کر کہ تمام وحوش و طیور تک ان کے فرماں بردار ہیں ان کی شان و شوکت اور رعب و دبدبے کا اندازہ لگا لیا اور ان کے دست حق پرست پر ایمان لے آئی۔

ثعلبی کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام اسے اپنی زوجیت میں لے آئے تھے اور اسے اس کی مملکت میں واپس کر دیا تھا بلکہ وہیں اس کے لیے تین بڑے شان دار محل عدنان' سالحین اور بیتون بنوا دیئے تھے اور جب کبھی دوسرے شہروں سے ہوتے ہوئے یمن جاتے تو تین روز اس کے پاس ٹھہرا کرتے تھے جب کہ ابن اسحٰق بعض اہل علم کے علاوہ وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے شادی نہیں کی تھی بلکہ اس کی شادی ہمدان کے بادشاہ سے کر دی تھی لیکن یمن کی حکمرانی اسی کے لیے برقرار رکھی تھی اور وہیں تینوں مذکورہ بالا محل اس کے لیے جنات سے تعمیر کرائے تھے جن کی تعمیر بنی آدم کے لیے محال تھی اور یمن میں بلقیس کا دارالحکومت انہی محلات کی وجہ سے شہر کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ واللہ اعلم

سورۂ ص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیے۔ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔
جب ان کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو

کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا۔ (بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا (اور) دعا کی کہ اے پروردگار مجھے مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔ بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ پھر ہم نے ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی۔ اور دیوؤں کو بھی (ان کے زیر فرمان کر دیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو) تو احسان کر دیا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے۔ اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے''۔ (۳۸: ۳۰۔۴۰)

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے داؤد کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند عطا فرمانے کے علاوہ داؤد علیہ السلام کے ان بیٹے یعنی سلیمان علیہ السلام کی کچھ صفات بھی بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان تھے اور ہر حال میں اس سے رجوع کیا کرتے تھے اور دوسرے یہ کہ وہ جانوروں کے ساتھ کس طرح شفقت سے پیش آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی ٹانگوں اور گردنوں پر جو ان کے ہاتھ پھیرنے کا ذکر فرمایا ان کے بارے میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ تلوار سے ان کی ٹانگوں اور گردنوں کے بال کاٹا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ ان دونوں جگہوں سے ان کا پسینہ اپنے ہاتھوں سے صاف کیا کرتے تھے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس شغل میں کبھی ان کی نماز عصر قضا ہو جاتی تھی کیونکہ سورج غروب ہو جاتا تھا۔ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے اور مثال میں غزوۂ خندق کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر قضا ہو جانے کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ترک نماز ویسے تو کسی حالت میں جائز نہیں لیکن جنگ کے موقع پر صلاۃ الخوف کا موقع بھی نہ ہو اور اس کا قضا کرنا جائز ہے یا جنگ کے موقع پر گھوڑوں کی تیاری اور ان کا معائنہ کرتے ہوئے وقت عصر گزر جائے تو نماز قضا کر لینا مجبوراً جواز کی حیثیت رکھتا ہے۔

امام شافعیؒ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تائید کی ہے اور مکحولؒ اور اوزاعیؒ نے اس بارے میں شدید جنگ کے مواقع کی شرط پیش کی ہے۔ ہم نے سورۂ نساء کی تفسیر کرتے ہوئے اس مسئلے پر بھی گفتگو کی ہے۔

ابن جریر نے ان آیات میں ارشاد باری تعالیٰ کہ سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے کے بارے میں دو وضاحتی اقوال میں سے کہ سلیمان علیہ السلام ان کی ٹانگوں اور گردنوں سے پسینہ صاف کیا کرتے تھے یا تلوار سے ان کی ٹانگوں کے بال صاف کیا کرتے تھے اور ان کی گردنوں کے بال یا ان کے اجنہ (پر) کاٹا کرتے تھے اول الذکر قول کو اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ دوسری وضاحت کے لحاظ سے یہ لازم آتا ہے کہ اس طرح جانوروں کو اذیت دی جائے۔ البتہ وہ بھی کہتے ہیں کہ گھوڑوں کو تلف کرنا یعنی ان کو مار ڈالنا صرف اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے کہ جب یہ خوف ہو کہ وہ زندہ رہے تو دشمن کے ہاتھ لگ جائیں گے جیسا کہ اسی اندیشے کی وجہ سے ایک موقع پر جعفر بن ابی طالب نے اپنے گھوڑے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کی تعداد بعض روایات میں بیس ہزار اور بعض میں دس ہزار بتائی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ

ان میں سے بیس گھوڑے پردار تھے۔

ابوداؤدؒ نے اپنی کتاب سنن میں دوسرے متعدد راویوں کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یہ حدیث بیان کی ہے کہ غزوہ تبوک کے سفر میں گرمی کی وجہ سے انہوں نے اپنی سواری کا پردہ ایک طرف سے ذرا سا کھول رکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سواری کے قریب آ کر اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''میں گھوڑے دیکھ رہی تھی''۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیوں؟ کیا آپ نے اس سے قبل کبھی گھوڑے نہیں دیکھے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزاحاً بولیں: ''دیکھے تو ہیں لیکن ایک تو یہ کہ میں نے اتنی بڑی تعداد میں اس سے قبل کبھی گھوڑے نہیں دیکھے تھے' دوسرے یہ کہ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ ان گھوڑوں میں پردار گھوڑے کتنے ہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان سے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پردار گھوڑے! کیا کہیں گھوڑے بھی پردار ہوتے ہیں؟ آپ کا یہ سوال سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''میں نے سنا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں میں کچھ گھوڑے پردار بھی ہوتے تھے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کا یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے جس سے آپؐ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔

بعض علماء کا بیان ہے کہ جب کچھ لوگ اللہ کے نام پر اپنے چوپائے چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں انہیں کوئی ایسی چیز عطا فرما دیتا ہے جو ان کے لیے ان سے زیادہ بہتر ثابت ہوتی ہے جب کہ وہ چوپائے جو اس کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں وہ آزادی سے کبھی کہیں پھرتے رہتے ہیں تا کہ ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے کہیں کم۔

اس مسئلے پر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ ویسے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے اسماعیل اور سلیمان بن مغیرہ نے حمید بن ہلال' ابی قتادہ اور ابی الدھما کے حوالے سے کہ آخر الذکر دونوں اکثر سفر کیا کرتے تھے بیان کیا کہ ان کے پاس دورانِ سفر میں ایک بدو آیا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا کہ جب کوئی شخص کوئی چیز خدا کی راہ میں فدیہ کر دیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں کوئی ایسی چیز عطا فرما دیتا ہے جو اس پہلی چیز سے بہتر ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے بلا ضرورت کوئی چیز مت مانگو کیونکہ وہ اس چیز میں جو اس نے تمہیں پہلے ہی عطا فرما رکھی ہے تمہاری بھلائی سمجھتا ہو۔

ہم نے سلیمان علیہ السلام کے قصے میں آیت قرآنی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے تخت پر ایک بے سر کا دھڑ پڑا پایا تھا یہاں صرف کلام الٰہی سے حوالے کے لیے پیش کی ہے جس کے بارے میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم کے علاوہ متعدد دیگر مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے نیز اس کے متعلق اسرائیلات میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ لغویات و خرافات سے پر ہے اور اسی لیے قابل اعتماد نہیں ہے۔ تاہم ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب تفسیر میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

جہاں تک مورخین کے ان بیانات کا تعلق ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنے پایہ تخت سے چالیس روز تک غائب رہے تھے اور

سے بتایا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل بیت المقدس میں معتکف ہو گئے تھے اور انہوں نے وہیں اپنے مصلّی کے سامنے وہ دونوں درخت دیکھے تھے اور پہلے درخت سے اس کا نام دریافت کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ اگر وہ بنی نوع انسان کے مفید مطلب ہے اور دوا کے کام آتا ہے تو سرسبز رہے۔

دوسرے درخت سے جب انہوں نے اس کا نام دریافت کیا تھا تو اس نے خروب بتایا تھا اور اپنے کام کے بارے میں کہا تھا کہ اس کا کام بیت المقدس کے انہدام اور اس کی تباہی سے متعلق ہے۔

اسدی مذکورہ بالا حوالوں سے مزید بیان کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو یقیناً یہ پسند نہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام اپنی آنکھوں کے سامنے بیت المقدس کی تباہی دیکھیں اس لیے اس نے اس سے قبل ان کی موت کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جب وہ نماز کے لیے محراب میں تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہیں وفات پا گئے لیکن وہ اس وقت نماز سے فارغ ہو کر اپنا عصا لیے غالباً محراب سے باہر آنے کا قصد کر رہے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی۔ تاہم جنات ایک عرصے سے یہ سمجھتے رہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے عصا سے ٹیک لگائے کھڑے ہیں اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یہ ان کی دعا کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے اس وقت تک جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ دیمک نے ان کا عصا اندر ہی اندر کھا کھا کر کھوکھلا نہ کر دیا اور ان کا جسد خاکی گر نہ پڑا جنات کو ان کی وفات کا علم نہ ہوا اور وہ حسبِ معمول ان کاموں میں مشغول رہے جس کا حکم انہیں سلیمان علیہ السلام اپنی زندگی میں دے چکے تھے۔ (آیات قرآنی کی توضیح)

بہر کیف سلیمان علیہ السلام کی وفات کے کافی عرصہ بعد جیسا کہ اس روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے' جب جنات کو اس کی خبر ہوئی تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر انہیں ان کی وفات کی قبل از وقت اطلاع ہو جاتی تو وہ انہیں بہترین کھانے اور بہتر سے بہتر مشروبات پیش کرتے لیکن مندرجہ بالا آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی وفات کی خبر پانے کے بعد جنات نے آپس میں کہا تھا کہ اگر انہیں ان کی وفات کی خبر پہلے ہو جاتی تو وہ ان کے احکام کی تعمیل کی اذیت سے کافی عرصہ قبل چھوٹ جاتے۔

ابن مسعود متعلقہ آیات قرآنی کی توضیح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات اور لوگوں میں ان کی شہرت کا درمیانی فصل پورے ایک سال پر محیط تھا' جب کہ جنات اس دوران میں انہیں زندہ سمجھتے رہے تھے کیونکہ اس دوران میں جیسے کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے' محراب مسجد اور ان کے درمیان آگ کا ایک الاؤ انہیں نظر آتا رہا جس کے خوف سے انہوں نے محراب کے قریب جانے کی جرأت نہیں کی اور انسانوں سے یہی کہتے رہے کہ وہ زندہ ہیں۔

بہر کیف جب لوگوں کو سلیمان علیہ السلام کی وفات کی خبر ہوئی تو انہوں نے جنات کے پہلے بیان کو کذب پر محمول کیا اور بعض نے یہ بھی کہا کہ جنات کو اس کا علم کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ سلیمان علیہ السلام کے عصا کو دیمک کا کیڑا رات دن ایک سال تک برابر کھاتا رہا۔ جس کے اختتام پر ان کا جسد خاکی زمین پر گرا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کی وفات کی خبر مشہور ہونے کے بعد جب بیت المقدس میں داخل ہو کر لوگوں نے ان کا عصا دیکھا تو وہ کھوکھلا ہو کر قریب قریب خاک ہو چکا تھا البتہ اس کے اوپر ایسی مٹی کے کچھ آثار بھی تھے جو جھاڑیوں کی جڑوں میں ہوتی ہے۔

یہ روایت اسرائیلات سے ماخوذ ہے لیکن اس کی صحت وتکذیب یقینی طور پر بیان نہیں کی جا سکتی۔

ابوداؤد اپنی کتاب القدر میں بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا تھا کہ جب اسے ان کی روح قبض کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ انہیں اس کی اطلاع دے دے لیکن ملک الموت نے انہیں جواب دیا تھا کہ ہر نفس کی موت کا وقت تو مقرر ہے لیکن خود اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ عین وقت پر اسے مرنے والے کا نام بتا کر اس کی روح قبض کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے۔

اصبغ بن فرج اور عبداللہ بن وہب عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملک الموت سے اپنی موت کا وقت دریافت کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی موت سے خائف تھے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ملک الموت نے ان سے معذرت کرتے ہوئے انہیں اتنا بتا دیا تھا کہ ان کی وفات کی خبر جن وانس میں سے کسی کو ایک عرصے تک نہ ہو سکے گی۔

ایسی ہی ایک روایت جماعت سلف وغیرہ نے بھی بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

اسحٰق بن بشر نے محمد بن اسحٰق اور زہری کے حوالے سے سلیمان علیہ السلام کی عمر ان کی وفات کے وقت باون سال بتائی ہے اور ان کا دور حکومت چالیس سال بیان کیا ہے جب کہ اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے ابوروق نے عکرمہ اور ابوعباس علیہما السلام کے حوالے سے بیان کیا کہ سلیمان علیہ السلام کی عمر ساڑھے پچاس سال ہوگئی اور انہوں نے صرف بیس سال حکومت کی۔ واللہ اعلم

ابن جریر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی حکومت کے چوتھے سال بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے رحبعام نے سترہ سال حکومت کی جس میں بنی اسرائیل نے کوئی رخنہ اندازی کی نہ ان میں باہم کسی قسم کے اختلافات پیدا ہوئے لیکن اس کے بعد ان کی مملکت قائم نہ رہ سکی۔

باب ۲

داؤد و سلیمان علیہما السلام کے بعد اور زکریا و یحییٰ علیہما السلام سے قبل بنی اسرائیل کی ایک جماعت انبیاء علیہم السلام کا ذکر جن کے ادوارِ نبوت نامعلوم ہیں

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ داؤد و سلیمان علیہما السلام کے بعد اور زکریا و یحییٰ علیہما السلام سے قبل بنی اسرائیل کی جماعت انبیاء میں سے پہلے نبی کا نام شعیا بن امصیا تھا اور ان کا شمار بنی اسرائیل کے ان انبیاء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے بعد علی الترتیب عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی تھی۔

شعیا بن امصیا کے زمانے میں بنی اسرائیل کا بادشاہ خرقیا تھا جو اپنے زمانے کے نبی شعیا کی مذہبی اوامر و نواہی کے جملہ معاملات میں اطاعت کیا کرتا اور اپنی قوم کو ان کی پابندی کا حکم دیا کرتا تھا اور اسی وجہ سے تمام بنی اسرائیل اسے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور وہ ان میں بہت مقبول تھا۔

کچھ عرصہ بعد خرقیا کے ٹخنے میں قرحہ پیدا ہوا اور وہ شدید مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اسی زمانے میں بابل کے بادشاہ سخاریب نے بیت المقدس پر حملے کا ارادہ کیا اور محمد ابن اسحٰق کے بقول اس نے چھ لاکھ فوجیوں کے ساتھ بنی اسرائیل پر چڑھائی کر دی اور بیت المقدس میں اتنی لوٹ مار کی کہ بنی اسرائیل چیخ پڑے۔

حرقیا نے شعیا بن امصیا علیہ السلام سے اس کے تدراک کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ انہیں اس بارے میں وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملا' اس لیے وہ اس کے بارے میں فی الوقت کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن عین ممکن ہے کہ بعد میں کوئی حکم آ جائے۔ البتہ کچھ ہی دن بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ شعیا سے کہیں کہ اپنے بعد کسی کو حسبِ منشا اپنا جانشین بنا دے۔

جب حرقیا کے خیال میں اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے قبلہ رو ہو کر تسبیح و تہلیل شروع کر دی اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی شعیا کے ذریعہ اسے اطلاع دی کہ اس کی دعا قبول ہوئی اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنے ٹخنے پر جس میں قرحہ کی وجہ سے (لا علاج) زخم ہو گیا ہے انجیر کا عرق لگائے۔

جب اس نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی تو اسے بحکم خداوندی شفائے کامل حاصل ہو گئی اور دوسری طرف سخاریب کی فوج کے سارے سپاہی اس کے اور اس کے پانچ ساتھیوں کے سوا بحکم خداوندی ہلاک ہو گئے۔ سخاریب اور اس کے پانچوں ساتھیوں کو جن میں بخت نصر بھی شامل تھا گرفتار کر کے شہر بہ شہر پابہ زنجیر پھرایا گیا اور خوراک میں انہیں ستر روز تک فی کس دو مٹھی جو دیئے گئے جس کے بعد انہیں قید میں ڈال دیا گیا۔

ابن اسحق مزید بیان کرتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کے بادشاہ خرقیا کو اللہ تعالیٰ کے نبی شعیا علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ وہ سخاریب اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر کے ان کے ملک بھیج دے تاکہ وہ اپنی قوم کے لیے عبرت کا سبب بنیں چنانچہ خرقیا نے انہیں قید سے رہا کر کے ان کے ملک جانے کی اجازت دے دی۔

سخاریب نے بابل پہنچ کر اپنی قوم کے لوگوں کو جن میں جادوگر اور کاہن بھی شامل تھے جمع کر کے انہیں اپنے مصائب کا حال سنایا تو ان میں جو نجومی تھے وہ بولے کہ انہوں نے اسے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل پر کوئی کتنا ہی شہ زور ہو فتح نہیں پا سکتا کیونکہ انہیں ان کے انبیاء اور ان کے رب کی امداد حاصل ہے جن پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ کاہنوں اور نجومیوں سے یہ سن کر سخاریب خوف سے لرزہ براندام ہو کر رہ گیا اور اس سات سال بعد ہی وہ مر گیا لیکن اس دوران میں خود بنی اسرائیل میں تفرقے پڑ گئے جس کی وجہ سے ان کے دشمن پھر سر اٹھانے لگے جس پر جناب شعیا علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنی قوم کے لوگوں کو جمع اور انہیں وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ لیکن جونہی وہ اپنا خطبہ ختم کر کے منبر سے اترے انہی کی قوم کے لوگ انہیں قتل کرنے کے ارادے سے ان کی طرف دوڑے لیکن وہ ان سے بچ کر ایک طرف بھاگ نکلے اور راستے میں ایک درخت کو حکم دیا کہ وہ اپنے تنے میں شگاف پیدا کر کے ان کی حفاظت کا ذریعہ بن جائے۔ ان کے اس حکم پر وہ درخت تنے کے حصے میں دو برابر ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا اور وہ اس میں سما گئے تو وہ شگاف خود بخود بند ہو گیا لیکن اتفاقاً ان کے پیراہن کے دامن کا ایک ٹکڑا باہر رہ گیا جس سے ان کے تعاقب میں آنے والوں کو ان کی جائے پناہ کا پتا چل گیا۔ تاہم وہ سوچنے لگے کہ انہیں درخت سے باہر کیونکر نکالا جائے۔ ان کی یہ مشکل شیطان مردود نے حل کر دی اور انہیں بتایا کہ اس درخت کے تنے کو درمیان سے چیر دیا جائے۔ شیطان لعین کے اس مشورے پر ان کے دشمنوں نے جب اس درخت کے تنے کو درمیان سے چیرا تو بہ قضائے الٰہی شعیا علیہ السلام بھی دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

قصہ ارمیا بن حلقیا علیہ السلام

ارمیؑ بن حلقیا بھی بنی اسرائیل کے انہی انبیاء میں شامل ہیں جن کا ذکر زیر نظر باب کی افتتاحی سطور میں کیا گیا ہے۔ وہ لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

کہا گیا ہے کہ خضر علیہ السلام درحقیقت وہی تھے لیکن یہ بڑی عجیب وغریب روایت ہے جو صحیح نہیں ہے۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جب انہیں یحییٰ بن ذکریا کے خلاف فتنہ سازی کی خبر ملی تو وہ بھاگ کر دمشق کی طرف چلے گئے تھے جہاں وہ کچھ دن ٹھہرے اور پھر پانی میں اتر کر غائب ہو گئے۔

ابوبکر بن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے علی بن ابی مریم نے احمد بن حباب اور عبدالرحمٰن کے حوالے سے بیان کیا کہ ارمیاؑ وہی تھے جن کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ:

''اے میرے پروردگار! میں تیرے بندوں کے بارے میں چاہتا ہوں کہ وہ تیرے محبوب بندے بن جائیں' ان میں سے اکثر یہی کہتے ہیں کہ وہ تیرا ذکر ذکر خلائق چھوڑ کر اسی طرح کریں جس طرح میں تیرا ذکر کرتا ہوں' یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں موت پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور جو دائمی بقاء کے لیے فنا ہو جانے پر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ انہیں اگر دنیا کا عیش حاصل ہو تو اس پر قناعت کرتے ہیں اور اگر وہ ان سے چھن جائے تب بھی خوش رہتے ہیں۔ اے میرے رب! ان لوگوں کو میری محبت دے اور انہیں ان کی خواہش سے زیادہ عطا فرما''۔

بیت المقدس کی تباہی کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا:

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ بے شک نوح علیہ السلام ہمارے شکر گزار بندے تھے۔ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے پس جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیئے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اگر تم نیکوکاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے۔ اور اگر اعمال بد کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہوگا۔ پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں اسے تباہ کر دیں' اُمید ہے تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے۔ اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (پہلا سا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے''۔ (۱۵:۲۔۸)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل میں معاصی کی کثرت ہونے لگی تو انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کو جنہیں ارمیا کے نام سے پکارا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ ظہر اور عصر کے درمیان اپنی قوم کو جمع کر کے ان سے کہیں کہ ان کے دل تو ہیں لیکن وہ احساس سے خالی ہیں' ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ دیکھ نہیں سکتے۔ ان کے دو کان بھی ہیں لیکن وہ سننے سے قاصر ہیں' وہ بھول گئے کہ ہم نے ان کے اسلاف کو عزت بخشی تھی لیکن وہ اب اپنے اسلاف کی روش چھوڑ کر پھر معاصی پر اتر آئے ہیں' ان کے کاہنوں نے انہیں دوبارہ شرک پر مائل کر دیا ہے تو ہم بھی اپنے جلال کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اب ہم ان کی حرکات کے مطابق ان سے سلوک کریں گے' ہم ان کے اوپر ایک جابر حاکم کو مسلط کر دیں گے جو باہر سے آئے گا جس کے ساتھ بادلوں کی طرح فوج اُمڈ کر آئے گی' اس کے گھوڑے اور دوسرے سواری کے جانور موج در موج ہوں گے۔ اس کے سوار پھریرے اڑاتے آئیں گے اور چشم زدن میں تمہاری عمارتوں کو منہدم کر دیں گے' وہ تمہاری بستیوں کو ویرانوں اور خرابوں میں تبدیل کر دیں گے۔ اس کے بعد تمہاری ساری شان و شوکت خاک میں مل جائے گی' تمہاری عورتیں خوشبوؤں کی جگہ اپنے چہروں پر مٹی ملا کریں گی' ہمارے حکم سے آسمان تمہارے لیے لوہے کا بن جائے گا' تمہاری کھیتی باڑی کی زمینیں سنگلاخ بن جائیں گی' تمہارے لیے نہ آسمان سے ایک قطرہ بارش ہوگی نہ تمہاری زراعتی زمینوں سے غلے کا ایک دانہ اُگے گا نہ سبزی اُگے گی۔ البتہ جانوروں کے لیے ہم اپنی رحمت سے زمین کی دراڑوں میں سے گھاس اُگا دیا کریں گے۔ ہم اس وقت تمہاری طرف سے قطعاً اپنا رُخ پھیر لیں گے اور

تمہاری فریاد پر بالکل توجہ نہیں دیں گے۔

اس روایت کو ابن عساکر نے انہیں الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اسحٰق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں ادریس نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بتایا کہ ارمیاؑ کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل نہ صرف طرح طرح کی بداعمالیوں اور معاصی میں مبتلا ہو گئے تھے بلکہ قتل انبیاء کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور یہی ان کے زوال کا باعث ہوا تھا لیکن ارمیاؑ کے ذریعہ انہیں اپنے عذاب وانتقام سے ڈرانے کے باوجود جب بنی اسرائیل اپنی حرکات قبیح سے باز نہ آئے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' یہ ان پر عذاب الٰہی کی نشاندہی ہی تھی کہ بخت نصر کو بیت المقدس فتح کرنے کی سوجھی اور اس نے سخاریب کو جو اس وقت بابل کا بادشاہ تھا بنی اسرائیل پر فوج کشی کا مشورہ دیا اور خود بھی اس کے ساتھ بنی اسرائیل پر چڑھ دوڑا اور انہیں طرح طرح سے ذلیل وخوار کیا۔ تاہم جب خزقیا یعنی بنی اسرائیل کے بادشاہ نے ارمیا علیہ السلام سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی دعا والتجا کی وجہ سے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' ان کے شر سے سخاریب و بخت نصر کی بلا ٹال دی تھی لیکن وہ پھر اپنی انہی قبیح حرکات میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ارمیاؑ پر وحی بھیج کر آخری بار متنبہ کیا اور اپنی قدرت کاملہ' جلال و جبروت اور قہاری کے حوالے سے انہیں ڈرایا لیکن وہ اتنے ڈھیٹ تھے کہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور ارمیاؑ کو کاذب ٹھہرانے لگے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کے عالم' قاری اور واعظ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے حتیٰ کہ انہوں نے ارمیا علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا۔

چنانچہ ان تمام باتوں کے بعد ہی عذاب الٰہی ایک بار پھر بخت نصر کی شکل میں ان پر نازل ہوا اور اس نے اب کے ایک پہلے سے زیادہ لشکر جرار کے ساتھ بیت المقدس پر حملہ کیا اور وہاں قتل وغارت کی انتہا کر دی' سینکڑوں بلکہ ہزاروں لاکھوں کو جن میں جوان اور بوڑھے سبھی شامل تھے تہ تیغ کیا' پانی میں غرق کیا یا اپاہج کر دیا' بنی اسرائیل کی مستورات کو سر بازار پھرا کر ذلیل کیا' ان کی تمام شاندار عمارتیں منہدم کر دیں' بیت المقدس میں گھوڑے باندھے' سور ذبح کیے اور طرح طرح کی دوسری ناگفتہ بہ قبیح حرکات اپنے اور اپنی فوج کے لیے مباح کر لیے' اس نے نہ صرف بنی اسرائیل کے سارے قلعے بلکہ مساجد تک کو مسمار کیے بغیر نہ چھوڑا۔

غرض اب کے بنی اسرائیل پر ایسا عذاب آیا جس کا وہ کبھی تصور بھی نہ کر سکتے تھے بس یوں سمجھئے کہ اس نے بنی اسرائیل کے بچے بچے کو فنا کر کے رکھ دیا' اس نے بنی اسرائیل کے سرداروں اور بادشاہوں کے ستر ہزار جوان لڑکوں کو صرف بیت المقدس میں قتل کیا۔ وہ جب اس قتل وغارت گری سے فارغ ہو کر بابل کو لوٹا تو اس کے ساتھ ان قیدیوں کی تعداد جنہیں اس نے گرفتار کر کے غلام بنا لیا تھا حسب ذیل تھی:

داؤد کے خاندان کے سات ہزار' یوسف بن یعقوب اور ان کے بھائی بنیامین کے خاندان کے گیارہ ہزار' عیشی بن یعقوب کے خاندان کے آٹھ ہزار' حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹوں زبالون اور نفتالی کے خاندان کے چودہ ہزار' دان بن یعقوب کے خاندان کے چودہ ہزار' یستاخرین یعقوب کے خاندان کے آٹھ ہزار' زبالون بن یعقوب کے خاندان کے خصوصی نوجوان دو ہزار' روبیل اور لاوی کے خاندان کے چار ہزار اور ان کے علاوہ بنی اسرائیل کے دوسرے خاندانوں کے بارہ ہزار۔ اس کے علاوہ بخت نصر بیت المقدس سے بنی اسرائیل کا مال وزر اور دوسرا سامان جو مال غنیمت سمجھ کر بابل لے گیا تھا وہ حد وشمار سے باہر تھا۔

اسحاق بن بشر وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب بخت نصر بیت المقدس میں وہ سب کچھ کر چکا جو اسے کرنا تھا تو بنی اسرائیل کے کچھ باقی ماندہ لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے مقابل آنے والوں کو تو قتل کر چکا ہے یا غرق آب کر چکا ہے لیکن اسے اس شخص کی کچھ خبر نہیں جو بنی اسرائیل کے صاحبان اقتدار کو ان کی بداعمالیوں سے روکا اور خدا کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے تو انہوں نے اسے قید کر دیا تھا اور وہ ابھی تک قید خانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں سے یہ سن کر بخت نصر نے رمیاؑ کو قید سے رہائی دے کر کہا:

''یہ کیسی بری قوم ہے جس نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور قتل کیا بلکہ خود اس ذات پاک کی بھی تکذیب کی جس نے انہیں ان کی اصلاح کے لیے نبی بنا کر بھیجا تھا''۔

بقول راوی ارمیا نے بخت نصر سے کہا کہ وہ ان سے ڈرے تھے جنہوں نے انہیں قید کیا تھا نہ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ روئے زمین پر خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے بخت نصر کے جانے کے بعد ارمیاؑ حسب سابق ایلیا میں اپنے مکان میں رہنے لگے تھے۔ تاہم یہ روایت غریب ہے اور اس میں صرف مواعظ اور سبق آموزی شامل ہیں۔ (مؤلف)

ہمارے مذکورہ بالا راویوں کے علاوہ اکثر دوسرے مؤرخین نے بھی بخت نصر کے فارسی النسل ہونے' اس زمانے کے شاہ ایران کی طرف سے رومی سرحدوں کے علاقے میں اس کے نائب السلطنت ہونے' فلسطین' شام' مصر' بعض رومی و مغربی علاقوں خصوصاً دمشق پر جہاں بنی اسرائیل دوسرے علاقوں کے علاوہ کثیر تعداد میں اس کی قتل و غارت سے بچ کر روپوش ہو گئے تھے اس کی فوج کشی اور ان تمام مقامات پر اس کی بیت المقدس کی طرح قتل و غارت گری کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ غرض بخت نصر بنی اسرائیل پر جہاں جہاں بھی وہ گئے تھے بلائے ناگہانی بن کر ٹوٹا تھا اور انہیں کہیں چین سے بیٹھنے کی مہلت نہیں دی تھی جس کی وجہ سے وہ ایک عرصے تک جگہ جگہ مارے پھرے تھے لیکن جہاں جہاں بھی وہ گئے تھے اس قہر الٰہی نے جو بیت المقدس میں ان کی بداعمالیوں کی بناء پر ان پر عذاب بن کر نازل ہوں مدتوں تک کہیں ان کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل بیت المقدس سے نکل کر دنیا میں ادھر ادھر پھیلے تو ان کا ایک گروہ حجاز میں مکہ معظمہ' مدینہ منورہ بھی آ گیا تھا اور انہی میں سے کچھ لوگ وادی قریٰ میں بھی آباد ہو گئے تھے لیکن جب اس کی خبر مصر میں بخت نصر کو ہوئی تو اس نے والی حجاز کو لکھا کر وہ ان شر و فساد کی بنیاد رکھنے والے لوگوں کو گرفتار کر کے مصر بھیج دے تاکہ وہ ان کا بالکل ہی قلع قمع کر دے لیکن جب والی حجاز نے اس سے انکار کیا تو وہ حجاز پر بھی حملہ آور ہوا تھا اور اس کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔

ابن کلبی نے اس روایت کے آخر میں بتایا ہے کہ بخت نصر' مصر' بلادِ مغرب' بیت المقدس اور فلسطین کے دیگر علاقوں اور اردن تک قتل و غارت گری کے بعد دانیال کے سرحدی علاقوں تک جا پہنچا تھا۔

ظاہر ہے کہ اس روایت میں دانیال سے ابن کلبی کی مراد' جیسا کہ وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے' دانیال اکبر کی بجائے دانیال اصغر ہے۔ واللہ اعلم

ذکر دانیال علیہ السلام سے بعض واقعات کا ذکر

ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے احمد بن عبدالاعلیٰ شیبانی نے بیان کیا اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ اگر وہ مجھ سے یہ بات شعیب بن صفوان براہِ راست بیان نہ کرتے تو یقیناً مجھ سے میرے بعض ساتھی اجلح الکندی اور عبداللہ بن ابی الہذیل کے حوالے سے بیان کرتے کہ بخت نصر نے اپنے مقابلے میں شیر نر کی طرح آنے والے دو انتہائی بہادر آدمیوں کو بمشکل پکڑ کر ایک کنوئیں میں لٹکا دیا اور اس کے بعد جب اس نے کسی نہ کسی طرح حضرت دانیال علیہ السلام پر بھی قابو پالیا تو ان آدمیوں کے اوپر اس کنوئیں میں انہیں بھی لٹکا دیا۔

ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کے مطابق حضرت دانیال علیہ السلام کو بھوک پیاس ستانے لگی' لیکن انہوں نے جہاں تک ہوسکا صبر کیا۔ ان کے اس صبر واستقامت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے جناب ارمیا علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کو کھانا پانی پہنچائیں۔ جناب ارمیاؑ نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سن کر اس سے عرض کیا کہ وہ انہیں کھانا پانی کس طرح پہنچا سکتے ہیں جب کہ بخت نصر نے انہیں سرزمین عراق بابل کے قریب دمشق میں قید کر رکھا ہے اور وہ (ارمیاؑ) ان سے اتنی دور ارض مقدس میں ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے ارمیاؑ کو حکم دیا کہ وہ جو کھانے پینے کی اشیاء ارمیاؑ کو بھیجا کرے وہ انہیں اپنے طور پر دانیال علیہ السلام کو پہنچا دیا کریں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کے اور ان اشیاء کے حمل ونقل کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔

چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اشیائے خورد ونوش ارمیاؑ کو ملیں اور اللہ تعالیٰ نے ارمیاؑ اور ان اشیاء کو اپنی قدرت سے مذکورہ بالا کنوئیں تک پہنچا دیا لیکن جب وہ پہلی بار اس کنوئیں کی من پر پہنچے تو دانیالؑ نے ان کی آہٹ سن کر پوچھا: ''تم کون ہو؟''۔

ارمیاؑ نے جواب دیا: ''میں ارمیا ہوں''۔

دانیال علیہ السلام نے دریافت کیا:

''تم یہاں تک کس طرح پہنچے اور تمہیں کس نے پہنچایا؟''۔

ارمیا علیہ السلام نے جواب دیا:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ تک پہنچایا ہے''۔

دانیال علیہ السلام بولے:

''تو پھر اس نے تم سے میرا ذکر بھی ضرور کیا ہوگا''۔

ارمیا علیہ السلام نے کہا: ''جی ہاں کیا ہے''۔

ارمیا علیہ السلام سے یہ سن کر دانیال علیہ السلام بولے:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اپنے ذکر کرنے والوں کو فراموش نہیں فرماتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو اس سے امید رکھتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو شخص اس پر توکل کرتا ہے وہ کسی دوسرے پر توکل کرنے کا محتاج نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ احسان کی جزا احسان سے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کو صبر کی جزا میں نجات دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ تکلیف کے بعد راحت پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جب ہم خود اپنے اعمال بد کی وجہ سے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ ہمیں اس بدگمانی سے دور کر کے یقین کی منزل تک پہنچا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جب ہماری ہر امید منقطع ہو جاتی ہے تو وہ ہمیں از سر نو امید دلاتا ہے''۔

یونس بن بکیر محمد بن اسحٰق اور ابی خلد بن دینار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر دونوں کو ابوالعالیہ نے بتایا کہ جب انہوں نے یعنی اسلامی افواج نے تستر فتح کیا تو ابوالعالیہ کے بقول ہرمزان کے گھر میں انہیں جو سامان ملا اس میں ایک تخت بھی تھا جس پر کسی شخص کی میت رکھی ہوئی تھی اور اس میت کے سرہانے ایک مصحف آسمانی بھی تھا جسے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے کعب (بن احبار) کو بلا کر اس کا عربی رسم الخط میں ترجمہ کرایا۔

اس روایت کے آخر میں ابوالعالیہ سے منقول ہے کہ وہ پہلے شخص تھے جس نے اس مصحف کو اس طرح پڑھا جس طرح قرآن پڑھا جاتا ہے۔ پھر جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اس میت کا کیا ہوا جس کے سرہانے وہ مصحف رکھا ہوا پایا گیا تھا اور اس مصحف میں کیا لکھا تھا؟ تو وہ بولے کہ اس مصحف میں وہ احکام تھے جو اس زمانے کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام پر وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کی امت کی ہدایت کے لیے نازل فرمائے تھے اور وہ میت خود حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی۔ اس میت کو دیکھنے کے بعد انہوں نے ہرمزان کے محل کے احاطے میں تیرہ قبریں اور دیکھیں لیکن انہیں کھدواتے کھدواتے رات ہوگئی تاہم اس کے سوا کہ ان قبروں میں سے ان میں مدفون اشخاص کے ناموں کی سنگی لوحیں تو ملیں مگر ان کی نشان دہی کوئی نہ کر سکا البتہ اس میت کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی۔

جب ان سے دریافت کیا گیا کہ انہوں نے اس میت کو دیکھ کر یہ کیسے اندازہ لگایا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی جب کہ ان کے زمانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک پورے تین سو سال گزر چکے تھے اور آخر الذکر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک مزید چار سو سال گزر چکے ہیں۔ تو وہ بولے کہ وہ صرف انبیاء علیہم السلام کی میتیں ہوتی ہیں جو صدیاں گزرنے کے باوجود صحیح و سالم رہتی ہیں' نہ انہیں مٹی خراب کر سکتی ہے اور نہ ان کا گوشت درندے کھا سکتے ہیں۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ دانیال علیہ السلام کی میت کس حالت میں تھی تو انہوں نے بتایا کہ ان کی سر کی گدی سے کچھ بال ضرور اڑ گئے تھے لیکن ان کے علاوہ نہ صرف گوشت پوست سالم تھا بلکہ اس پر بال بھی پہلے کی طرح موجود تھے بہر کیف ہم نے انہیں وہیں دفن کر دیا تھا۔

آخر میں وہ بولے کہ ازمنہ قدیم کے دوسرے انبیاء اور اللہ کے صالح بندوں کا بھی اسی طرح پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

ابوبکر بن ابی الدنیا اپنی کتاب "احکام القبور" میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابو بلال بن حارث بن عبداللہ ابن ابی بردہ بن ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ابومحمد القاسم بن عبداللہ نے ابی اشعث الاحمری کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دانیال علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ انہیں امت محمدیہ کے لوگ دفن کریں۔

جب ابوموسیٰ اشعری نے تستر فتح کیا تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد آیا اور یہ بھی یاد آیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص دانیال علیہ السلام کی نشان دہی کرے گا وہ جنتی ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے وہاں ان کی میت یا قبر کی تلاش شروع کر دی اور انہیں وہ تابوت مل گیا جس میں ان کی میت رکھی ہوئی تھی جو بالکل صحیح و سالم تھی اور ان کے سرہانے وہ مصحف آسمانی رکھا ہوا تھا جو ان پر نازل ہوا تھا اور وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے اسے عربی زبان میں منتقل کرا کے پڑھا تھا اور پھر اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوایا تھا۔ اسی روایت میں یہ بھی درج ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دانیال علیہ السلام کی میت کو شناخت کے لیے تستر کے کچھ بوڑھے لوگوں کو طلب کیا تھا اور انہوں نے انہیں بتایا تھا کہ دانیال علیہ السلام کے زمانے کے بادشاہ نے یوں تو بے شمار لوگوں کو قتل کرایا تھا لیکن دانیال علیہ السلام کو وہ انگوٹھی دیکھ کر چھوڑ دیا تھا جو ان کے ہاتھ میں تھی جس کے نگینے پر ان کی تصویر تھی اور اس کے دونوں طرف دو شیروں کی تصویریں تھیں جو زبانیں باہر نکالے ان کے پاؤں چاٹ رہے تھے۔

جن لوگوں کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دانیال علیہ السلام کی میت کو شناخت کے لیے طلب کیا تھا انہوں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ ان کے بزرگوں سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ ایسی انگوٹھی صرف دانیال علیہ السلام ہی پہنا کرتے تھے اور اس کے نگینے پر جو نقش تھا وہ اس بات کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کی حفاظت کرتا ہے انہیں شیر تک نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ ان کے پاؤں اپنی زبانوں سے چاٹنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دانیال علیہ السلام کی میت دفنانے سے پہلے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک بہت گہری خندق کھدوائی تھی اور پھر چار چار جنگلی جانور دو مرتبہ مروا کر اس میں اس طرح دفن کیے تھے کہ ان کے مدفن انسانوں کی قبریں معلوم ہوں اور پھر ان قبروں کے درمیان حضرت دانیال علیہ السلام کو دفن کرایا تھا تاکہ ان کی میت کی پھر کبھی بے حرمتی نہ ہو۔

اس روایت کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو مال غنیمت تستر میں ملا تھا وہ انہوں نے شریعت کے مطابق خمس نکال کر اپنے فوجیوں میں حصہ رسد تقسیم کر دیا تھا لیکن حضرت دانیال علیہ السلام کی وہ انگوٹھی بطور یادگار خود پہن لی تھی۔ ابوموسیٰ اشعری کی وفات کے بعد جب وہ انگوٹھی ان کی والدہ کو دکھائی گئی تو انہوں نے بتایا کہ ان کے بیٹے اس انگوٹھی کو ہمہ وقت پہنے رہتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ وہ انہیں دانیال علیہ السلام کی میت تلاش کرنے کے بعد ان کی انگلی سے ملی تھی اس لیے وہ اسے ان کی یادگار کے طور پر ہمہ وقت پہنے رہتے ہیں۔

اس روایت کی اسناد ثقہ لوگوں پر مشتمل ہے اور اسے متفقہ طور پر روایت حسن تسلیم کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

اپنی سرزمین کے تحفظ' قومی سلامتی اور بیت المقدس کی از سرِ نو تعمیر کے لیے وہاں سرداران بنی اسرائیل کا اجتماع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اس شخص کو نہیں (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاق سے گزر ہوا۔ تو اس نے کہا کہ خدا اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ تو خدا نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ خدا نے فرمایا (نہیں) بلکہ سو برس مرے رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق سڑی بسی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیونکر جوڑ دیتے اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں۔ جب یہ واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اُٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔ (۲۵۹:۲)

پہلے اس ارشاد باری تعالیٰ پر غور فرمایئے پھر بیت المقدس کی تباہی کے بعد اس کی از سرِ نو تعمیر کے سلسلے میں ہشام بن کلبی کی بیان کردہ درج ذیل روایت کو بغور ملاحظہ کیجیے وہ بیان کرتے ہیں کہ بیت المقدس کی تباہی اور وہاں بنی اسرائیل کے قتل عام اور لاکھوں افراد کو قیدی بنا کر بابل لیے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کو جنہیں بخت نصر اور بابل کے بادشاہ نے قید سے رہا کر دیا تھا۔ وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کو از سرِ نو تعمیر کریں تو انہوں نے وہاں پہنچ کر اسے بالکل ایک خرابے کی صورت میں پایا تو وہ سوچنے لگے کہ اس کی پہلی بار تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ تعمیر فرما دیا تھا جس کی خبر اس نے مجھے وحی کے ذریعہ دی ہے لیکن اسی نے اس کی پھر تباہی کے بعد اب مجھے یہاں آ کر اس کے از سرِ نو تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے' پہلے یہ کب تباہ ہوا ہوگا جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے کتنے عرصے بعد تعمیر فرمایا ہوگا' اور اب مجھے اس کی از سرِ نو تعمیر میں نہ جانے کتنا عرصہ لگ جائے۔ یہ سوچتے سوچتے انہیں نیند آ گئی اور اسی نیند کی حالت میں انہیں ستر سال گزر گئے۔ ارمیا علیہ السلام اپنے ساتھ اپنا گدھا اور کھانا بھی بیت المقدس لے گئے تھے۔

بہرکیف اب بخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی کو ایک سو بیس سال سے زیادہ گزر چکے تھے اور اس دوران میں بابل کا وہ پہلا بادشاہ جس کے ساتھ رہ کر بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا مر چکا تھا اور بادشاہت اس کے بیٹے لہراسپ کے حصے میں آئی تھی۔ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا بشتاسب بابل کا بادشاہ ہو گیا تھا اور اس نے بابل پر ایک سو بیس سال حکومت

کی تھی جب کہ اس سے قبل لہراسپ کے زمانے میں بخت نصر بھی فوت ہو چکا تھا۔ تاہم بشتاسب نے بابل سے شام جا کر دمشق کی ویرانی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ اس کے کھنڈرات میں درندوں نے بسیرا کر لیا ہے بلکہ اس تمام عرصے میں سرزمین فلسطین کی بھی یہی حالت ہو چکی تھی اور وہاں بھی کوئی فرد بشر نظر نہیں آتا تھا۔

یہ دیکھ کر بشتاسب نے بنی اسرائیل کے ان لوگوں کو جنہیں بخت نصر بیت المقدس سے گرفتار کر کے اور غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا آزاد کر کے یہ اجازت دے دی تھی کہ ان میں سے جو چاہے وہاں سے اپنی آبائی سرزمین فلسطین واپس جا سکتا ہے چنانچہ وہ لوگ فلسطین واپس آ گئے تھے اور انہوں نے وہاں جگہ جگہ کئی شہر بھی آباد کر لیے تھے بلکہ جہاں تک ہو سکا تھا بیت المقدس کی بھی از سر نو تعمیر کر لی تھی اور اس دوران میں آل داؤد ہی کا ایک شخص ان کا حکمران رہا تھا۔

جب ارمیا علیہ السلام اپنی ستر سالہ نیند سے بحکم خداوند تعالیٰ بیدار ہوئے تو وہ سب دیکھ کر حیران رہ گئے اور پکار اٹھے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہشام ابن کلبی اپنی اس روایت میں مزید بیان کرتے ہیں کہ بابل سے واپسی کے بعد بنی اسرائیل نے ایک بار پھر بیت المقدس میں قدم جما لیے تھے لیکن جب ان میں پہلے کی طرح پھر طوائف الملوکی پھیلی تو رومیوں نے ان پر حملہ کر کے ایک بار پھر بیت المقدس کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا تھا اور وہاں کے اکثر لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہی تھے قتل کر کے وہاں تباہی مچا دی تھی۔

ہشام ابن کلبی نے اس روایت میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ بابل کا بادشاہ لہراسپ جس نے بنی اسرائیل کو آزاد کر کے بیت المقدس جانے کی اجازت دی تھی بہت دانش مند حکمران تھا اور اس نے بابل میں بہت سے خوب صورت شہر آباد کرنے اور وہاں کثرت سے شاندار عمارات تعمیر کرنے کے علاوہ متعدد قلعے بھی تعمیر کیے تھے نیز یہ کہ اس کے بیٹے بشتاسب کے زمانے میں جب لہراسپ کی مملکت روبہ زوال ہوئی تو رومیوں کو جن میں نصرانیت ظہور پذیر ہو چکی تھی بیت المقدس پر حملہ کرنے اور اسے تباہ کرنے کا قصد کیا تھا۔

ہشام بن کلبی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بشتاسب کے زمانے ہی میں فارس میں ایک شخص زرتشت نامی نے اہل فارس کو مجوسیت کی تلقین کی تھی اور اس کے بہت سے پیروکار آج بھی ہندوستان وایران میں پائے جاتے ہیں۔[1]

---

[1] اس روایت کو مزید بڑھا کر بعض راویوں نے اسی زرتشت کو جو بشتاسب کو آذربائیجان میں ملا تھا اور اسے مجوسیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ارمیا علیہ السلام کی بددعا سے وہ مبروص ہو گیا تھا اور اہل فارس نے ہی جن میں خود اس کے بزرگ بھی شامل تھے اسے قتل کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے نبی ابراہیم الزرتشت بتایا ہے جو صریحاً غلط ہے کیونکہ ابراہیم الزرتشت کا شمار بنی اسرائیل کے ان انبیاء میں ہوتا ہے جو داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور زکریا و یحییٰ علیہم السلام سے قبل بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔ وہ درحقیقت قفقاز کی نہر الرس کی وادی میں پیدا ہوئے تھے۔ جس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ''اصحاب الرس'' فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ رس' الرس کا مخفف ہے۔ بہرکیف ابراہیم الزرتشت وادی رس میں پیدا ہوئے اور وہیں مبعوث ہوئے تھے ان کی کتاب قدیم فارسی زبان میں ہے اور پہلی آسمانی کتابوں اور صحائف کی طرح احکام وہدایات پر مشتمل ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا بھی ذکر اور بشارت ہے لیکن مجوسیوں نے یہ سمجھ کر کہ یا تو وہ کسی پہلے نبی کا ذکر ہے یا خود اس زرتشت کا جس نے ایران میں مجوسیت کی تلقین کی تھی اور اسی التباس کی وجہ سے پارسی قوم اس کاذب نبی کی پیروی کرنے لگے۔ اس بات کو ادیان و مذاہب کے عالم بخوبی سمجھتے ہیں۔ (فرج اللہ زکی الکردی)

بشتاسب کے بعد اس کا بیٹا بہمن بن بشتاسب بادشاہ ہوا تھا لیکن فارس و بابل کے یہ تینوں بادشاہ بخت نصر ہی کے زیر اثر رہے حتیٰ کہ وہ طویل عرصے تک سیاہ وسفید کا مالک رہ کر دنیا سے روسیاہی سمیٹ کر کوچ کر گیا۔

یہاں اس روایت کو پیش کرنے کا اصل مقصد اس گاؤں کا ذکر کرنا تھا جہاں سے ایک شخص نے گزرتے ہوئے اسے مسمار و منہدم دیکھ کر یہ سوچا تھا کہ خدا اس کے باشندوں کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا اور جب وہ وہیں سو سال تک مردہ رہ کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھر زندہ ہو گیا تھا اور اس نے اقرار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی طرح ارمیا علیہ السلام نے بیت المقدس میں ستر سال تک بحالت خواب گزارنے کے بعد بیدار ہو کر جب بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر شدہ دیکھا تھا تو کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔

اس روایت کو اس کے سباق کے ساتھ ابن جریر نے بھی بیان کیا ہے اور اس میں متعدد مستند حوالے پیش کیے ہیں جن میں عبداللہ بن سلام' ابن عباس' حسن' قتادہ السدی سلیمان اور ابن بریدہ وغیرہم کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور ابراہیم زرتشت کو بنی اسرائیل کے نبی بتایا ہے اور یہی بات بہت سے اسلاف واخلاف میں مشہور ہے۔ واللہ اعلم

قصہ عزیز علیہ السلام

حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے عزیز علیہ السلام کا پورا مشہور تاریخی نام عزیز بن جروہ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انہیں بن سوریق بن عدیا بن ایوب بن درزنا بن عری بن تقی بن اسبوع بن فخاص بن عازر بن ہارون بن عمران اور عزیز بن سرد خا بھی کہا جاتا تھا اور ان کی قبر دمشق میں بتائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ابن عساکر ہی نے ابی القاسم بغوی کی طرح داؤد بن عمرو' حبان بن علی' محمد بن کریب اور ان کے والد نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کے اس نسبت نامے کی شہرت کے باوصف یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بنی اسرائیل کے نبی تھے یا نہیں یا وہ خود کسی کا اتباع کرتے تھے یا انہیں کسی نے غلام کی حیثیت سے خریدا یا فروخت کیا تھا کیونکہ موئل بن حسن کی بہ اسناد روایت کے مطابق مشہور ہے کہ بخت نصر دوسرے بنی اسرائیل کے لوگوں کے ساتھ انہیں بھی بیت المقدس سے غلام بنا کر بابل لے گیا تھا لیکن پھر انہی کے ساتھ وہ بھی آزاد کر دیئے گئے تھے۔

بہر کیف ابن عساکر کی اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ یعنی عزیز علیہ السلام چالیس سال کی عمر کو پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت زیادہ حکمت سے نوازا تھا اور یہ بھی مشہور ہے کہ توراۃ کا حافظ و عالم اس زمانے میں ان سے بڑا کوئی دوسرا نہیں تھا اور اسی وجہ سے ان کا نام بھی ایک نبی کی حیثیت سے بحکم الٰہی اب تک زندہ ہے لیکن یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کے بارے میں ان سے سوال کیا تھا ایک ضعیف روایت ہے اور اسی لیے منقطع و منکر سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

اسحاق بن بشر سعید' ابی عروبہ' قتادہ' حسن اور عبداللہ بن سلام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عزیز وہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سو سال تک مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا تھا۔

اسحق بن بشر ان حوالوں کے علاوہ مقاتل و جویبر' ضحاک' عبداللہ بن اسماعیل السدی ان کے والد' مجاہد' ابن عباس رضی اللہ عنہ و ادریس اور ان کے دادا وہب بن منبہ کے حوالے دے کر بیان کرتے ہیں کہ ان سب نے ان سے فرداً فرداً بیان کیا کہ عزیز ایک مرد صالح اور دانشمند شخص تھے لیکن ایک دن وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر اپنے گھر سے کسی دور کی بستی کی طرف جا رہے تھے جہاں ان کا کسی شخص سے ملنے کا وعدہ تھا تو گرمی کی وجہ سے راستے میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کے لیے ٹھہر گئے اور اپنے گدھے پر سے کھانے اور پینے کا سامان جو کچھ انجیروں' انگوروں اور ایک خربوزے پر مشتمل تھا اور ایک تھیلے میں تھا اتار کر گدھے کو بھی درخت کی ایک شاخ سے باندھ دیا۔

ان کے سامنے کسی قدیم بستی کے کھنڈرات تھے جنہیں دیکھ کر وہ سوچنے لگے کہ اس بستی کے باشندے بھی کبھی زندہ ہوں گے لیکن اب نہ جانے کب سے مردوں کی طرح ان کھنڈرات میں دبے پڑے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ تمام مردوں کو

دوبارہ زندہ کرے گا تو بھلا وہ ان مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ وہ ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی روح قبض کر لی گئی اور انہیں سو سال تک اسی حالت میں رکھا گیا۔

سو سال گزرنے کے بعد ایک فرشتے نے خدا کے حکم سے وہاں آ کر انہیں خوابِ مرگ سے جگایا اور پوچھا کہ وہ کب سے وہاں آرام کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ:

''یہی ایک دو گھنٹے ہوئے ہوں گے لیکن مجھے اس درخت کے سائے میں گہری نیند آ گئی تھی۔ اس لیے ممکن ہے کچھ زیادہ دیر ہو گئی ہو''۔

ان سے یہ سن کر فرشتہ بولا:

''آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہاں مردہ بنا کر سو سال تک پڑا رکھا ہے اور اب پھر زندہ کر دیا ہے۔ تاہم آپ کا کھانا ہنوز اسی طرح تر و تازہ رکھا ہے جیسا وہ پہلے روز تھا لیکن آپ کے گدھے کو بھی مرے ہوئے سو سال ہو چکے ہیں''۔

یہ کہہ کر اس فرشتے نے ان کے گدھے کی ہڈیاں جو ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں ایک جگہ جمع کر کے خدا کے حکم سے اس میں روح پھونکی تو وہ زندہ ہو گیا اور کان اوپر اٹھا کر آسمان کی طرف منہ کر کے رینکنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت عزیز علیہ السلام نے اپنی غلط سوچ اور خدا کی قدرت میں جو شک کیا تھا اس سے توبہ کر کے کہا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس روایت کے آخر میں اسحٰق بن بشر کے بقول آیاتِ قرآنی: ﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا. الخ﴾ میں حضرت عزیز علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسحٰق بن بشر نے اس روایت میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ جناب عزیز جب اس جگہ سے واپس اپنے گھر کی طرف چلے تو انہیں کنیسۂ حزقیل کے قریب بیس سال کی ایک اندھی لڑکی ملی جو دونوں پاؤں سے بھی معذور تھی اور لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے سڑک پار کرا دی تو اس نے پوچھا:

''آپ کون ہیں؟'' وہ بولے: ''میں عزیز ہوں''۔

یہ سن کر لڑکی بولی: ''کیا آپ اللہ کے نبی عزیز ہیں؟''۔

لڑکی سے یہ سن کر حضرت عزیز علیہ السلام بہت شرمندہ ہوئے لیکن اس لڑکی سے کہا:

''ہاں میں اللہ کا بندہ اور نبی عزیز ہوں''۔

ان سے یہ سن کر لڑکی بولی: ''لیکن میں نے سنا ہے کہ انہیں تو وفات پائے سو سال ہو چکے ہیں''۔

لڑکی سے یہ سن کر حضرت عزیز علیہ السلام نے فرمایا: ''لیکن خدا نے مجھے سو سال کے بعد پھر زندہ کر دیا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس لڑکی سے یہ کہہ کر حضرت عزیز علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ:

''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تو اپنی قدرت دکھا کر میرا شک دور فرما دیا ہے اور میں اپنی اس غلط سوچ اور شک پر تجھ سے توبہ کر کے معافی بھی مانگ چکا ہوں لیکن اب تجھ سے میری التجا ہے کہ میرے توسط سے اس لڑکی کی بصارت بحال کر دے اور اس کے ٹخنوں کے زخموں کو ٹھیک کر کے اسے بھی اپنی قدرت دکھا دے''۔

حضرت عزیز علیہ السلام کی اس دعا اور التجا پر انہیں غیب سے آواز سنائی دی کہ ان کی التجا قبول ہوئی تو انہوں نے اس لڑکی کی آنکھوں اور ٹخنوں پر ہاتھ پھیر دیا تو فوراً اس کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی اور اس کے ٹخنوں کے وہ زخم جو بڑھتے بڑھتے ناسور ہو گئے تھے مندمل ہو گئے۔

یہ دیکھ کر وہ لڑکی حیرت سے چیخ پڑی: ''آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے وہی نبی ہیں اور آپ نے بالکل سچ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے''۔

یہ کہہ کر وہ لڑکی آنکھوں میں شکر گزاری کے آنسو لیے حضرت عزیز علیہ السلام کو ساتھ لے کر بنی اسرائیل کی اس مجلس میں پہنچی جہاں اس وقت ان کے شیوخ جمع ہو کر کسی معاملے میں باہم مشورہ کر رہے تھے۔

جب اس لڑکی نے انہیں حضرت عزیز علیہ السلام کے واقعے کے علاوہ ان کے ہاتھوں اپنی بصارت کی بحالی اور اپنے پاؤں کے لاعلاج زخموں کے اندمال کا واقعہ سنایا تو وہ بھی ان کے معجزے اور اللہ تعالیٰ کے اس کرشمہ قدرت پر حیران رہ گئے۔

یاد رہے کہ جب عزیز علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سو سال کے لیے موت کی نیند طاری ہوئی تھی تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور جب وہ سو سال گزرنے کے بعد بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا مجلس میں پہنچے تھے تو خود ان کے بیٹے کی عمر ایک سو بیس سال اور ان کے والد کی عمر ظاہر ہے اس سے بھی کہیں زیادہ ہو چکی تھی لیکن عزیز علیہ السلام کی عمر اب تک وہی چالیس سال تھی۔

ایک مشہور روایت میں بتایا گیا ہے کہ عزیز علیہ السلام کے اس واقعے سے قبل جب بخت نصر نے بیت المقدس کو مسمار کر کے وہاں سے ملا ہوا تورات کا ایک واحد قدیم نسخہ بھی نذر آتش کر دیا تھا تو عزیز علیہ السلام ہی نے جو اس مقدس آسمانی کتاب کے سب سے بڑے حافظ تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی بے مثل عطا فرمایا تھا اپنی یادداشت سے اس کا ایک جدید نسخہ تیار کر کے وہاں سے قریب ایک ٹیلے کو گہرا کھدوا کر اسے وہاں گاڑ دیا تھا تاکہ وہ بنی اسرائیل کے دشمنوں کی پہنچ سے دور رہ کر محفوظ رہ سکے۔

قصہ زکریا و یحییٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز قرآن مجید وفرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے:

''کھیٰعص. (یہ) تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان (ہے جو اس نے) اپنے بندے زکریا پر (کی تھی) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا (اور) کہا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہوگئی ہیں اور سر (ہے کہ) بڑھاپے (کی وجہ سے) مشلہ مارنے لگا ہے اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔ اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو اور (اے) میرے پروردگار اس کو خوش اطوار بنائیو۔ اللہ نے فرمایا اے زکریا ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا پروردگار میرے ہاں لڑکا ہوگا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔ حکم ہوا کہ اسی طرح (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔ کہا کہ پروردگار میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم صحیح وسالم ہو کر (بھی) تین (رات دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان سے اشارے سے کہا کہ صبح وشام (خدا کو) یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ (ہماری) کتاب کو زور سے پکڑے رہو۔ اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی دی تھی اور وہ پرہیزگار تھے' اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔ اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر سلام اور رحمت (ہے)''۔ (۱۹:۱۔۱۵)

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''اور زکریا کو اس کا متکفل بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے۔ وہ بولیں کہ خدا کے ہاں سے (آتا ہے) بے شک خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔ اس وقت زکریا (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما تو بے شک دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔ وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی۔ کہ (زکریا) خدا تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو خدا کے فیض (یعنی عیسیٰ کی) تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے اور (خدا

کے پیغمبر یعنی) نیکوکاروں میں ہوں گے۔ زکریا نے کہا اے پروردگار میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا کہ میں تو بڈھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ خدا نے فرمایا اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا نے کہا کہ پروردگار (میرے لیے) کوئی نشانی مقرر فرما۔ خدا نے فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے تو (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کی کثرت سے یاد اور صبح و شام اس کی تسبیح کرنا''۔(۳:۳۸-۴۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا:

''اور زکریا (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو یحییٰ بخشے اور ان کی بیوی کو ان کے (حسن معاشرت کے) قابل بنا دیا۔ یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے''۔(۲۱:۸۹-۹۰)

حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی مشہور کتاب تاریخ ''الحافل'' میں حضرت زکریا علیہ السلام کا پورا نام زکریا بن برخیا لکھتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ انہیں زکریا بن دان اور زکریا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن خشبان بن داؤد بن سلیمان بن داؤد ابو یحییٰ بھی کہا جاتا تھا اور یہ کہ وہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کے نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے اور اسی حیثیت سے مشہور تھے۔ ابن عساکر نے یہ بھی لکھا کہ وہ اپنے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کی تلاش میں دمشق کے علاقے میں گئے تھے جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب ان کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا گیا وہ اس وقت دمشق میں تھے۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان کا نسب نامہ اور کئی طرح بیان کیا گیا ہے نیز یہ کہ ان کا نام الف ممدودہ اور الف مقصورہ دونوں کے ساتھ لیا جاتا تھا اور بعض لوگ انہیں زکری بھی کہتے تھے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یزید ابن ھرون کی زبانی ثابت' ابی رافع اور ابی ہریرہ کے حوالے سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یحییٰ نجار تھے۔

یحییٰ بن سعید انصاری کے حوالے سے جو روایت محمد ابن اسحٰق نے بیان کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ یحییٰ بن زکریا مدلیسن میں شمار ہوتے تھے جب کہ ایک حدیث نبوی میں جو ابن عساکر نے دیگر متعدد حوالوں کے علاوہ معاذ کے حوالے سے روایت کی ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) جوانان جنت کے سردار ہوں گے لیکن اس کے بعد آپؐ نے اس میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کر لیا۔

اسرائیل نے ابی حصین اور خثیمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی تھے نیز یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام صوف کے کپڑے پہنا کرتے تھے جب کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اونٹ اور خرگوش کے بالوں سے بنا ہوا لباس استعمال کرتے تھے۔

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں کے پاس دینار و درہم یا لونڈی غلام جیسی کوئی چیز نہ تھی بلکہ وہ معمولی ضروریات زندگی سے بھی بے نیاز تھے۔

وہب ابن منبہ کی اس روایت کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا حضرت یحییٰ علیہ السلام فوت ہوئے تھے یا انہیں قتل کیا گیا تھا۔ تاہم مشہور ترین روایت یہ ہے کہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔ اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ یعنی حضرت یحییٰ اپنی قوم کے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے بھاگے تھے تو انہوں نے ایک درخت کے تنے میں جو ان کی دعا پر درمیان سے شق ہو گیا تھا پناہ لے لی تھی اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ان کا دامن اتفاق سے اس درخت کے تنے کے دوبارہ برابر ہونے سے قبل باہر رہ گیا تھا جس کی وجہ سے ان کے تعاقب میں آنے والے دشمنوں کو ان کے وہاں چھپنے کا پتہ چل گیا تھا اور انہوں نے اس درخت کو تنے تک آرے کے ذریعہ دو حصوں میں چیر ڈالا تھا۔ اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب آرہ اوپر سے نیچے کی طرف چلتا ہوا ان کے سر کے قریب پہنچا تھا تو ان کے ہونٹوں پر فریاد آتے آتے رہ گئی تھی جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں پیغام پہنچا تھا کہ اگر ان کے لبوں پر فریاد آئی اور انہوں نے صبر کا مظاہرہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے باشندوں سمیت الٹ دے گا۔ لہٰذا انہوں نے اہل زمین کو دائمی تباہی سے بچانے کے لیے چیخ اور فریاد تو کیا اپنے لبوں تک آہ تک نہ آنے دی تھی۔

امام احمدؒ سے بہ اسناد مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم دے کر ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ان کی بنی اسرائیل میں تبلیغ کریں۔ پہلی بات یہ تھی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود مانیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں کیونکہ وہی وہ واحد ہستی ہے جو انہیں رزق دیتا اور ان کی جملہ ضروریات پوری کرتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ان کی مثال اس غلام کی سی ہوگی جو ہو تو کسی کا زرخرید غلام اور اسی کا کھاتا پیتا ہو لیکن اطاعت کسی اور شخص کی کرتا ہو۔ دوسری بات نماز ہے جسے پوری توجہ سے ادا کرنا چاہیے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اس کے سامنے نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے لہٰذا بندے کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ بھی اپنے معبود کے سامنے پوری طرح متوجہ رہے۔ تیسری بات روزہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے لباس کو تو مشک سے خوشبو میں بسا لے لیکن اس کے منہ سے مشک کی خوشبو نہ آئے جب کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق روزہ دار کے منہ سے بھی مشک کی خوشبو آئے گی جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوگی۔ چوتھی بات صدقہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کا کوئی دشمن اسے کسی مضبوط قلعہ میں قید کر دے جہاں سے اس کی رہائی محال ہو اور اس کے علاوہ اس کی گردن بھی مارنا چاہتا ہو لیکن کچھ زر نقد لے کر اسے چھوڑ دے۔ پانچویں بات جس کا خدا نے حکم دیا تھا وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے شیطان اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے پاس پھٹکنے نہ پائے گا۔

یہ فرما کر آپ نے فرمایا کہ جب یحییٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کے ان احکام کا اپنے بھائی عیسیٰ (علیہ السلام) سے ذکر کیا تو ان سے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ احکام بنی اسرائیل تک چاہیں تو وہی یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) ہی پہنچائیں لیکن وہ بولے کہ اگر اس سلسلے میں وہ سبقت کریں گے تو ان کی قوم ان کی ایذا رسانی پر مستعد ہو جائے گی۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام ہی نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ان پانچوں احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا اور یکے بعد دیگرے ہر حکم کے ساتھ یہی مثالیں بھی دیں۔ (حدیث نبوی کا مفہومی ترجمہ)

اس حدیث مبارکہ کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں بھی تمہیں ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے پہلا حکم جماعت ہے دوسرا حکم حکم کی سماعت ہے تیسرا حکم اس حکم کی تعمیل چوتھا حکم ہجرت اور پانچواں حکم جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔

پھر آپ نے فرمایا: جس نے جماعت سے قطع تعلق کیا تو سمجھو کہ اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا الا یہ کہ وہ (توبہ کر کے) رجوع کر لے ورنہ اگر وہ زمانہ جاہلیت کے دعاوی پر قائم رہا تو اس کی سزا جہنم ہوگی۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص صرف نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیا سمجھا جائے؟

آپؐ نے فرمایا کہ:

''تم بھی اسے مسلمان اور مومن کہو کیونکہ خود اللہ تعالیٰ ایسے سب لوگوں کو اس نام سے یاد فرماتا ہے''۔

اس حدیث نبوی کو ابو یعلیٰ نے ہدیہ بن خالد' ابان بن یزید اور یحییٰ بن ابی کثیر کے حوالے سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی طرح ترمذی نے ابوداؤد الطیالسی اور موسیٰ بن اسماعیل کے بیان اور ان دونوں نے ابان بن یزید العطار کے حوالے سے اسے پیش کیا ہے نیز ابن ماجہ نے اسے ہشام بن عمار' محمد بن شعیب بن سابور' معاویہ بن سلام اور ان کے بھائی زید بن سلام' ابی سلام اور حارث اشعری کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت حاکم نے مروان بن محمد طاطری کے توسط اور معاویہ بن سلام اور ان کے بھائی کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ اس پر مروان طاطری نے معاویہ بن سلام کے حوالے سے خصوصی روشنی ڈالی ہے لیکن حاکم کا یہ بیان یعنی یہ آخری بیان خلافِ واقعہ ہے۔ ویسے اس حدیث کو طبرانی نے بھی محمد بن عبدہ' ابی توبہ الربیع بن یافع' معاویہ بن سلام' ابی سلام اور حارث اشعری کے حوالے سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن عساکر اس حدیث کو عبداللہ بن ابی جعفر الرازی اور ان کے والد اور ربیع بن انس کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ربیع بن انس کے بقول ان سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ انہوں نے علمائے بنی اسرائیل سے سنا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرما کر صرف انہی پانچ باتوں کا حکم دیا تھا۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بھی بیان کیا کہ یحییٰ علیہ السلام لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے بچ کر اکثر ویران مقامات پر چلے جاتے اور درختوں کے پتے کھا کر گزارا کر لیتے تھے اور ساتھ ہی کہتے جاتے تھے کہ ''اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے؟''۔

ابن عساکر یہ بھی کہتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام کے والد زکریا علیہ السلام کبھی کبھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے بحیرہ اردن تک جا پہنچتے اور دونوں مل کر خوفِ خدا کی وجہ سے رونے لگتے تھے اور وہ دونوں اسے بھی عبادت کا درجہ دیتے تھے۔

ابن وہب مالک' حمید بن قیس اور مجاہد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام کی خوراک جھاڑیوں کے پتے تھے اور وہ خدا کے خوف سے اتنا روتے تھے کہ روتے روتے ان کی آنکھوں کے گرد گڑھے پڑ گئے تھے۔

محمد بن یحییٰ ذہلی کہتے ہیں کہ ان سے ابو صالح' لیث اور عقیل نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز آخر الذکر

ابی ادریس خولانی کے پاس بیٹھے تھے کہ وہ بولے: "میں تمہیں ایک بہترین آدمی کا قصہ سناؤں" ان سے یہ سن کران کے پاس بیٹھے ہوئے سب لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے تو وہ بولے۔ وہ آدمی یحییٰ علیہ السلام تھے جنہیں جنگلی جانوروں کے ساتھ شریک طعام اس سے زیادہ پسند تھا کہ وہ انسانوں کے ساتھ مل کر طرح طرح کے لذیذ کھانے کھائیں کیونکہ انہیں اس سے کراہیت تھی۔

ابن مبارک وہیب بن الورد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز زکریا علیہ السلام اپنے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کو ڈھونڈتے ہوئے ایک ویران قبرستان جا پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک نئی قبر کھود کر اس میں بیٹھے زاروقطار رو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر زکریا علیہ السلام ان سے بولے: "اے میرے بیٹے! میں تمہیں تین دن سے تلاش کرتا پھر رہا ہوں اور تم اس قبر میں بیٹھے رو رہے ہو"۔ اپنے والد سے یہ بات سن کر یحییٰ علیہ السلام بولے: "والد محترم! دوزخ اور جنت کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ روئے بغیر منقطع نہیں ہو سکتا"۔ زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کی یہ بات سن کر فرمایا: "تم نے سچ کہا" اور پھر دونوں مل کر رونے لگے۔ وہب بن منبہ اور مجاہد ایسی ہی ایک روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا کے خوف سے روتے روتے یحییٰ علیہ السلام کے گالوں میں آنسوؤں کے مسلسل بہنے سے گڑھے پڑ گئے تھے۔

یحییٰ علیہ السلام کے سببِ قتل کا بیان

جو اسباب قتل یحییٰ علیہ السلام کے بیان کرنے والوں نے بتائے ہیں ان میں ایک خاص سبب جو سب سے زیادہ مشہور ہے یہ بتایا گیا ہے کہ اس زمانے کے بادشاہ کی خواہش یہ تھی کہ یحییٰ علیہ السلام اس کے حرم کی عورتوں میں سے کسی کو پسند کر کے اس سے شادی کر لیں جب کہ انہیں عورتوں سے رغبت نہ تھی اور اسی لیے انہوں نے اس بادشاہ کے یہ بات خود اپنی زبان سے کہنے کے باوجود اس سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے وہ ان کا دشمن ہو گیا تھا اور اس نے حکم دیا تھا کہ انہیں قتل کر کے ان کا سر ان کی لاش سمیت ایک طشت میں اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس کے آدمیوں نے اس کے حکم کی حرف بحرف تعمیل کی تھی لیکن بعض مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ یحییٰ علیہ السلام اپنے زمانے کے' جیسا کہ کلام پاک میں ان کے بارے میں کلمات سیدا و حصوراً سے ثابت ہوتا ہے' انتہائی حسین و جمیل شخص تھے اس لیے اس بادشاہ کی بیوی ان کی طرف مائل ہو گئی تھی اور اس نے انہیں اپنی خلوت میں طلب کیا تھا لیکن ان کے انکار پر اس نے شاہی حکم کی تعمیل سے انکار کا بہانہ بنا کر انہیں اپنے شوہر یعنی اس بادشاہ کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا البتہ ایک دوسری مستند روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ہر سال ایک روز عید منائی جاتی تھی اور اس میں ایک بڑی شاندار دعوت کا اہتمام ہوتا تھا جس میں خود وہ بادشاہ بھی شریک ہوتا تھا لیکن ایک سال یعنی اس کی بیوی کے یحییٰ علیہ السلام کو اپنی خلوت میں طلب کرنے اور ان کے انکار کے بعد جب وہ عید آئی تو اس کی بیوی نے اپنے شوہر کے ساتھ اس میں شرکت سے انکار کر دیا لیکن جب بادشاہ نے اصرار کیا تو اس نے یہ شرط رکھی کہ پہلے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا کے ان کا سر ان کی لاش سمیت ایک طشت میں اس کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کے شوہر نے اس کی یہ شرط منظور کر لی تھی اور چونکہ وہ اپنے قول و عمل اور وعدے کا بڑا سچا تھا اس لیے اس نے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا کے ان کا سر ان کی لاش سمیت' جیسا کہ دوسری روایات میں بیان کیا گیا ہے' اپنی بیوی کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ تاہم یہ آخری روایت چونکہ غریب اور موضوع قرار دے دی گئی ہے اس لیے اس کی صحت مشکوک ہے۔ البتہ جس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس بادشاہ نے یحییٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی اس خواہش کے اظہار جو اس روایت میں مذکور ہے اور ان کے انکار کے بعد دشمنی میں آ کر انہیں قتل کرا دیا تھا صحیح ہے اور جیسا کہ اس روایت میں بیان کیا ہے یہ بھی صحیح ہے کہ اس بادشاہ کے حکم پر یحییٰ علیہ السلام کو بیت المقدس کی محراب میں جہاں وہ نماز پڑھ رہے تھے قتل کر کے ان کا سر ان کی لاش سمیت طشت میں رکھ کر اس کے سامنے حسب الحکم پیش کیا گیا تھا۔

حدیث اسراء میں یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بارے جو واقعہ مذکور ہے وہ صرف اتنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج یحییٰ علیہ السلام سے بعد سلام دریافت فرمایا تھا۔ کہ آیا انہیں درخت کے تنے پر آرہ چلا کر قتل کیا گیا تھا؟ اگر یہ صحیح ہے تو ان کا صبر واقعی قابل رشک تھا۔ اس پر یحییٰ علیہ السلام نے آپؐ کے اس سوال کا یہ جواب دیا تھا کہ وہ واقعہ ان کے والد زکریا علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا اور

خود زکریا علیہ السلام نے اس کی تصدیق کی تھی۔

اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام نے آپ سے اپنے قتل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہیں بنی اسرائیل کے بادشاہ وقت کے حکم پر بیت المقدس کی محراب میں نماز پڑھتے ہوئے قتل کیا گیا تھا لیکن اس وقت بھی ان کی پوری توجہ نماز کی طرف رہی تھی اور ان کی طمانیت قلب میں سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد یحییٰ علیہ السلام نے اس بات کی بھی تصدیق کی تھی کہ بعد قتل ان کا سر ان کی لاش سمیت طشت میں رکھ کر اس بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

حدیث اسراء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرف بہ حرف صحیح الفاظ یہ ہیں کہ ''جب میں باہم خالہ زاد بھائیوں یحییٰ اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا'' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یحییٰ و عیسیٰ علیہ السلام آپس میں خالہ زاد بھائی تھے اور قول جمہور سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اشیاع بنت عمران مریم بنت عمران کی بہن تھیں لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اشیاع زکریا علیہ السلام کی بیوی اور یحییٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں جو عمران کی بیوی حنہ کی بہن تھیں تو یحییٰ و عیسیٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی کس رشتے سے تھے؟ واللہ اعلم

جہاں تک یحییٰ علیہ السلام کے مقتل کے بارے میں اختلافات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں دو روایات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ یحییٰ علیہ السلام کو صخرۂ بیت المقدس میں وہیں قتل کیا گیا تھا جہاں ستر انبیائے بنی اسرائیل قتل کیے گئے جن میں یحییٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو دمشق میں قتل کیا گیا تھا اور اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس زمانے کے دمشق و اطراف دمشق کے حکمران نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھائی کے بیٹے سے کر دی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے کسی بات پر ناراض ہو کر اسے طلاق دے دی۔ تاہم اس کے بعد اس نے رجوع کرنا چاہا کیونکہ اس کی مطلقہ بیوی دمشق کے جملہ شاہی بازاروں کی تنہا مالکہ تھی لیکن جب اس کے بارے میں یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ لیا گیا تو ان کا فتویٰ یہ تھا کہ اس حکمران کی بیٹی جب تک کسی دوسرے شخص کی منکوحہ نہ بن جائے اور اس دوسرے شخص کا حق زوجیت ادا کرنے کے بعد اس سے طلاق حاصل نہ کر لے دوبارہ اپنے پہلے شوہر کی زوجیت میں نہیں آ سکتی۔

یحییٰ علیہ السلام کے اس فتوے کو سننے کے بعد اس لڑکی کی ماں آگ بگولہ ہوگئی اور اس نے اپنے شوہر یعنی اس لڑکی کے باپ سے جو دمشق کا حکمران تھا کہا کہ وہ جب تک یحییٰ علیہ السلام کا سر اپنے سامنے طشت میں رکھا ہوا نہ دیکھ لے گی اسے چین نہ آئے گا لیکن جیسا کہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے پہلے تو ٹالتا رہا تاہم اپنی بیوی کی ضد سے مجبور ہو کر اس نے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا کے اپنی بیوی کے اصرار کے مطابق ان کا سر طشت میں رکھوا کر اس کے پاس بھیج دیا۔

ان دو روایات میں سے پہلی روایت ثوری کی ہے جس میں انہوں نے اعمش اور شمر بن عطیہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو صخرۂ بیت المقدس میں قتل کیا گیا تھا۔ جب کہ دوسری روایت ابو عبیدہ القاسم بن سلام کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن صالح نے لیث' یحییٰ بن سعید اور سعید بن مسیب کے حوالے سے بیان کیا کہ جب بخت نصر یحییٰ علیہ السلام کے تعاقب میں انہیں قتل کرنے کے لیے دمشق پہنچا تو اسے ان کے قتل کی خبر ملی اور اس نے برہم ہو کر وہاں ستر ہزار افراد قتل کر ڈالے جب کہیں جا کر اسے

چین آیا

اس روایت کا استناد سعید بن مسیب سے کہا گیا ہے جو درحقیقت بڑی صحیح سند ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کا مقتل دمشق کو مان لیا جائے۔ اس کے علاوہ بخت نصر کی غارت گری کا دمشق میں واقعہ اور وہاں ستر ہزار افراد کو قتل کرنے کا سانحہ مسیح علیہ السلام کے بعد کا ہے جیسا کہ عطا اور حسن بصری نے بھی بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

ابن عساکر سے بحوالہ ولید ابن مسلم اور زید ابن واقد مروی ہے کہ آخر الذکر نے مسجد دمشق کی بنیاد پڑتے وقت یحییٰ بن زکریا کا سر ایک بنیاد سے برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ واللہ اعلم

حافظ ابن عساکر اپنی کتاب المستقصی فی فضائل الاقصیٰ میں بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو درحقیقت دمشق میں قتل کیا گیا تھا اور اس سلسلے میں وہ حکایت بیان کرتے ہیں جو پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بخت نصر کے سر پر یحییٰ کو قتل کرنے کا جنون سوار تھا لیکن جب اس نے وہاں (دمشق میں) ان کے قتل کی خبر سنی تو وہاں قتل و غارت گری کے بعد بیت المقدس پر چڑھ دوڑا اور یہاں بھی ہزاروں انسان قتل کر ڈالے لیکن ارمیاؑ کی داستان سن کر اس کا غصہ ماند پڑ گیا اور اسے سکون آ گیا۔

قصہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کے صدر میں تراسی آیات ایسی ہیں جو نصاریٰ کے رد میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) خدا کے بیٹے تھے ان کے عقائد یہ تھے کہ کائنات کی بزرگ ترین مقدس ہستیاں تین ہیں جن میں سے ایک خدا ہے اور دوسری دو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں مریم ہیں حالانکہ یہ عقیدہ عظیم ترین گناہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مذکورہ سورت میں صاف صاف ارشاد فرمایا کہ اس نے مریم بنت عمران کے بطن سے اپنے بندے عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح پیدا کیا تھا جیسے وہ اپنی تمام مخلوقات کو پیدا کرتا ہے اور ان سے قبل جیسے وہ آدم علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام کی تو ماں بھی نہیں تھی' بس اس نے فرمایا: ''پیدا ہو جا'' اور وہ پیدا ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کی محترم والدہ ماجدہ کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ عزاسمہٗ نے سورۂ مریمؑ میں ارشاد فرمایا ہے اسے ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر عنقریب تفصیل سے پیش کریں گے۔

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''خدا نے آدم اور نوح (علیہم السلام) اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں اسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا خدا کو خوب معلوم تھا تو وہ کہنے لگیں کہ پروردگار! میرے تو لڑکی ہوئی ہے اور (نذر کے لیے) لڑکا موزوں تھا کہ وہ لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا اور زکریا کو اس کا متکفل بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے۔ وہ بولیں خدا کے ہاں سے (آتا ہے) بے شک خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے''۔ (۳:۳۳۔۳۷)

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اس اولاد کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی شریعت کا اتباع کرتی ہے اور اس کی اطاعت کو اپنے لیے لازم قرار دیتی ہے پھر خداوند تعالیٰ نے اس اولاد آدم میں آل ابراہیم کی تخصیص فرمائی جن میں بنو اسماعیل اور بنو اسحٰق دونوں شامل ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے طیب و طاہر ہونے کا ذکر فرماتے ہوئے جن لوگوں کا ذکر فرمایا وہ آلِ عمران ہیں اور عمران سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے محترم والد عمران ہیں جن کا نسب نامہ محمد بن اسحٰق نے عمران بن باشم بن امون ابن میشا بن حزقیا بن احدیق بن موثم بن عزازیا بن امصیا بن یاوش بن احریہو بن یازم بن یہفاشاط بن ایشا بن ایان بن رحبعام بن سلیمان بن داؤد بتایا ہے۔

ابوالقاسم بن عساکر نے حضرت مریم علیہا السلام کا نسب نامہ حسب ذیل بتایا ہے:

''مریم بنت عمران بن ماثان بن العازر بن الیود بن اختر بن صادوق بن عیازذ بن الیاقیم بن ایبود بن زریابیل بن شالقال بن یوحینا بن برشا بن امون بن میشا بن حزقا بن احاز بن عزریا بن یورام بن یوشافاط ابن ایشا بن ایا بن رحبعام ابن سلیمان بن داؤد علیہ السلام''۔

ابن عساکر کے بتائے ہوئے حضرت مریم علیہا السلام کے اس نسب نامے اور ان کے اس نسب نامے میں جو ان کا ابن اسحٰق نے بتایا ہے کسی قدر فرق پایا جاتا ہے۔ تاہم دونوں نسب ناموں کے سلسلہ داؤد علیہ السلام سے منسلک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ ایک امر بدیہی ہے حضرت مریم علیہا السلام کے والد عمران تھے جو بڑے پابند نماز تھے اور ان کی والدہ ماجدہ حنہ بنت فاقود بن قبیل بڑی نیک اور عبادت گزار تھیں اور اس زمانے کے نبی زکریا علیہ السلام قول جمہور کے مطابق مریم علیہا السلام کی بہن اشیاع کے شوہر تھے۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ اشیاع کے شوہر تھے۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق وغیرہ بیان کرتے ہیں اور قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیاتِ شریفہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے ایک دن خوب صورت پرندے کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھ کر اور اسے نیک فال سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لیے دعا مانگی تھی اور منت مانی تھی کہ ان کے ہاں جو بچہ ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی نذر کر کے بیت المقدس بھیج دیں گی جیسے وہاں کے خدام اپنے بچوں کو اللہ تعالیٰ کی نذر کر کے وہاں چھوڑ دیتے تھے اور ان سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

پھر جب ان کے ہاں خدا کے فضل و کرم سے لڑکی مریم پیدا ہوئیں تو انہوں نے رنجیدہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ لڑکا ہوتا تو نذر کے لیے موزوں ہوتا کیونکہ لڑکی صنف ضعیف ہونے کی وجہ سے لڑکے کے برابر نہیں ہوتی ہے۔

تاہم حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ انہوں نے اپنی نومولود لڑکی کا نام مریم رکھا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی بچوں کے روز ولادت ہی ان کے نام رکھنے کا رواج تھا۔

اس کے علاوہ صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو وہ اسی روز اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے انہیں مبارک باد دے کر اس نومولود کا نام عبداللہ رکھا تھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نومولود بچوں کے روز ولادت ان کے تسمیہ کی (نام رکھنے کی) رسم اس وقت بھی جاری تھی۔ البتہ ایک حدیث حسن میں جو سمرہ کے حوالے سے مشہور ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ نومولود بچوں کے والدین ان کے تسمیہ' مونڈن اور عقیقے کی رسم ساتویں

مریم علیہا السلام کے اس اظہار تعجب کے بعد کہ جب کہ انہیں کسی مرد نے چھوا تک نہیں تو ان کے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکدامنی پر انہیں اطمینان دلایا تھا کہ وہ اور ان کا بچہ دونوں دنیا میں خاص مناصب کے حامل ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مریم سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کے ہاں ہونے والا بچہ بڑے ہونے کے علاوہ جھولے میں بھی گفتگو کرے گا اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد جب یہ کرشمہ قدرت ظہور میں آیا تو حضرت مریم علیہا السلام پر انگشت نمائی کرنے والے حیرت زدہ ہوکر خود ہی آئندہ کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام بڑے ہوکر نہ صرف انجیل بلکہ تورات کے احکام و مطالب بنی اسرائیل کو سمجھائیں گے بلکہ انبیاء علیہم السلام میں ایک بہت بلند درجے پر فائز ہوں گے۔

مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ صرف مبروص اور کوڑھیوں کو خدا کے حکم سے آناً فاناً درست کر دیتے تھے بلکہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ تاہم وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے انسانوں کی طرح مٹی سے پیدا کیا ہے۔ البتہ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں نہ صرف تمہیں تورات میں نازل شدہ احکام سناؤں بلکہ جو احکام اللہ تعالیٰ مجھے تمہاری ہدایت کے لیے وحی کے ذریعہ دیتا ہے ان پر تمہیں عمل کرنے کی تلقین کروں (یعنی وہ احکام جو انجیل میں وقتاً وقتاً ان پر اترے)

ان کی بنی اسرائیل کو ہدایت تھی کہ وہ صرف خدا کو اپنا واحد معبود مانیں' محرمات سے بچیں اور اپنے پروردگار کی عبادت کیا کریں۔ انہوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے' اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہے''۔

سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ:

''میں نے تمہیں دنیا کی تمام عورتوں سے افضل بنایا ہے''۔

اس بارے میں مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ ارشاد دنیا کی عام عورتوں کے متعلق ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جن انبیاء کی ماؤں سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا وہ سب اس وجہ سے درجہ نبوت پر فائز نہ تھیں اور ان میں بھی درجات ہیں۔ ان درجات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مریم علیہا السلام سارہؓ اور اُم عیسیٰ علیہ السلام سے افضل تھیں بلکہ یہ ارشاد ربانی عمومی ارشادات رب العزت کے تحت آتا ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت حاصل ہے نہ یہ کہ ان انبیاء کی امتوں کو امت محمدی پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزماں اور متمم احکام الٰہی ہونے کے باعث تمام دیگر انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اور اسی طرح امت محمدی تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے افضل ہے جسے خیر الامم کہا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ''عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس سے زیادہ نہیں اور ان سے قبل بھی دنیا میں رسول آ چکے ہیں اور ان کی ماں (یعنی مریم علیہا السلام) صدیقہ ہیں''۔ بہر کیف حضرت مریم علیہا السلام کا مقام بہت اعلیٰ ہے لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کی طرح ان میں سے ایک بھی نبی نہیں تھی چونکہ بقول باری تعالیٰ اس نے عورتوں میں سے کسی کو نبی نہیں بنایا تاہم کچھ عورتیں افضل النساء کا اپنے اپنے زمانے میں درجہ رکھتی تھیں جیسے آسیہ بنت مزاحم، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہی درجہ اپنے زمانے کی عورتوں کو حضرت مریم بنت عمران کو حاصل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت مریم بنت عمران اور حضرت خدیجہ بنت خویلد کو خیر النساء کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

امام احمدؒ سے بحوالہ عبدالرزاق وغیرہ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے عرب میں قریش کی عورتیں سب سے بہتر ہیں جو اپنے کمسن لڑکوں یا اپنے شوہروں کے سوا کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

امام احمدؒ سے بحوالہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ حضرت مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار ارشاد فرمایا کہ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہوں گی الا یہ کہ مریم بنت عمران (علیہا السلام) ان کے ساتھ ہوں گی۔ اسی طرح آپ نے مذکورہ بالا تمام عورتوں کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔

متعدد روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ازواج مطہرات آپؐ کے ارشادات کے مطابق جنتی ہیں۔

ابن عساکر ابی زرعہ دمشقی کی روایت عبداللہ بن صالح وغیرہ کی زبانی اور معاویہ بن صفوان بن عمرو خالد بن معدان اور کعب الاحبار کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار سے صخرہ کے بارے میں پوچھا تو وہ بولے کہ صخرہ نخلہ پر ہے اور نخلہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر واقع ہے جس کے کنارے مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ایک درخت کے نیچے جنتی عورتوں کی ضروریات کی نگرانی کر رہی ہوں گی جب قیامت آئے گی لیکن یہ روایت موضوع ہے اور خرافات اسرائیلات پر مبنی ہے اور اس لیے ''منکر'' ہے۔

باب۳

اللہ تعالیٰ کے ولدیت سے منزہ ہونے اور ظالموں کی طرف سے اس پر اس سب سے بڑے اتہام کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''اور کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لائے ہو' قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔ کہ انہوں نے خدا کے لیے بیٹا تجویز کیا۔ اور خدا کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ تمام شخص جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب خدا کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے' اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے''۔ (۱۹:۸۸۔۹۵)

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ اس قول سے کہ تم کسی کو خدا کا بیٹا ٹھہراؤ اور کوئی بری بات نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا کو شایاں نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے' وہ تو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اور تمام مخلوقات اس کی محتاج ہے' اس کے سامنے سب کمترین ہیں زمین و آسمان تمام رہنے والے اس کے ادنیٰ بندے ہیں اور وہ ان کا پروردگار ہے' اس کے علاوہ نہ کوئی ان کا معبود ہے نہ پروردگار ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ انسانوں نے اپنے ذہن سے خدا کے شریک جن تخلیق کر لیے اور ایک اختراع یہ کی کہ اپنے گمان میں بے سوچے سمجھے اس کے بیٹے اور بیٹیاں بنا ڈالیں جب کہ اس کی پاک ذات ان تمام باتوں سے منزہ۔ اس کی صفت ''**بدیع السموات والارض**'' ہے تو اس کا بھلا کوئی بیٹا یا بیوی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس نے ہر شے پیدا کی ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ خدا ہی تمہارا پروردگار ہے۔ اسی کی عبادت کرو کہ وہ چیز کا ضامن ہے اسے کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی جب کہ وہ سب نگاہوں کو دیکھتا ہے کہ وہ ہر چیز سے واقف' لطیف اور باخبر ہے۔ (متعلقہ آیات قرآنی کی تفسیر)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ (وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے' نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں''۔ (۱۱۲:۱۔۴)

ان آیات کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا اور اپنی ذات پاک کی تعیین کر دی کہ وہ ذات واحد ہے جس کی ذات کی کوئی نظیر ہے نہ صفات کی اور نہ اس کے افعال کی' وہ بے نیاز (صمد) ہے یعنی اپنی ذات وصفات' علم وحکمت اور رحمت میں مکمل ہے۔

ان آیات قرآنی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ "لم یلد" ہے یعنی اس کے ولد کا کوئی وجود نہیں (ولم یولد) یعنی اس سے قبل کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ پیدا ہوا ہو (ولم یکن له كفواً احد) یعنی اس کا کوئی عدیل ومثیل ہے نہ مساوی۔ اسی ایک دلیل سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے لیے دو اشیاء کا باہم متعادل ومتقارب ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ ان باتوں سے مبرا ومنزہ ہے اور کہیں بلند وبرتر۔

ان تمام مدلل ارشادات کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اہل کتاب سے فرمایا:

''اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ" (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ) خدا کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین (ہیں۔ اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔ مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص خدا کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو خدا سب کو اپنے پاس جمع کرلے گا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا۔ اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے) عار وانکار اور تکبر کیا ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا۔ اور یہ لوگ خدا کے سوا حامی ومددگار نہ پائیں گے''۔ (۴:۱۷۱۔۱۷۳)

ان آیات قرآنی میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا' اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب یعنی نصاریٰ کو متنبہ کیا کہ وہ مسیح کو خدا کا بیٹا نہ سمجھیں کیونکہ ان کا نام عیسیٰ علیہ السلام اس لیے رکھا گیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا کیے گئے تھے وہ مریم کے لیے اس کی طرف سے کلمہ بشارت اور روح تھے اور یہ کہ سارے انسان خدا کے بندے ہیں اور مسیح بھی خدا کے بندے تھے اور اس کے رسول بھی جنہیں خدا نے اپنے دوسرے بندوں کی ہدایت واصلاح کے لیے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔

ان آیات کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے وعید بھی دے دی کہ جو اس کے خلاف اعتقاد رکھے گا یعنی عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانے گا تو خدا جب قیامت میں اپنے سب بندوں کو اپنے روبرو حاضر کرے گا ایسے لوگوں کو دردناک عذاب دے گا۔

اس کے علاوہ ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے''۔ (۳:۵۹)

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''اور یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے (نہیں) وہ پاک ہے۔ بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب کوئی کام کرنا چاہتا

ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے''۔ (۱۱۶:۲-۱۱۷)

عذیر و مسیح کو بالترتیب یہود و نصاریٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا (نعوذ باللہ من ذالک) بیٹا ماننے کے بارے میں قرآن مجید میں درج ذیل آیت بھی اتری ہے

''اور یہود کہتے ہیں کہ عذیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے' یہ بھی انہی کی ریس کرنے لگے ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں''۔ (۳۰:۹)

اس آیہ کریمہ میں جیسا کہ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو ایسے فریق ہیں جو اپنی اپنی جگہ بالترتیب عذیر و مسیح خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور ایک دوسرے کے عقیدے کی تردید کرتے ہیں حالانکہ دونوں گمراہ ہیں۔ یہ بھی ان پہلے کافروں کی راہ پر چل پڑے ہیں جو فرشتوں کو (نعوذ باللہ من ذالک) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس نے جنات میں ایک مذکر و مؤنث جوڑا پیدا کر کے ان کے باہمی ملاپ سے فرشتے پیدا کیے۔ یہ صریح گمراہی ہے اور خدا کے حق میں ان کی افترا پردازی ہے کہ یہ اپنے زعم باطل میں خدا کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں جیسے قدیم فلاسفہ خدا کو اپنی عقلی دلیلوں سے عقل اوّل و عقل ثانی وغیرہ میں تقسیم کیا کرتے تھے حالانکہ یہ اپنی جگہ ان کی جہالت کی دلیل تھی۔ اللہ تعالیٰ ایک اور آیت قرآنی میں ان سے فرماتا ہے کہ ''فَاْتُوْا بِكِتَابِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ'' یعنی اگر تم سچے ہو تو اپنی اپنی آسمانی کتابوں سے اسے ثابت کرو۔

قرآن کی سورۂ کہف کے اوّل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمد) پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی اور پیچیدگی نہ رکھی۔ (بلکہ سیدھی اور سلیس اتاری) تاکہ (لوگوں کو) عذاب سخت سے جو اس کی طرف سے (آنے والا) ہے ڈرائے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ ان کے لیے (ان کاموں کا) نیک بدلا (یعنی بہشت) ہے جس میں وہ ابدالآباد رہیں گے۔ اور ان لوگوں کو بھی ڈراتے جو کہتے ہیں کہ خدا نے (کسی کو) بیٹا بنالیا ہے' ان کو اس بات کا کوئی علم نہیں اور نہ ان کے باپ دادا ہی کو تھا۔ یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے''۔ (۱:۱۸-۵)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو جو اس گمراہی میں مبتلا رہے تھے ان کے اس بدعقیدہ سے ڈرایا اور قرآن مجید میں کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ اپنی اس بدعقیدگی اور گمراہی سے باز نہ آئے تو انہیں سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ جیسا کہ امام احمدؒ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کی امت میں کا ہر فرد مشرکین کے سوا بخشا جائے گا اور اپنے نیک اعمال کی بناء پر جنت میں بسے گا۔

''میری تو آنکھیں ہی نہیں ہیں اس لیے میں اس مال کو دیکھ سکتا ہوں نہ اٹھا کر لے جا سکتا ہوں''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''کیوں نہیں' تم تو میری طرح دیکھ سکتے ہو''۔

اور اسی وقت اس نابینا دہقان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس زمانے میں ایسی متعدد کرامات کا ظہور ہوا جس سے عام لوگوں میں آپ کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور آپ ہر دلعزیز ہو گئے حالانکہ وہ اس وقت صغیر سن ہی تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ بالا کرامت کے بعد وہ دہقان اور اس کی اولاد عزت کی زندگی بسر کرنے لگے اور مالدار بھی ہو گئے تو انہوں نے ایک روز لوگوں کی بڑی شاندار دعوت کی اور کھانے کے ساتھ شراب کے کئی مرتبان یا خم بھی رکھے تھے کیونکہ ان دنوں وہاں شراب نوشی کا عام رواج تھا لیکن جب ان مرتبانوں کو یکے بعد دیگرے کھولا گیا تو ان میں سے ایک قطرہ شراب بھی نہ نکلی۔ یہ دیکھ کر اس دہقان اور اس کے بیٹوں کو بہت دکھ ہوا۔ تاہم جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان مرتبانوں کے نزدیک سے گزر کر اس دہقان اور اس کے لڑکوں کو دوبارہ انہیں دیکھنے کا اشارہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان میں سے ہر مرتبان یا خم میں سے ان سڑے ہوئے کھیروں کی سخت بدبو آ رہی تھی جن سے وہ شراب تیار کی گئی تھی۔

اس واقعے کے بعد دونوں ماں بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام مصر سے بیت المقدس واپس آ گئے۔

اسحاق بن بشر سے مروی ہے کہ لڑکپن میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب کبھی سورج' چاند یا کسی بہتے ہوئے دریا یا بلند پہاڑ کو دیکھتے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی شان میں کلمات تمجید ان کی زبان مبارک پر آ جاتے تھے۔

اسحاق بن بشر' مقاتل' ضحاک اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سات سال کی عمر میں پڑھنے کے لیے مکتب میں بٹھایا گیا تو وہ بڑی سے بڑی علمی کتاب پر ایک نظر ڈال کر اسے ایک طرف رکھ دیتے تھے۔

بار بار یہ دیکھ کر ایک روز ان کے معلم نے ان سے کہا:

''تم ان کتابوں کو اس طرح ایک نظر دیکھ کر رکھ دیتے ہو جیسے یہ سب کتابیں تمہیں ازبر ہیں حالانکہ ابھی تو تمہیں ابجد کے معنی بھی معلوم نہیں''۔

معلم کی یہ بات سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولے:

''وہ تو آپ کو معلوم نہیں''۔

ان کی یہ بات عجیب بات سن کر معلم نے طنزاً کہا:

''تو آپ ان کے معانی بتا دیجیے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معلم سے فرمایا:

''پھر آپ اپنی مسند پر مجھے بیٹھنے دیجیے اور خود میری طرح میرے سامنے بیٹھئے تو میں ان کے معانی آپ کو بتاؤں گا''۔

جب معلم نے ان کی اس بات کو مضحکہ خیز سمجھ کر اپنی مسند ان کے لیے خالی کر دی اور ان کے سامنے شاگردوں کی طرح زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھ گیا اور بولا:

''اب فرمایئے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''الف کے معنی ہیں الا اللہ (یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) ''ب'' سے مراد ہے بہا اللہ (یعنی اللہ کی شان) اور ''ج'' کا مطلب ہے بہجتہ اللہ اور اس کا جمال''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اس صغر سنی میں ابجد کے یہ معانی سن کر ان کا معلم انگشت بدنداں رہ گیا کیونکہ اس نے ابجد کے یہ معانی اپنی زندگی میں صرف انہی کی زبان سے سنے تھے۔

اسحاق بن بشر اس روایت کے آخر میں کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے اس موضوع پر کافی طویل گفتگو فرمائی تھی۔ تاہم یہ حدیث متنازعہ ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لڑکپن میں اپنے ہم سبق لڑکوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے ان سے الگ الگ کہتے کہ:

''جاؤ آج تمہاری ماں نے تمہارے کھانے کے لیے فلاں چیز پکائی ہے''۔

اور جب وہ لڑکے اپنے اپنے گھروں میں جا کر اپنی اپنی ماؤں سے کھانے کے لیے وہی چیز مانگتے تو وہ ان سے پوچھتیں:

''یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے؟''۔

جب وہ ان سے کہتے:

''عیسیٰ نے''۔

تو وہ حیران رہ جاتیں کیونکہ ان کے گھروں میں الگ الگ وہی چیزیں پکی ہوتی تھیں۔

پھر وہ عورتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتیں تو وہ وہاں سے غائب تھے یہ دیکھ کر وہ اپنے اپنے لڑکوں سے کہتیں:

''تم اس لڑکے کے ساتھ نہ کھیلا کرو۔ نہ جانے وہ تمہیں اور کیا الابلا سکھا دے گا''۔

اسحٰق بن بشر بیان کرتے ہیں کہ ان سے ادریس نے اپنے دادا وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اس وقت کی قیامگاہ سے بیت ایلیا جانے کا حکم دیا جس میں یقیناً حکمت

یہ تھی کہ وہاں ان پر بہت سے عجائبات الہاماً ظاہر ہونے لگے تھے جن میں مستقبل بینی بھی شامل تھی اور اسی وجہ سے بنی اسرائیل انہیں حیرت سے دیکھنے لگے تھے اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو یہ خوف ہوا تھا کہ کہیں ان کی قوم ان کے بیٹے کی ان عجیب و غریب باتوں کی وجہ سے ان کی دشمن نہ بن جائے۔ چنانچہ وہ اپنے ماموں کے بیٹے یوسف بن یعقوب نجار کے پاس پہنچیں اور ان سے وہ سب باتیں بیان کیں تو وہ ان دونوں ماں بیٹوں کو گدھے پر بٹھا کر ایلیا کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں ان پر انجیل نازل ہوئی اور وہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے توریت کا علم ہوا۔

اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایلیا ہی میں انہیں مردوں کو زندہ کرنے اور لاعلاج مریضوں کو صحت بخشنے کے معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے۔ اور اسی زمانے سے انہوں نے اپنی قوم کو دعوتِ حق دینی شروع کی اور لوگ ان کے پاس جوق در جوق آنے لگے۔

چار آسمانی کتابوں کے نزول اور ان کے اوقاتِ نزول کا بیان

ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن صالح اور معاویہ بن صالح نے جیسا کہ بیان کیا اس کے مطابق توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ماہِ رمضان المبارک کی چھ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر ماہ رمضان المبارک کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی انجیل حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر ماہِ رمضان المبارک کی اٹھارہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی اور قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ماہ رمضان المبارک کی چوبیس راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوا اور ان چاروں آسمانی کتابوں کے نزول کے درمیانی فصل کی ترتیب یہ ہے کہ زبور تورات کے چار سو چوراسی سال بعد نازل ہوئی۔ انجیل زبور کے ایک ہزار پچاس سال بعد نازل ہوئی اور قرآن مجید انجیل مقدس کے بعد ماہ رمضان المبارک کی مذکورہ بالا تاریخ کو نازل ہوا۔

ہم نے قرآن مجید کے نزول کی تاریخ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ ﴾

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وضاحت کی ہے جب کہ نزول انجیل کی مذکورہ بالا تاریخ متعدد احادیث واردہ سے ثابت ہے۔

ابن جریر اپنی کتاب تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نزول انجیل کا آغاز رمضان المبارک کی مذکورہ بالا تاریخ کو ہوا جب ان کی عمر تیس سال تھی اور اس کا نزول ان پر اس وقت ختم ہوگیا جب ان کے دشمنوں نے اپنے نزدیک انہیں صلیب پر لٹکایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں (زندہ) آسمان پر اٹھالیا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تینتیس سال تھی۔

اس موضوع پر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیلی گفتگو کریں گے۔

اسحٰق بن بشر بیان کرتے ہیں کہ انہیں سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ مقاتل عبدالرحمٰن بن آدم اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جیسا کہ انجیل میں مذکور ہے وحی کے ذریعہ فرمایا تھا کہ اس نے انہیں ایک پاک باکرہ (کنواری) کے بطن سے بے باپ کے پیدا کیا ہے اور اس سے قبل کبھی ایسا نہیں کیا تھا اور انہیں تمام بشری مخلوق میں سے نزول انجیل کے لیے بطور خاص منتخب فرمایا ہے لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ انجیل میں نازل شدہ اس کے تمام ہدایت واحکام کی سریانیہ کے جملہ علاقوں میں تبلیغ کریں۔

اسحٰق بن بشر کی اسی روایت میں مذکورہ بالا حوالوں سے مزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتہائی خوش قامت اور حسین وجمیل شخص تھے ان کا چہرہ ہمہ وقت چاند کی طرح روشن رہتا تھا اور ان کے بالوں بلکہ تمام جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی وہ جس طرف سے گزرتے اس راستے میں دور دور تک مشک کی خوشبو پھیل جاتی تھی۔ ان کے جسم پر سینے کے مٹھی بھر بالوں کے سوا کسی اور جگہ بال نہیں تھے۔ ان کی گردن سے قدموں تک سیال چاندی کی طرح ایک رو بہتی نظر آتی تھی۔

اسحٰق بن بشر انجیل مقدس کے حوالے سے مزید بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں ان پر ایمان لانے والوں کے لیے طوبیٰ کا سلام ہوں اور ان کا نکاح آسمان پر ہوگا۔

شجر طوبیٰ کی وضاحت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے (آسمان پر) عرض کیا:
''یارب طوبیٰ کیا ہے؟''
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:
''یہ ایک درخت کا پودا ہے جسے خود میں نے لگایا ہے اس کی جڑ جنت میں ہے' اس کی سیرابی جنت کی نہر تسنیم سے ہوتی ہے۔ اس کی خنکی کافور کی خنکی ہے' اس کی خوراک زنجبیل (ادرک) ہے' اس کی خوشبو مشک کی خوشبو ہے' جو اس کا مشروب پی لے اسے پھر بہتر سے بہتر مشروب کی تمنا نہ ہوگی''۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:
''یارب مجھے اس کا مشروب پلا''۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''اس کا مشروب انبیاء پر حرام ہے جب تک وہ نبی (یعنی نبی آخر الزماں و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی امت اس مشروب کو نہ پی لے''۔
اس سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ان کے نزدیک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں زمین سے آسمان پر اٹھا کر اپنی قربت سے سرفراز کروں گا' پھر تمہیں آخری زمانے میں زمین پر بھیجوں گا تاکہ تم زمین پر فتنہ دجال سے اس نبی کی امت کی حفاظت کرو' تمہیں (صبح کی) نماز کے وقت زمین پر بھیجا جائے گا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ
''مجھے اس نبی کی امت کا ایک فرد بنا کر زمین پر بھیج دینا''۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ امت مرحومہ ہے اور اس کا نبی آخری نبی ہوگا۔ اس لیے کہ تم نبی کی حیثیت سے دوبارہ زمین پر نہ جا سکو گے۔
ایسی متعدد روایات کتبِ تواریخ میں بکھری پڑی ہیں جنہیں ہم نے یہاں بخوفِ طوالت پیش نہیں کیا۔

خبرِ مائدہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

''(وہ قصہ بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمہارا پروردگار ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا سے ڈرو۔ وہ بولے کہ ہماری خواہش ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل تسلی پائیں۔ اور ہم جان لیں کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہ رہیں (تب) عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لیے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کے لیے۔ اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے تو بہتر رزق دینے والا ہے خدا نے فرمایا میں تم پر ضرور خوان نازل فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا تو اسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہل عالم میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا''۔ (۵:۱۲-۱۵)

ہم نے سورۂ مائدہ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں ابن عباس' سلمان فارسی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم وغیرہ کے حوالے سے قرآن مجید کی اس سورۂ مبارکہ کی تشریح و وضاحت کے سلسلے میں جتنی متعلقہ روایات مل سکتی تھیں سب جمع کر دی ہیں جن سب کا مضمون یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا تو انہوں نے وہ روزے رکھنے سے قبل ان سے عرض کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ان کے لیے آسمان سے کھانے کا خوان اتارے تا کہ ان کے قلب مطمئن ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے روزے قبول فرما لیے ہیں اور وہ اسی خوان سے روزے افطار کیا کریں اور آخر میں اس کی خوشی منائیں اور اس روز عید منا کر اس دن کو اپنے لیے عید کا دن مقرر کر لیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ روزے پورے نہ کر سکے تو نہ اللہ تعالیٰ کا صرف شکر ہی ادا نہ کر سکیں گے بلکہ ان شرائط کو بھی پورا نہ کر سکیں گے جو اس خوان کے آسمان سے نزول کی شرط تھی یعنی اگر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق بڑے سخت عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ تاہم جب تمام حواریوں نے اپنے عہد کے پورے کرنے کا عیسیٰ علیہ السلام کو یقین دلایا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور آسمان سے ہر روز لذیذ کھانوں اور فواکہات کے خوان اترنے شروع ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس خوان کرم میں سب کو شرکت کی دعوت دے دی۔ وہ بولے کہ پہلے آپ کھایئے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس کی خواہش کی تھی تو پہلے انہی کو کھانا چاہیے لیکن پھر ان کے اصرار پر انہوں نے اس میں سے پہلے کچھ کھا لیا۔

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر روز سات ہزار آدمی اس کھانے میں شریک ہونے لگے کیونکہ وہ لوگ بھی ان میں مل گئے جو آسمان سے اس خوان کے اترنے کو صرف ایک مذاق سمجھتے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی طرف سے

اس خوان نعمت میں صرف فقراء ومساکین کو شریک کیا کریں۔ اس حکم کی تعمیل پر لوگ عیسیٰ علیہ السلام سے ناخوش ہو کر انہیں برا بھلا کہنے پر اتر آئے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔

اس سے قبل وہب بن منبہ کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ان جھگڑالو نام نہاد عالموں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

''اے علمائے سوء! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم تو جنت کے لذائذ سے متمتع ہوتے رہو لیکن فقراء ومساکین کو اس میں گھسنے تک نہ دو''۔

اس قبیل کی روایات بے شمار ہیں جن میں سے ابن عساکر نے کچھ ثقہ روایات انتخاب کر کے پیش کی ہیں اور ہم نے بھی انہیں بطور اختیار یہاں پیش کر دیا ہے۔

جب اس داؤد بن نور کے حکم پر عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کے لیے اس گھر سے باہر نکال کر لے جایا جانے لگا اس وقت جمعہ کا دن گزر کر ہفتے (سنیچر) کی رات شروع ہو چکی تھی۔

بہر کیف جیسی کہ خدا کی مرضی تھی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے جو وہاں حاضر تھے ایک شخص کی صورت ان کے مشابہ کر دی گئی اور جو سپاہی انہیں مصلوب کرنے کے لیے صلیب تک لے جانے کے لیے آئے تھے وہ اس شخص کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر اپنے ساتھ لے گئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گھر کے ایک روشندان سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھالیا اور انہیں اس طرح باہر جاتے اس گھر کے لوگوں نے دیکھا مگر ان کے اور دوسرے یہودیوں کے علاوہ بہت سے نصرانیوں نے بھی مذکورہ بالا حاکم کے خوف سے اس بات کی گواہی دی کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ (خدانخواستہ) لوگوں کو اپنی باتوں سے گمراہ کر رہے تھے (نعوذ باللہ من ذالک) جب کہ یہ بات خود اپنی جگہ انتہائی گمراہ کن تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات میں ارشاد فرمایا کہ:

''اہل کتاب (یہ گمراہی چھوڑ کر) ان (عیسیٰ علیہ السلام) کی موت سے قبل ان پر ایمان لے آئیں گے یعنی جب انہیں اللہ تعالیٰ دوبارہ زمین پر اس لیے اتارے گا کہ وہ اہل ایمان کو دجال مردود کی' جو مسیح ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے گا' گمراہ کن باتوں سے بچانے کے لیے اس کے خلاف جہاد کریں۔ (یہ وضاحت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے ذکر کے ساتھ مختلف کتابوں میں پائی جاتی ہے) اس کے علاوہ ان کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو وہ دجال کے خلاف جہاد کرتے ہوئے خنزیروں کو ہلاک کرنے کا حکم دیں گے اور اس زمانے کے عام لوگوں کو دین اسلام کی پیروی کا حکم دیں گے اور خود بھی ان کا مذہب وہی ہو گا جس کی تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے بعد اپنے آخری نبی یعنی رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمائے گا۔ تاہم آپؐ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی یہود و نصاریٰ اب تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ آج تک بہت سے دوسرے غلط اور گمراہ کن عقائد رکھتے اور ان کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں''۔

عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف اور شمائل وفضائل کا ذکر

اس سے قبل وہ قرآنی آیات پیش کی جا چکی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے واقعی اپنے زمانے میں مسیحائی فرمائی ہے' انہوں نے نہ صرف معذور لوگوں کو صحت بخشی بلکہ مردے تک زندہ کر دیئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے دور نبوت میں گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی اور جو لوگ ان کی ہدایات پر عمل کرنے لگے وہ ان لوگوں کے لیے درحقیقت مسیحا ثابت ہوئے۔

ایسی متعدد احادیث ہیں جن میں عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ شیطان ہر نومولود کو اکثر چھوتا ہے لیکن اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے قریب آنے کی جرأت نہیں کی اور صرف درپردہ یہ کہتا رہا کہ وہ بے باپ کے بیٹے ہیں' یہ گویا انہیں اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کا طعنہ تھا۔

اس کے علاوہ عمیر بن ہانی سے یہ اسناد مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانا اور اس کی گواہی دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' دوزخ و جنت اور حشر ونشر کو تسلیم کیا نیز اس نے یہ بھی گواہی دی کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے نبی تھے' اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا کرنے کے لیے اپنے کلمے اور روح کو سبب ٹھہرایا تھا تو ایسا شخص جنت کا مستحق ہے اور اپنے اعمال صالح کی بنیاد پر ضرور جنت میں جائے گا۔

اس حدیث نبوی کو بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری و مسلم دونوں کے ہیں۔

حدیث اسریٰ میں جن جن انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے اور ان کے شمائل بیان فرمانے کا ذکر ہے وہیں یہ بھی ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو آپ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ابھی غسل کر کے آئے ہوں کیونکہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اور ان کا جسم اطلس کی طرح چمک رہا تھا۔ حسن وغیرہ سے بحوالہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو حدیث مروی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''ایک شخص نے چوری کی لیکن جب اس سے عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ''کیا تو نے چوری کی؟''۔

تو وہ بولا: ''خدا کی قسم میں نے چوری نہیں کی''۔

اس سے یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی میری آنکھوں کو جھٹلا رہا ہے''۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ایسی متعدد احادیث سے عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف اور شمائل وفضائل پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔

بیت لحم اور القمامہ کی تعمیر

بادشاہ قسطنطین نے مولد مسیح علیہ السلام پر بیت لحم اور اس کی ماں ہیلانہ نے وہیں القمامہ کی تعمیرات کی تھیں جب کہ قسطنطین یہودیوں کے سامنے اپنے آپ کو بطور مسیح پیش کرتا تھا یعنی انہیں بتاتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جنہیں سولی دی گئی تھی اس کی شکل میں دوبارہ جنم لیا ہے۔ اس طرح اس نے ارتکابِ کفر کے علاوہ اس کے احکام وقوانین بھی وضع کیے تھے جن میں کتاب عتیق یعنی توریت سے انکار بھی شامل تھا۔ اس نے بہت سی حرام چیزوں کو حلال کر دیا تھا جیسے سور کا گوشت۔

وہ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تھا اور اس نے دوسروں کو بھی یہی حکم دے رکھا تھا۔ جب کہ اس سے قبل بنی اسرائیل کے جملہ انبیاء صخرۂ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تھے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کے بعد مدینے میں سولہ یا سترہ مہینوں تک مسجد اقصیٰ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی جس کے بعد بحکم خدا انہوں نے نماز میں ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ کی طرف رخ کیا تھا۔

قسطنطین ہی نے کنسیاؤں یعنی عبادت گاہوں کو مصور کرنا شروع کیا تھا اور یہ عقیدہ ایجاد کیا تھا اور لوگوں کو بتایا تھا کہ وہ تصاویر ان کے بچوں اور عورتوں کی محافظ ہیں۔

اسی نے عیسائیوں میں یہ عقیدہ عام کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے اور اس کے جوہر نور میں شریک ہیں۔ خدا کی روح نے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن میں بحیثیت روح القدس حلول کر کے جسد خاکی اختیار کیا تھا۔ لہٰذا (نعوذ باللہ) یہ تینوں یعنی خدا' خدا کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس تینوں واجب التعظیم اور معبود و مسجود ہیں۔ حالانکہ یہ کفر بدترین کفر ہے۔

نعوذ باللّٰہ من ذالک۔

ذکر ذی القرنین

ذی القرنین کے بارے میں قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا ہے۔

''اور تم سے ذی القرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں ان کا کسی قدر حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں' ہم نے اس کو زمین میں بڑی دسترس دی تھی اور ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا' تو اس نے (سفر کا) ایک سامان کیا یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی' ہم نے کہا ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو خواہ (ان کے بارے میں) بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تم کو قدرت ہے' ذوالقرنین نے کہا کہ جو (ظلم و بدکرداری سے) ظلم کرے گا اسے ہم عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے برا عذاب دے گا۔ اور جو ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے' اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی قسم کی سختی نہیں کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کہیں گے' پھر اس نے ایک اور سامان (سفر کا) کیا یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع کرتا ہے جس کے لیے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی حقیقت حال (یوں تھی اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم کو سب کی خبر تھی' پھر اس نے ایک اور سامان کیا یہاں تک کہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا' تو دیکھا کہ ان کے اس طرف بھی کچھ لوگ ہیں کہ بات کو سمجھ نہیں سکتے' ان لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں۔ بھلا ہم آپ کے لیے خرچ (کا انتظام) کر دیں کہ آپ ہمارے درمیان دیوار کھینچ دیں' ذوالقرنین نے کہا کہ خرچ کا جو مقدور خدا نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے۔ تم مجھے قوت بازو سے مدد دو۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط اوٹ بنا دوں گا۔ تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ چنانچہ کام جاری کر دیا گیا) یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (کا حصہ) برابر کر دیا اور کہا کہ (اب اسے) دھونکو۔ یہاں تک کہ جب اس کو (دھونک دھونک کر آگ کر دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس تانبا لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں' پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔ بولا کہ یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے' جب میرے پروردگار کا وعدہ آ پہنچے گا تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے گا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے''۔ (۱۸:۸۴۔۹۸)

اللہ تعالیٰ نے جن ذوالقرنین کا ذکر فرمایا ہے وہ یہی تھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانے میں عدل و انصاف کے لیے مخصوص فرمایا تھا' انہوں نے مشرق سے مغرب تک کا سفر کیا اور جہاں بھی گئے وہاں صاحب حاجت لوگوں کی مدد کی اور ہر جگہ کامیاب رہے۔ دوسرے جہاں جہاں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے یعنی جن کتابوں میں ان کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں ان میں

بتایا گیا ہے کہ وہ ایک عادل اور ہمدرد خلائق بادشاہ تھے انہوں نے مشرق سے مغرب تک سفر کر کے جگہ جگہ مظلوموں کا ساتھ دیا اور ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دی۔

کہا گیا ہے کہ وہ نبی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ رسول تھے لیکن جس روایت میں انہیں فرشتہ بتایا گیا ہے وہ بڑی عجیب و غریب روایت ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ ان سے ایک شخص آ کر ملا جو انہیں ذوالقرنین کہہ کر خطاب کر رہا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تم عجیب لوگ ہو کہ جس شخص کو چاہتے ہو نبی بنا دیتے ہو تم کسی کو نبی کسی کو رسول اور کسی کو فرشتہ بتانے لگتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو بڑی سنجیدہ تھی جس سے ظاہر ہوا کہ وہ ذوالقرنین کو نبی کی حیثیت سے جانتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد منسوب ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں لیکن یہ روایت موضوع اور نا قابل یقین اور نا قابل اعتبار ہے۔

اس بارے میں مؤرخین میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان کی وجہ تسمیہ کیا تھی۔ کسی نے بتایا ہے کہ ان کے سر کے دو حصے الگ الگ نظر آتے تھے اس لیے ان کا یہ نام پڑا۔ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے مشرق و مغرب کی جائے اقتران دیکھی تھی اس لیے وہ اس نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے درمیانی علاقوں کے بادشاہ تھے اس لیے وہ اس نام سے مشہور ہوئے۔ یہ آخری قول زہری کا ہے۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ان کے دونوں ابروؤں کا دو خمدار گیسو احاطہ کیے ہوئے تھے اس لیے انہیں ذوالقرنین کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔

عبداللہ بن بشر کا اس بارے میں قول یہ ہے کہ انہوں نے ایک جابر بادشاہ کو بددعا دی تھی جس نے ان کا ایک ابرو مکے سے یا کسی اور طرح پھاڑ ڈالا تھا اور جب انہوں نے دوبارہ اسے بددعا دی تو اس نے ان کے دوسرے ابرو کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جس کی وجہ سے ان کے دونوں ابرو بیچ سے دو حصوں میں بٹ کر الگ الگ نظر آنے لگے تھے اس لیے انہیں ذوالقرنین کہا جانے لگا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشہور ہے کہ ذوالقرنین ایک نبی تھے جو اپنی قوم کو ہدایات دیا کرتے تھے لیکن ان کے کچھ مخالفین اور دشمنوں نے ان کی کنپٹی پر ضرب لگائی تھی جس سے وہ وفات پا گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت سے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ تاہم ان کے انہی دشمنوں نے ان پر حملہ کر کے ان کی دوسری کنپٹی بھی پھاڑ دی جس سے وہ پھر وفات پا گئے۔ اس لیے انہیں ذوالقرنین یعنی دو زمانوں والا یا دو زندگیوں والا آدمی کہا جاتا ہے۔

یہی روایت شعبہ القاسم بن ابی بزہ نے ابی طفیل کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

بہر کیف ان کے نام ذوالقرنین کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ زبیر بن بکار ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان کا نام عبداللہ بن ضحاک بن معد تھا لیکن بعض روایات میں ان کا اصل نام مصعب بن عبداللہ بن قنان بن منصور بن عبداللہ بن آذر بن عون بن بنت مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن قحطان بتایا گیا ہے۔

ایک حدیث میں انہیں حمیری قبیلے سے بتایا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین ایک دانش منداور فلسوف تھے اس

لیے انہیں ان کی غیر معمولی ذہانت وذکاوت کی وجہ سے ذی القرنین کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

حمیری قبیلے کے ایک شخص نے اپنے ایک شعر میں اپنا جد امجد بتایا ہے اور اس بات پر فخر کیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

قد كان ذالقرنين جدى مسلما ملكا تدين له ملوك و تحتشد

سہیلی بیان کرتے ہیں اور ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام مرزبان بن مرزبہ تھا اور ابن ہشام بھی یہی کہتے ہیں لیکن بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کا نام صعب بن ذی مرائد تھا جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا نام افریدون تھا جس نے ضحاک کو قتل کیا تھا اور ایک جگہ اسے (قیاساً) ایاد بن مصعب ذوالقرنین ملک الخافقین اذن الثقلین بھی کہا گیا ہے۔ اور اس کی عمر ایک ہزار سال بتائی گئی ہے۔

دارقطنی اور ابن ماکولا نے اس کا نام ہرمس بتاتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ اسے ہرویس بن قیطون بن رومی بن لنطی ابن کشلوخین بن یونان بن یافث بن نوح بھی کہا جاتا تھا۔ واللہ اعلم

اسحٰق بن بشر نے سعید بن بشیر اور قتادہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ درحقیقت ذوالقرنین سکندر رومی تھا جس کا باپ روم کا پہلا قیصر (بادشاہ) تھا اور وہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا جب کہ ذوالقرنین ثانی سکندر بن فیلقوس بن مدیم بن ہرمس بن میطون بن رومی بن لنطی بن یونان بن یافث ابن یونہ بن شرخون بن رومہ بن شرفط بن توفیل بن رومی بن الاصفر بن یقز بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل تھا۔

سکندر بن فیلقوس[1] کا یہ نسب نامہ حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دوسرا اسکندر مقدونی یونانی مصری شہر اسکندریہ کا بانی تھا' اسی کے زمانے میں روم کی تاریخ مرتب کی گئی۔ یہ سکندر جسے بعض لوگ ذوالقرنین بھی کہتے ہیں ذوالقرنین اوّل سے دو ہزار سال بعد ہوا' اسی نے فارس فتح کر کے وہاں کے بادشاہ دارا کو قتل کیا تھا اور وہاں کے دوسرے معزز لوگوں کو ذلیل وخوار کیا تھا' ارسطو اسی سکندر کا وزیر تھا۔

ابن عساکر مزید لکھتے ہیں کہ بعض لوگ ذوالقرنین اوّل اور ذوالقرنین ثانی کو ایک ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ذوالقرنین اوّل تو اس نام نہاد ذوالقرنین سے دو ہزار سال قبل گزر چکے تھے ذوالقرنین اوّل بڑے نیک' پاک باز اور بڑی عظیم شخصیت کے مالک تھے اور اپنے زمانے کے نبی تھے' قرآن مجید میں انہی ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے جب کہ ذوالقرنین ثانی کافر تھا اور اس کے زمانے میں اصنام پرستی ہوتی تھی' جب کہ ذوالقرنین اوّل کا دنیا کی مشرقی ومغربی سرحدوں تک سفر' سد سکندری کی جو اسی نام سے مشہور ہے ان کے ہاتھوں تیاری وغیرہ بعید از قیاس باتیں نہیں ہیں۔ سورج کے مقامات طلوع وغروب دیکھنا ویسے بعید از قیاس ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ انہوں نے دنیا کے سفر میں آفتاب کے طلوع وغروب کے مناظر بحر اوقیانوس کے افق یا قطب شمالی یا جنوبی میں کہیں دیکھے ہوں۔ بہرکیف ان دونوں ذوالقرنین کے درمیان طویل فصل اور دوسری بدیہی باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دونوں شخصیتیں الگ الگ تھیں۔

---

[1] عربی میں فیلبس کہا اور پڑھا جاتا ہے۔ (شادانی)

ذی القرنین کی چشمہ آبِ حیات کی تلاش کا بیان

ابن عساکر سے بحوالہ وکیع اور ان کے والد معتمر بن سلیمان' امام ابوجعفر باقر اور ان کے والد گرامی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی طویل روایت مروی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ذی القرنین کے ساتھ رفاتیل نام کا ایک فرشتہ رہا کرتا تھا۔ ایک روز انہوں نے اس فرشتے سے دریافت کیا کہ آیا اسے معلوم ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسا چشمہ جسے آب حیات کہا جاتا ہے؟ تو اس فرشتے سے اس چشمے کی نشاندہی کے بعد ذی القرنین اس چشمے کی تلاش میں روانہ ہوئے اور خضر علیہ السلام کو رہنمائی کے لیے آگے آگے رکھا لیکن جب وہ سرزمین ظلمات کی وادی میں پہنچے تو خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اس چشمے کا پانی پی لیا لیکن ذی القرنین کو اس جگہ کا پتہ نہیں بتایا۔ البتہ جب ذی القرنین اپنے لشکر میں لوٹ کر گئے تو مذکورہ بالا فرشتے نے ان سے کہا کہ خضر علیہ السلام ایک پتھر دے گئے ہیں۔ ذی القرنین نے وہ پتھر اس زمانے کے علماء کو دکھایا تو انہوں نے اسے بڑا وزنی محسوس کرتے ہوئے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور دوسرے پلڑے میں بہت سے پتھر رکھے لیکن پہلا پلڑا پھر بھی نیچا رہا' انہوں نے اور بڑے بڑے پتھر اس دوسرے پلڑے میں رکھے لیکن وہ بھی اس پہلے پلڑے کے برابر نہ آسکے جس میں وہ پتھر رکھا تھا۔ اس وقت خضر علیہ السلام وہاں آگئے اور انہوں نے دوسرے پلڑے سے سارے پتھر نکال کر اس کی جگہ ایک مٹھی بھر مٹی رکھ دی تو وہ پہلا پلڑا جس میں وہ سب سے زیادہ وزنی پتھر رکھا تھا فوراً نیچے جھک کر اس دوسرے پلڑے کے برابر آگیا جس میں سے پتھر نکال کر مٹھی بھر مٹی رکھی گئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہاں موجود سب لوگ بشمول علماء حیران رہ گئے۔ خضر علیہ السلام نے ذی القرنین کو بتایا کہ ہر انسان درحقیقت ایک مشت خاک ہے اور آخر کار اسے ایک دن حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مر کر خاک ہو جانا ہے' یہ مشیت باری تعالیٰ ہے لہٰذا کسی انسان کو دنیا میں حیاتِ ابدی کی تمنا نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر وہ سارے علماء جو اس وقت وہاں موجود تھے تعظیماً حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ واللہ اعلم

اس روایت میں ان آیات قرآنی کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے ذی القرنین کا ذکر فرمایا ہے اور ان آیات کی تفسیر میں ذی القرنین کے ساری دنیا کے سفر کے دوران میں لوگوں سے ان کی ہمدردی اور ظالموں سے ان کے سلوک کے علاوہ اس دیوار کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو ان آیاتِ قرآنی میں مذکور ہے نیز جس طرح ذوالقرنین نے وہاں کے لوگوں کی مدد سے اس کی تیاری کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دیوار کے اِدھر اُدھر دو قدیم قبیلے آباد تھے جن میں سے ایک قبیلہ اکثر اس دیوار کی تیاری سے قبل دو پہاڑوں کے درمیانی حصے کو عبور کر کے دوسرے قبیلے پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اس لیے ذوالقرنین نے اس مظلوم قبیلے کی حفاظت کے لیے وہ دیوار اسی طرح تعمیر کر دی تھی جس طرح اس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور ہم اس کی وضاحت

پہلے کر چکے ہیں۔ ذوالقرنین کے طلوع وغروب آفتاب کے مقامات دیکھنے کا جو ذکر قرآن مجید میں ہے اس کی وضاحت بھی ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ابوداؤد طیالسی ثوری کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جن ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ ذوالقرنین اوّل ہی تھے جن کی صفات قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں اور وہ ان کی ان صفات کا ذکر اپنے اسلاف سے وضاحت کے ساتھ سن چکے ہیں۔

کعب الاحبار کے بارے میں روایت ہے کہ ان سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذوالقرنین کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی بتایا کہ وہ ذوالقرنین اوّل تھے اور ان کے دنیا کے سیر وسفر کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ انہوں نے اپنی والدہ کو وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کے بعد وہ ایک دعوت کریں اور اس میں صرف عورتوں کو بلائیں لیکن ان سے کہہ دیں کہ جس عورت کا کوئی بچہ اس کے سامنے نہ مرا ہو وہ اس کھانے کے کسی برتن میں ہاتھ نہ ڈالے چنانچہ ان کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے کی وصیت پر عمل کیا لیکن ذوالقرنین کی والدہ کے وصیت کی دوسری بات کہنے پر اس دعوت میں موجود ہر عورت نے کھانا کھانے سے معذرت کر لی تو ذوالقرنین کی والدہ نے ان عورتوں سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں جس کا ایک بیٹا بھی اس کے سامنے نہ مرا ہو اور ان کے انکار کے بعد وہ اپنے بیٹے ذوالقرنین کی وصیت کا مطلب سمجھ گئیں اور انہی نے سب سے پہلے کھانا کھانا شروع کیا اور دوسری عورتوں کو بھی وہ کھانا کھانے کی اجازت دے دی۔

اس روایت میں ہر عورت کے لیے ایک سبق ہے جسے کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے اس روایت میں ذوالقرنین اوّل کی دوسری حکمت آمیز باتوں کے ذکر کے بعد یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کی وفات کے وقت ان کی عمر تین ہزار سال تھی جو بڑی عجیب بات ہے۔

ابن عساکر نے ذوالقرنین کا اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہوئے ان کی وفات کے وقت ان کی عمر چھتیس سال بتائی ہے اور کچھ دوسری روایات میں بھی ان کی عمر وفات کے وقت صرف چونتیس سال بتائی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض راویوں نے ذوالقرنین اوّل اور ذوالقرنین ثانی یعنی سکندر بن فیلقوس کو ایک ہی سمجھا ہے اور اسی لیے بعد کے اکثر راوی اور مؤرخین بھی اس غلط فہمی سے نہ بچ سکے۔

یاجوج ماجوج کی قوم کا ذکر

ذوالقرنین کے ذکر کے ضمن میں قرآن مجید میں یاجوج ماجوج کا جو ذکر آیا ہے اس پر مفسرین کے علاوہ دوسرے راویوں اور مؤرخین نے بھی کافی گفتگو کی ہے۔ ان کے بنی آدم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے جس کا ثبوت صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) کی روایات سے ملتا ہے جو درحقیقت اس سلسلے میں حرف آخر ہیں۔

صحیحین میں اس سلسلے کی حدیث نبوی اعمش کی روایت پر مبنی ہے جس میں ابی صالح اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ روز قیامت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا: ''آدم! اٹھو اور اپنی ذریت (اولاد) کو سب سے بری آگ میں بھیجو!'' آدم علیہ السلام عرض کریں گے: ''اے پروردگار سب سے بری آگ میں بھیجی جانے والی قوم کون سی ہے؟'' اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: ''ان تمام بے شمار لوگوں میں سے ہزاروں ہزار' نوسو ننانوے افراد کی آگ میں بھیجو اور صرف ایک قوم کو جنت میں بھیجو کیونکہ دوسری سب قومیں نشہ باز لوگوں کی قومیں ہیں جو بچوں کو ضائع کرتے اور نشہ کرتے تھے اور نشہ باز سخت عذاب کے مستحق ہیں''۔

لوگوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! وہ ایک قوم کون سی ہے؟'' آپؐ نے فرمایا ''وہ ایک قوم تم ہو باقی سب لوگ یاجوج ماجوج ہیں''۔

راوی نے اس حدیث نبوی کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ یاجوج ماجوج سے مراد کسی قوم کے افراد کی اکثریت ہے جو دوسری قوموں پر اپنی کثرت کی وجہ سے غلبہ پا کر ان کے ہاں قتل و غارت گری کا ہنگامہ کرتی رہی ہیں۔ (ترجمہ مفہومی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ دو قوموں کو جنت میں بھیجنے کا حکم دے گا''۔

لوگوں نے پوچھا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ دو قومیں کون سی ہیں؟''۔ آپؐ نے فرمایا: ''ایک قوم تم ہو اور دوسری وہ مظلوم قوم ہے جس پر کوئی دوسری قوم اپنی طاقت اور کثرت افواج کی بناء پر غلبہ حاصل کر کے اسے قتل و غارت کرے گی''۔ (ترجمہ مفہومی)

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ ''ان ظالم قوموں میں نوح علیہ السلام کی قوم بھی شامل ہوگی جس کے بارے میں انہوں نے دعا فرمائی تھی کہ ''اے اللہ! یہ روئے زمین پر جہاں ہو اسے غارت کر دے اور صرف کشتی والوں کو چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ (طوفان) کے بعد) وہ اہل کشتی بچ گئے تھے۔ (ترجمہ مفہومی)

ایک اور حدیث میں جو مسند امام احمدؒ اور سنن ابوداؤدؒ میں روایت کی گئی ہے بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''نوح کے تین بیٹے تھے' سام' حام اور یافث۔ سام کی اولاد میں اہل عرب ہیں' حام کی اولاد میں اہل افریقہ ہیں اور

یافث کی اولاد میں ترک (یعنی مغل) اور دوسری قومیں ہیں''۔

ایک دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ جب ادھر کے لوگوں کے لیے ذوالقرنین نے دیوار بنادی تھی تو دوسری طرف کے لوگ جنہیں ان کی کثرت افراد اور کثرت یلغار کی وجہ سے یاجوج ماجوج کہا جاتا تھا ان دیوار کے دوسری طرف کا حصہ ترک کر کے کہیں اور چلے گئے تھے اس لیے وہ ترک کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اس کے علاوہ یاجوج ماجوج کی وجہ تسمیہ اور بھی بتائی گئی ہے' اور انہیں عربی' افریقی' ترکی سب قوموں سے الگ بتایا گیا ہے کیونکہ وہ نسلاً الگ تھے۔ لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ساری دنیا کے انسان حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد در اولاد ہیں۔ بعض مؤرخین نے یاجوج و ماجوج سے مراد تاتار سے لی ہے جنہوں نے دوسرے ملکوں کے علاوہ عباسیوں کی حکومت اور بغداد کو تاخت و تاراج کیا تھا۔

قصہ اصحابِ کہف

اصحابِ کہف کا قصہ مشہور ترین قصوں میں سے ایک قصہ ہے۔قرآن مجید میں اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ مکے کے مشرک از منہ قدیم کی بہت سی باتیں یہود کے عالموں سے دریافت کیا کرتے تھے اور وہ ان مشرکین کو وہ باتیں بتا کر انہیں اکسایا کرتے تھے کہ وہ وہی باتیں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کریں کیونکہ اگر وہ سچے نبی ہیں تو ان کا صحیح صحیح جواب دیں گے ورنہ وہ انہیں نبی نہ مانیں۔یہی بات یہود کے عالموں نے ذوالقرنین کے بارے میں کہی تھی اور ان کے بارے میں مشرکین مکہ نے آپؐ پر سوالات کی بوچھار کر دی تھی جس کے بعد قرآن مجید کی وہ آیات آپ پر نازل ہوئی تھیں جنہیں گذشتہ اوراق میں پیش کر کے ہم ان کی وضاحت کے ساتھ اس موضوع پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔

اصحابِ کہف کے بارے میں بھی ظاہر ہے آپ سے بار بار دریافت کیا گیا ہوگا' جس کے بعد قرآن مجید کی وہ آیات آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کا مفصل قصہ آپ کو سنایا اور اس قصے کی وجہ سے ہی قرآن مجید کے ایک پوری سورت کا نام ہی سورۂ کہف ہے۔سورۂ کہف کی وہ آیات یہ ہیں:

> ''کیا تم خیال کرتے ہو کہ غار اور لوح والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے' جس وہ جوان غار میں جا رہے تھے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما۔اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔تو ہم نے غار میں کئی سال تک ان کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈالے (یعنی ان کو سلائے) رکھا۔پھر ان کو جگا اٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ جتنی مدت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔ہم ان کے حالات تم سے صحیح صحیح بیان کرتے ہیں۔وہ کئی جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی تھی' اور ان کے دلوں کو مربوط (یعنی مضبوط) کر دیا۔جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ہم اس کے سوا کسی کو (معبود سمجھ کر) نہ پکاریں گے (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی۔ان ہماری قوم کے لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔بھلا یہ ان (کے خدا ہونے) پر کوئی دلیل کیوں نہیں لاتے۔تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ افترا کرے۔اور جب تم نے ان (مشرکوں) سے اور جن کی یہ خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے کنارہ کر لیا ہے تو غار میں چل رہو تمہارا پروردگار تمہارے لیے اپنی رحمت وسیع کر دے گا اور تمہارے کاموں میں آسانی (کے سامان) مہیا کرے گا۔اور جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ (دھوپ) ان کے غار سے داہنی طرف سمٹ جائے اور جب غروب ہو تو ان سے بائیں طرف کترا جائے اور وہ اس کے میدان میں تھے۔یہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔جس کو خدا ہدایت دے وہ ہدایت یاب ہے اور

جس کو گمراہ کرے تو تم اس کے لیے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے' اور تم ان کو خیال کرو کہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں۔ اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدلاتے تھے اور ان کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔ اگر تم ان کو جھانک کر دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور ان سے دہشت میں آ جاتے' اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کریں۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ تم (یہاں) کتنی مدت رہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ انہوں نے کہا کہ جتنی مدت تم رہے ہو تمہارا پروردگار ہی اس کو خوب جانتا ہے۔ تو اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کو بھیجو وہ دیکھے کہ نفیس کھانا کون سا ہے تو اس میں سے کھانا لے آئے اور آہستہ آئے جائے اور تمہارا حال کسی کو نہ بتائے' اگر وہ تم پر دسترس پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا پھر اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے اور اس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے' اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال سے) خبردار کر دیا تاکہ وہ جانیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے) اس میں کچھ بھی شک نہیں۔ اس وقت لوگ ان کے بارے میں جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر عمارت بنا دو۔ ان کا پروردگار ان (کے حال) سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ ان کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ان (کے غار) پر مسجد بنائیں گے (بعض لوگ) اٹکل پچو کہیں گے کہ وہ تین تھے (اور) چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ اور (بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ میرا پروردگار ہی ان کے شمار سے خوب واقف ہے ان کو جانتے بھی ہیں تو تھوڑے ہی لوگ (جانتے ہیں) تو تم ان (کے معاملے میں) گفتگو نہ کرنا مگر سرسری سی گفتگو۔ اور نہ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی کرنا''۔ (۱۸:۹-۲۲)

ان آیاتِ قرآنی میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اصحاب کہف کا از اوّل تا آخر ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اصحاب کہف اپنے زمانے کے بادشاہ اور اپنے ملک کے دوسرے لوگوں کے برعکس جو اصنام پرست تھے خدا اور اس کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اصنام پرستوں سے دامن بچا کر کسی پہاڑ کے غار میں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے قریہ کے قریب ایک غار میں چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی بستی کے اصنام پرستوں کے ظلم سے بچانے کے لیے ان پر نیند طاری فرما دی اور اپنے فضل و کرم سے موسم گرما کو دھوپ سے بچانے کے لیے یہ انتظام فرمایا کہ سورج طلوع ہونے کے بعد اس غار کے دہانے سے بچ کر دوپہر سے شام تک آسمان پر اپنا مقررہ سفر طے کرے اور وقت غروب بھی ایسا ہی کرے تاکہ شام کی دھوپ بھی اس غار کے اندر نہ جانے پائے۔

ان آیاتِ قرآنی میں اصحاب کہف کو اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف والرقیم فرمایا ہے۔ مفسرین نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہف کے ساتھ جس کے معنی عربی میں غار ہیں رقیم کے بارے میں بیان کیا ہے کہ رقیم اس بستی کا نام تھا جس سے ان خدا پرستوں کا تعلق تھا۔ بعض مفسرین نے رقیم اس وادی کا نام بتایا ہے جس کے پہاڑ کی غار میں وہ لوگ اپنے دشمنوں سے پناہ لینے کے لیے جا چھپے تھے لیکن بحالت خواب بھی بحکم الٰہی کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔

اصحاب کہف یعنی ان غار میں پناہ لینے والوں کے ساتھ جیسا کہ ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے ان کا کتا بھی تھا جو اس غار کے منہ پر اپنے اگلے پاؤں پھیلائے بیٹھا رہتا تھا شعیب جلبائی نے اس کتے کا نام حمران اور کچھ دوسرے راویوں نے وصید بتایا ہے۔

اگر چہ شرعاً بتایا گیا ہے کہ جس گھر میں کوئی کتا ہوگا تو اس کے نجس ہونے کی وجہ سے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے لیکن اصحاب کہف کے کتے کی وفاداری کے پیش نظر اور کسی کار خیر یعنی اپنی اور اپنی املاک کی حفاظت کے لیے کتا پالنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ دوسرے اس جانور کی فطری وفاداری کے پیش نظر یہ تاکید بھی کی گئی ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک اور اس کی بطریق احسن دیکھ بھال اور پرورش کی جائے لیکن اس کے ساتھ یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ اس کی جسمانی نجاست کی وجہ سے دوسری اقوام خصوصاً عیسائیوں کی طرح انہیں اپنے برتنوں میں کھانا کھلانے اور اپنے ساتھ بٹھانے سے اجتناب کیا جائے۔ اس کے برخلاف جو کچھ بعض روایات میں کتوں کے نام اور رنگ وغیرہ کے بارے میں بتایا وہ صرف اسرائیلات پر مبنی ہے اور اس کا ظاہر اسلامی شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

مذکورہ بالا غار کے محل وقوع کے بارے میں علماء میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نے اس کا محل وقوع ایلہ کی سرزمین بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی نیند کی مدت تین سو نو سال بتائی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب وہ اس نیند سے بیدار ہوئے تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہوں گے تو ہر ایک نے یہی کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ پھر انہی میں سے کوئی بولا کہ ہم میں سے کسی کو ایک روپیہ لے کر بازار بھیجنا چاہیے جو لوگوں کی نگاہوں سے بچتا بچاتا وہاں سے اچھا سا کھانا لے آئے تاکہ سب مل کر کھا سکیں۔

بعض راوی بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے جو شخص بازار جانے کے لیے تیار ہوا اس کا نام دفسوس تھا۔ اس وقت تک ان کے غار میں نہ ان کا کتا داخل ہوا تھا نہ فرشتوں کو خدا کا حکم تھا کہ اس کے اندر داخل ہوں۔ البتہ خود اللہ تعالیٰ نے انہیں اس وقت تک اپنی قدرت سے بے کھائے پیئے زندہ رکھا تھا جب کہ انہیں خود علم نہ تھا کہ انہیں اس نیند کی حالت میں تین سو سال سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔

بہر کیف ان میں سے وہ شخص جس کا نام دفسوس بتایا گیا ہے اور بعض راوی اس کا نام دقیانوس بتاتے ہیں جب غار سے نکل کر پہاڑ سے نیچے اترا اور اس بستی کے بازار کی طرف گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس پوری بستی کا حلیہ ہی بدلا ہوا ہے' وہاں کے مکانات اور بازار تو ایک طرف اس کے باشندے بھی صورتوں کے لحاظ سے قطعی طور پر بدل چکے تھے۔ وہ حیرت زدہ اس بستی میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا اور لوگ اس کا حلیہ دیکھ کر یہاں وہاں خوف سے چھپتے پھر رہے تھے۔

یہ حال دیکھ کر ان اصحاب کہف یا غار والوں کا وہ آدمی واپس آیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو بستی کا حال سنایا تو ان میں سے ایک دوسرا شخص جس کا نام تیذ ریسس[1] بتایا جاتا ہے غار سے نکل کر بستی کی طرف گیا تو لوگ ان دونوں کو دیکھنے کے بعد اس

---

[1] یہ نام کتاب ''اصول'' میں لکھا ہے لیکن ابن جریر نے اس کا نام اپنی تاریخ میں یملیخا لکھا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ تیذ ریسس اس جگہ کے بادشاہ کا نام تھا۔ (محمود الامام)

دوسرے شخص کے پیچھے لگے ہوئے اس غار کے دہانے تک جا پہنچے وہ انہیں کسی دشمن ملک کا جاسوس سمجھتے تھے اور اس کی تحقیق کے لیے وہاں تک آئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اندر جھانک کر دیکھا تو انہیں وہاں اس شکل وصورت کے نئی آدمی نظر آئے اور وہ انہیں کوئی غیر انسانی مخلوق سمجھ کر ڈر کے مارے وہاں سے واپس بھاگ آئے۔

جب اس بستی والوں کو حقیقت حال معلوم ہوئی اور انہوں نے وہ تین سو سال قبل کا سکہ دیکھا تو انہوں نے اس واقعے کو خدا کی قدرت پر محمول کیا لیکن اب کیا ہوسکتا تھا کیونکہ اس وقت تک اصحاب کہف مر چکے تھے۔

اس کے بعد بھی اس بستی کے لوگوں نے اس غار میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کی ظاہر ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت سے اس فعل سے باز رکھا تھا یا وہ خود ان کی ہیبت سے اس غار میں داخل نہیں ہوئے اور ان غار میں تین سو سال تک اللہ تعالیٰ کے حکم سے بحالت خواب رہنے والوں کے حالات وکوائف پر ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ گیا۔

اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات قرآنی میں ارشاد فرمایا ہے' لوگوں میں باہم اختلاف ہے' کوئی ان کی تعداد تین بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ چوتھا ان کا کتا تھا' کوئی کہتا ہے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا اور بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا لیکن ان آیات کے آخر میں خود اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے توسط سے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایسی متنازعہ فیہ باتوں کے کھوج میں نہ رہا کریں کیونکہ ایسی سب باتیں ان کے پروردگار کی نشانیاں ہیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ان کی حقیقت اس بستی کے لوگوں پر جب منکشف ہوئی تو اس وقت وہ یعنی اصحاب کہف وفات پا چکے تھے جب کہ اس سے قبل کچھ لوگ کہتے تھے کہ ان کے غار کا دہانہ پتھر کی کسی بڑی سل سے بند کر کے انہیں وہاں ہمیشہ کے لیے زندہ دفن کر دیا جائے اور اس غار کے اوپر کوئی عمارت تعمیر کر دی جائے لیکن پھر وہی لوگ کہنے لگے کہ اس غار پر کوئی عبادت گاہ ان نیک بندوں کی یادگار کے طور پر تعمیر کر دی جائے جو کام ان کے بزرگوں اور خود ان کے مذہب میں جائز اور رائج تھا۔

اسی وجہ سے صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں یہ حدیث نبوی درج کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہود ونصاریٰ پر لعنت ہو کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مزاروں پر عبادت خانے تعمیر کر رکھے ہیں جب کہ تمہیں یعنی ان کے جیسے اعمال سے اجتناب کرنا چاہیے کہ قیامت برحق ہے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا (یعنی سزا ملے گی) اور انہیں سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (حدیث نبوی کا توضیحی ترجمہ)

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو اصحاب کہف کے بارے میں بحث کرنے اور ان کی تعداد میں اختلاف آراء کا اظہار کرنے سے ممانعت فرمائی اس کی بدیہی وجہ یہ تھی کہ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ انہیں تین سو سال تک سلائے رکھتا کیونکہ وہ تو جس چیز کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے آپ کو اصحاب کہف کا احترام بھی ملحوظ تھا جو حق پرست تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اس وقت ایمان لائے تھے جب ان کی ساری قوم بت پرست یا نجوم پرست تھی۔

اس کے علاوہ ان آیات میں اور ان کے علاوہ جہاں جہاں بھی قرآن مجید میں واللہ اعلم اور ان شاء اللہ آیا ہے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ متعدد مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے' فرمایا کہ جب کسی کام کا ارادہ کوئی انسان کرے تو اسے ہمیشہ ان شاء اللہ کہنا چاہیے یہ نہیں کہ وہ کہے کہ میں فلاں کام کل کروں گا کیونکہ اس کام کا پورا ہونا یا نہ ہونا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے جس کے ہونے یا نہ ہونے کی مصلحت وحکمت بھی خود وہی جانتا ہے۔ دوسرے اہل ایمان کے لیے ہر کام کا ارادہ کرنے سے قبل ان شاء اللہ کہنا ان کے ایمان کی پختگی کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ (اگر اس کی مصلحت کے خلاف نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ اس کے ارادے کو ان شاء اللہ کہنے سے پورا کر دیتا ہے اور اس میں یعنی یہ کہنے سے اس میں برکت بھی عطا فرماتا ہے۔

جہاں تک واللہ اعلم کہنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بات کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جب کہ اس کے بندے اس کے بارے میں کچھ جانتے بھی ہوں تو وہ بہت کم جانتے ہیں اس لیے ان باتوں کے بارے میں جن میں اختلاف رائے ہو' واللہ اعلم کہنا ضروری قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اصحاب کہف کتنی مدت اس غار میں رہے آیا تین سو سال یا اس سے کتنا کم وبیش اسے خدا ہی خوب جانتا ہے کیونکہ اس کی قدرت اور اس کی اس صفت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

جہاں تک ان آیات میں تین سو سال کے علاوہ نو سال کے اضافے کا تعلق ہے اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ شمسی حساب سے مہینوں کے دن زیادہ ہوتے ہیں۔ جب کہ قمری حساب سے کم ہوتے ہیں لہٰذا اس نو سال کے اضافے سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا (یعنی قمری حساب سے تین سو سال میں جو کمی رہ جاتی ہے وہ اس طرح پوری ہو جاتی ہے۔ (حدیث نبوی کا مفہومی وتوضیحی ترجمہ)

دو مومن و کافر اشخاص کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اصحابِ کہف کے قصے کے بعد ارشاد فرمایا:

''اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ (عنایت) کیے تھے اور ان کے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیئے تھے اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔ دونوں باغ (کثرت سے) پھل لاتے اور اس (کی پیداوار) میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی اور (اس طرح) اس (شخص) کو (ان کی) پیداوار (ملتی رہتی) تھی تو (ایک دن) جب کہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں تم سے مال و دولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے دار جماعت کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا ہوں اور (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو' اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو۔ اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا' تو اس کا دوست کہنے لگا کہ کیا تم اس (خدا) سے کفر کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پورا مرد بنایا مگر' مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا ہی میرا پرودگار ہے (اور میں) اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا' اور بھلا جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے **ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ** کیوں نہ کہا؟''۔

اس کے بعد جیسا کہ اگلی آیات میں مذکور ہے وہی شخص اپنے اس باغ والے دوست سے بولا: (ترجمہ آیات قرآنی)

''اگر تم مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کمتر سمجھتے ہو' تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس (تمہارے باغ) پر آسمان سے آفت بھیج دے تو وہ صاف میدان ہو جائے۔ یا اس (کی نہر) کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اسے نہ لا سکو''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں تک ذکر فرما کر آگے ارشاد فرمایا:

''اور اس کے میوؤں کو عذاب نے آ گھیرا اور وہ اپنی چھتریوں پر گر کر رہ گیا تو جو مال اس نے اس پر خرچ کیا تھا اس پر (حسرت سے) ہاتھ مل کر کہنے لگا کہ کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا (اس وقت) خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوئی اور نہ وہ بدلا لے سکا''۔

اس سلسلے کی آیات کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

''یہاں (سے ثابت ہوا کہ حکومت سب خدائے برحق ہی کی ہے اس کا صلہ بہتر اور (اسی کا) بدلہ اچھا ہے''۔

(۱۸:۳۲۔۴۴)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ ایسا کوئی واقعہ گزرا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ مثال دیتے ہوئے فرمایا ہو کہ گویا اگر ایسا ہو تو پروردگار عالم ایسے لوگوں کو ان کے تکبر کی سزا ضرور دیتا ہے۔ جب کہ جمہور کے خیال میں یہ واقعہ ضرور پیش آیا ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے واقعات مثلاً کفار قریش وغیرہم کے واقعات قرآن مجید میں اسی طرح یعنی **''واضرب لھم مثلاً''** فرما کر بیان فرمائے ہیں اور ان کے آخر میں ہر جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ مجرموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی ہی سزا دی جاتی ہے۔

قصہ اصحاب الجنۃ

صاحبانِ جنت یعنی باغ والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

''ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا میوہ توڑ لیں گے۔ اور ان شاء اللہ نہ کہا' سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) اس پر ایک آفت پھر گئی' تو وہ ایسا ہو گیا۔ جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔ جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر صبح ہی جا پہنچو' تو وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے۔ کہ آج یہاں تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے' اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے (گویا کھیتی پر قادر (ہیں) جب باغ کو دیکھا تو (ویران) کہنے لگے کہ ہم رستہ بھول گئے ہیں۔ نہیں بلکہ ہم (برگشتہ نصیب) بے نصیب ہیں۔ ایک جوان میں فرزانہ تھا بولا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ (تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ہی قصوروار تھے' پھر لگے ایک دوسرے کو رو برو ملامت کرنے۔ کہنے لگے ہائے شامت ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔ امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت کرے ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع لاتے ہیں' دیکھو عذاب یوں ہوتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے کاش یہ لوگ جانتے ہوتے''۔ (۶۸: ۱۷۔۳۳)

یہ مثال ایسی ہی ہے جیسی اللہ تعالیٰ نے کفارِ قریش کے بارے میں قرآن مجید میں دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کی اصلاح کے لیے ایک عظیم و کریم نبی ﷺ بھیجا لیکن انہوں نے اس کی تکذیب اور مخالفت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ ان قریش نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر نہ کی اور کفر پر اڑے رہے اور اپنی قوم کو بھی دوزخیوں کے گھر کی طرف جو بہت برا گھر ہے دھکیلتے رہے اور وہ بہت بری جائے قرار ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ ایسے لوگوں کو دنیا ہی میں عذاب دینے اور ان کے لیے آخرت میں اس سے زیادہ دینے کا ذکر فرمایا ہے۔

ان ایلہ والوں کا قصہ جو اپنا روز ہفتہ منانے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ اعراف میں ایلہ کے رہنے والوں کا قصہ بیان فرمایا' جنہوں نے اپنی مرضی سے ہفتہ کا دن چھٹی کے لیے مقرر کیا تھا لیکن پھر اس میں اپنے پروردگار کی مرضی کے برعکس اس میں حد سے تجاوز کر گئے تھے یعنی اس کے خلاف عمل کرنے لگے تھے۔

یہ قصہ بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور ان سے اس گاؤں کا حال تو پوچھو جو لب دریا واقع تھا۔ جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن کے مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آئیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے' اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب میں ڈالنے والا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کے لیے کہ تمہارے پروردگار کے سامنے معذرت کر سکیں اور عجب نہیں کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔ جب ان لوگوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی تو جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی اور جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو برے عذاب میں پکڑ لیا کہ نافرمانی کیے جاتے تھے' غرض جن اعمال بد سے ان کو منع کیا گیا تھا جب وہ ان (پر اصرار اور ہمارے حکم) سے گردن کشی کرنے لگے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ''۔ (۷:۱۶۳۔۱۶۶)

اور انہی نافرمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں یہ ارشاد فرمایا:

''اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی) کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ' اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لیے عبرت اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بنا دیا''۔ (۲:۶۴۔۶۶)

قرآن میں اس قصے کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ظالم ہلاک کر دیئے گئے تھے اور مومنوں کو معاف کر دیا گیا تھا اور غیر جانب داروں سے بھی درگزر کیا گیا تھا جن لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان سے درگزر کیا گیا تھا ان کے متعلق بعض علماء کہتے ہیں کہ انہیں بھی ہلاک کر دیا گیا تھا لیکن محققین کے مطابق صحیح پہلا ہی قول ہے یعنی یہ کہ ان سے درگزر کیا گیا تھا۔ امام المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اسی تحقیق کے حق میں ہیں۔

قصہ لقمان

لقمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''اور ہم نے لقمان کو حکمت بخشی کہ خدا کا شکر کرو۔ اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو خدا بھی بے پروا اور لائق حمد و (ثنا) ہے۔ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (اپنے نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کا شرک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع لائے اس کے رستے پر چلنا۔ پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو میں سب سے تم کو آگاہ کر دوں گا (لقمان نے یہ بھی کہا کہ) بیٹا اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر۔ یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں۔ خدا اس کو قیامت کے دن لا موجود کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا باریک بین (اور) خبر دار ہے' بیٹا نماز کی پابندی رکھنا اور (لوگوں کو) اچھے کاموں کے کرنے کا امر اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ اور (از راہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ خدا کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال کیے رہنا اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب سے بری آواز گدھوں کی ہے''۔ (۳۱:۱۲۔۱۹)

لقمان کو عموماً لقمان بن عنقاء بن سدون بتایا جاتا ہے لیکن سہیلی نے ان کا نام ابن جریر اور قتیبی کے حوالے سے لقمان بن ثاران بتایا ہے اور کہا ہے کہ انہیں اس نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔

سہیلی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ لقمان اہل ایلہ کے باہمی امور اور ان کے متنازعہ مسائل کے فیصلے کیا کرتے تھے اور نوبہ کے رہنے والے تھے۔

بہر کیف ہماری تحقیق کے مطابق اور جیسا کہ قرآن مجید میں ان کے ذکر سے ثابت ہے وہ ایک مرد صالح' عبادت گزار اور حکمت عظیمہ کے مالک تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں قاضی تھے۔ واللہ اعلم

سفیان ثوری نے اشعث' عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لقمان کو حبشی اور نجار (بڑھئی) بتایا ہے۔

قتادہ' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ انہیں لقمان کے بارے میں جو جو باتیں معلوم ہوئی ہوں وہ انہیں بتائیں تو وہ (جابر بن عبداللہ) بولے کہ وہ چھوٹے قد کے چپٹی ناک والے شخص تھے۔

یحییٰ بن سعید انصاری سعید بن مسیب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ لقمان مصری علاقے سوڈان کے رہنے والے تھے اور تنگ دست ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف انتہا درجے کی حکمت سے نوازے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز نہیں فرمایا تھا۔

اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن بن حرملہ نے بیان کیا کہ سعید بن مسیب کے پاس ایک سیاہ فام شخص کوئی سوال پوچھنے آیا تو وہ بولے کہ بتاؤ آپ کو مجھ سے کیا پوچھنا ہے اور آپ کو اپنی سیاہ فامی کی وجہ سے شرمندہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ تین سوڈانیوں حضرت بلال' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھی مہجع اور بہت زیادہ حکمت کے مالک لیکن انتہائی سیاہ فام اور چپٹی ناک والے حضرت لقمان کے بعد چوتھے ذی مرتبت سوڈانی ہیں۔

امام اعمشؒ' مجاہدؒ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ لقمان ایک حبشی غلام' بہت زیادہ پھیلے ہوئے نتھنوں اور پھیلی ہوئی ٹانگوں والے شخص تھے۔

عمر بن قیس کہتے ہیں کہ لقمان ایک حبشی غلام تھے' ایک دن ان کے پاس ایک شخص اس وقت آیا جب وہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ اس شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ وہی شخص نہیں ہیں جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا: ''جی ہاں میں وہی شخص ہوں''۔ یہ سن کر اس شخص نے ان سے پوچھا: ''پھر آپ اس رتبے تک کیسے پہنچ گئے؟'' لقمان نے جواب دیا:

''سچی بات کہنے اور جب تک کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اس کے بارے میں خاموش رہنے کی وجہ سے''۔

حکیم لقمانؒ کے بارے میں ایسی ایسی عجیب وغریب باتیں مشہور ہوگئی ہیں جن پر اعتبار کرنا مشکل ہے۔ تاہم ان کے اکثر اقوال اقوال زریں کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

قصہ اصحاب الاخدود

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

''آسمان کی قسم جس میں برج ہیں۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی' کہ خندقوں (کے کھودنے) والے ہلاک کر دیئے گئے' یعنی آگ (کی خندقیں) جس میں ایندھن (جھونک رکھا) تھا۔ جب کہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے' اور جو (سختیاں) اہل ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے' ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب (اور) قابل ستائش ہے' وہی جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا (اور) عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا عذاب بھی ہوگا''۔ (۸۵: ا۔ ۱۰)

ہم نے یہ قصہ بحمد اللہ اپنی کتاب تفسیر میں قرآن مجید کے سورہ البروج کی تفسیر پیش کرتے ہوئے تفصیلاً تحریر کیا ہے۔

ابن اسحاق کے خیال میں اصحاب الاخدود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور نبوت کے بعد کے لوگ تھے جب کہ کچھ دوسرے لوگوں نے ان کے اس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ ان کے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے قبل تھے اور کافر تھے۔ تاہم بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ ایسے لوگ جو کافر ہونے کے علاوہ تھے اور عیسیٰ علیہ السلام سے قبل اور ان کے بعد دونوں زمانوں میں تھے وہ اہل ایمان کو اسی قبیل کی تکالیف اکثر دیا کرتے تھے لیکن جن لوگوں کا قصہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں اسے ہماری طرح قرآن مجید اور ایک مشہور حدیث نبوی کے حوالے سے اسی انداز میں ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے اور وہ پہلے کفار کے ظلم و جبر کے واقعات سے بالکل الگ ہے۔

وہ قصہ جسے امام احمدؒ نے بھی حماد بن سلمہ کی زبانی اور ثابت' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور صُہیب کے حوالے سے ابن اسحٰق کی طرح مذکورہ بالا مشہور حدیث نبوی کے مطابق بیان کیا ہے یہ ہے کہ زمانہ اسلام سے بہت پہلے ایک بڑا ہی ظالم و جابر بادشاہ گزرا ہے۔

اس بادشاہ کے زمانے میں جو سب سے بڑا جادوگر تھا اس نے ایک دن بادشاہ سے کہا کہ وہ اب بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور مرنے سے پہلے چاہتا ہے کہ ساحری کے تمام رموز اس شخص کو سکھا دے جسے بادشاہ منتخب کرے۔

بادشاہ نے اپنے غلاموں میں سے اپنے خاص خادم کو منتخب کر کے اس جادوگر سے کہا کہ اسے جتنا جادو آتا ہے وہ اس غلام کو سکھا دے۔

جب وہ غلام اس جادوگر سے جادو سیکھنے جاتا تھا تو راستے میں اس کی ملاقات اکثر ایک راہب سے بھی ہو جاتی تھی جو اس غلام کو بتایا کرتا تھا کہ جادو سیکھنا اور اسے کام میں لانا مذہباً حرام ہے۔ اس کے علاوہ وہ راہب اس غلام کو خدا کے بارے میں اور مذہب کی بہت سی اچھی باتیں بھی بتایا کرتا تھا جو رفتہ رفتہ اس غلام کے دل نشین ہوتی چلی گئیں جس کے بعد اس نے نہ صرف جادو سیکھنا چھوڑ دیا بلکہ توحید خداوندی کا قائل ہو کر پکا مذہبی بن گیا اور راہب کی طرح شب و روز کے اکثر اوقات میں جس طرح اس راہب نے بتایا تھا خدا کی عبادت کرنے لگا بلکہ خلوص عبادت میں خود اس راہب سے بھی بڑھ گیا جسے دعویٰ تھا کہ خدا کی عبادت و ریاضت میں اس کا کوئی مقابل نہیں ہے۔

اس دوران میں اس راہب اور جادوگر دونوں کو حکم خداوندی کے تحت موت سے ہمکنار ہونا پڑا۔

جب اس بادشاہ کو جو کافر تھا اور ظلم و جبر میں حد سے بڑھا ہوا تھا اور جس نے اپنے علاوہ اپنی ساری قوم کو اصنام پرستی پر لگا رکھا تھا جب اپنے اس غلام کی تبدیلی مذہب کی خبر ہوئی تو اس نے اسے بلا کر اپنے نئے مذہب کو ترک کرنے کا سختی سے حکم دیا لیکن اس نے انکار کر دیا تو اس نے اسے طرح طرح کی ایذا رسانی کا اپنے لوگوں کو حکم دیا' پھر اسے سمندر میں ڈبونے کا حکم دیا لیکن وہ غلام خدا کے فضل و کرم سے اس سے بھی بچ نکلا۔

یہ دیکھ کر بادشاہ نے ایک اندھے اور ایک مبروص شخص کو جس کے منہ اور بدن کے کئی دوسرے حصوں میں سفید داغ تھے طلب کر کے اپنے اس غلام سے کہا کہ اگر تیرا مذہب سچا ہے تو اس اندھے کو بصارت اور اس مبروص کو شفا بخش دے۔

اس غلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اسی کا نام لے کر دونوں کو پہلے کی طرح ٹھیک کر دیا۔ اس کے علاوہ جب وہ غلام اسی طرح خدا کے حکم سے متعدد اندھوں کو بصیرت اور برص کے مریضوں کو شفا بخشتا رہا تو بہت سے لوگ اس کے معتقد ہو گئے اور اسی کے دین پر چلنے لگے۔

یہ دیکھ کر بادشاہ بہت برہم ہوا اور گھبرایا بھی۔ اس لیے اس نے اپنے اس غلام کو بلا کر اسے حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کو بتائے کہ اس نے جن نابیناؤں کو بصیرت بخشی ہے اور جن برص کے مریضوں کو شفا دی ہے وہ اپنے جادو کے زور پر دی ہے لیکن اس نے اس سے انکار کرتے ہوئے بادشاہ کو صاف جواب دیا کہ وہ سب کچھ خدا کے حکم سے ہوا ہے کیونکہ وہ اپنی طرف سے کسی نابینا کو بینائی بخش سکتا ہے نہ کسی برص کے مریض کو شفا دے سکتا ہے۔

بادشاہ نے اپنے اس غلام کے اپنے بار بار حکم کی تعمیل سے انکار اور اس کے اپنے عقیدے پر جسے وہ سچا دین کہتا تھا جمے رہنے کی وجہ سے آخر کار حکم دیا کہ اسے تیر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

چنانچہ اس غلام کو ایک جگہ کسی ستون سے باندھ کر اس پر بادشاہ کے حکم کے مطابق تیروں کی بوچھار کی گئی جن میں سے کئی تیر اس نے اپنی ایک ہتھیلی پر روکے لیکن دوسرے بے شمار تیروں نے اس کا جسم چھلنی کر دیا جس سے وہ غلام بقضائے الٰہی فوت ہو گیا۔

چونکہ اس حق پرست غلام کو عام لوگوں کے سامنے تیروں سے ہلاک کیا گیا تھا اس لیے بادشاہ کو یقین تھا کہ اب اس کے ہم عقیدہ لوگ اس کی پیروی سے باز آ جائیں گے لیکن اس کے برعکس وہ سب کے سب اور مشتعل ہو گئے اور بادشاہ کے اس حد سے

بڑھے ہوئے ظلم وستم کے خلاف احتجاج کرنے لگے تو اس نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ایک لمبی خندق کھودیں اور اس میں لکڑیاں بھر کر انہیں جلائیں اور جب وہ لکڑیاں جل کر انگاروں کی طرح دہکنے لگیں تو ان سرکش لوگوں کو جو اپنے پرانے دین سے پھر گئے ہیں اس خندق میں جھونک دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ کے اس حکم کی تعمیل میں ایسے تمام لوگوں کو اس آتشیں خندق میں جھونک دیا گیا جب کہ دوسرے لوگ اس خندق کے کنارے بیٹھے ان حق پرستوں کے نذرآتش ہونے کا تماشہ دیکھتے رہے حالانکہ بادشاہ کے حکم سے ان نذرآتش ہونے والوں میں ایک عورت اور اس کا شیرخوار بچہ بھی تھا لیکن اپنے دوسرے ساتھیوں اور اپنے اس معصوم بچے کے ساتھ انہی کی طرح اس نے بھی خدا کے نام پر ہنستے ہوئے اپنی جان اسی جان آفریں کے سپرد کر دی۔

خدا کے نام پر ان اصحاب الاخدود یعنی خندق میں جل کر جان دینے والوں کا یہ قصہ جو کافروں کے لیے عبرت اور اہل ایمان کے لیے نصیحت ہے اب تک مشہور چلا آ رہا ہے۔

باب ٤

بنی اسرائیل کی خبریں اور ان کی باتیں بیان کرنے کے بارے میں اجازت کا ذکر

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل ہیں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار اہل کتاب کی روایات پر گفتگو فرمائی بلکہ قریباً سوراتیں ایسی بھی گزریں کہ آپؐ نے رات سے صبح ہونے تک ان کی روایات پر طویل گفتگو فرمائی لیکن ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے ان روایات پر گفتگو کے دوران میں نماز کی عظمت کے علاوہ کسی اور بات کا ذکر فرمایا ہو۔

انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمایا کہ اہل کتاب کی روایات کا ذکر کرنے میں کوئی ہرج نہیں لیکن اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان روایات کی تکذیب یا تصدیق نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ ایک روایت کے مطابق آپؐ نے ایک بار یہ بھی فرمایا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ ید بیضا کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ اس کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔ تاہم آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام آپ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کی اتباع کرتے۔ اس کے ساتھ آپؐ نے متعدد ثقہ راویوں کے مطابق یہ بھی فرمایا کہ آپ سے کوئی ایسی حدیث منسوب نہ کی جائے کہ قرآن کے عین مطابق نہ ہو نہ اس سے متعارض ہو۔

یہ حدیث نبوی بھی متعدد ثقہ راویوں سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ آپؐ کا کوئی ارشاد خواہ وہ صرف ایک حرف یا ایک آیت کے برابر الفاظ پر مشتمل ہو دوسروں تک ضرور پہنچایا جائے (بلغ منی و لو کان حرفًا او آیة) لیکن متعدد صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص آپ سے کوئی موضوع یعنی من گھڑت بات (یا عمل) منسوب کرے گا تو قیامت میں اس کی مقعد کی طرف سے آگ بھری جائے گی۔

ان جملہ احادیث نبوی کے راوی فرداً فرداً یہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرموداتِ مبارکہ کا واحد مقصد یہ تھا کہ جس طرح اہل کتاب یعنی بنی اسرائیل کی روایات اکثر من گھڑت باتوں پر مشتمل ہیں اس طرح کہیں آپ کی احادیث شریفہ میں بھی خدانخواستہ من گھڑت روایات شامل نہ ہو جائیں جب کہ یہ بات آپؐ کے علم میں تھی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے انبیاء کے بارے میں جو عجیب و غریب روایات پیش کی ہیں وہ تو ایک طرف رہیں انہوں نے توریت و انجیل میں بھی تحریفات کرنے یا ان میں اپنے مفید مطلب باتوں کا اضافہ کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی اور یہ بات اب تحقق ہو چکی ہے جس کی توریت و انجیل کا کوئی بڑے سے بڑا عالم تردید نہیں کر سکتا۔

روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اہل کتاب کی روایات پر مشتمل کوئی کتاب لائے تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم ان روایات کو کلی طور پر درست سمجھ کر ان کی تصدیق کر سکتے ہو؟ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب واضح ہے۔

کعب الاحبار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہو چکے تھے انہیں اسرائیلات کی بہت سی روایات سنایا کرتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی دل شکنی نہ کرنے یا ان کے پاس خاطر سے انہیں سن کر ان کی تکذیب تو نہیں کرتے تھے لیکن انہوں نے ان میں سے جیسا کہ مختلف مستند روایات سے ثابت ہے' کسی ایک کی بھی تصدیق نہیں کرتے تھے اور ان کا یہ رویہ آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے عین مطابق تھا جس کا ذکر سطور بالا میں آ چکا ہے۔

خود کعب الاحبار کے بارے میں یہ دلچسپ روایت مشہور ہے کہ جس زمانے میں معاویہ مکے سے ہجرت کرنے کے بعد وہاں کے واقعات اہل مدینہ کو سنایا کرتے تھے تو انہیں سن کر وہ یعنی کعب الاحبار دوسروں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لیے بغیر کہا کرتے تھے' کہ بنی اسرائیل کا کوئی راوی اگر ایسی باتیں بنی اسرائیل کو سناتا تو وہ ان کی تصدیق کیے بغیر انہیں قابل اعتبار نہ سمجھتے جب کہ خود اسرائیلیات میں ایسی باتیں کثرت سے شامل ہیں جن کی قیمت اس روشنائی کے برابر بھی نہیں ہے جن سے وہ لکھی گئی ہیں تو ہم ان میں سے کسی ایک کی تصدیق بھی کیسے کر سکتے ہیں جب تک اس کے سچ ہونے کی تحقیقی شہادت ہمارے سامنے نہ ہو۔

امام بخاریؒ زہری کی زبانی عبید اللہ بن عبد اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے کہا کہ اہل کتاب قرآن مجید کے بارے میں جو ہمارے نبی رسول عربی ﷺ پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی کوئی سوال کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں جب کہ انہوں نے خود انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ کتابوں میں بے انتہا تحریفات کر لی ہیں یا اپنی طرف سے بعض کتابیں لکھ کر انہیں آسمانی کتابیں کہنے لگے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا کہ اہل کتاب قرآن مجید اگر پڑھتے بھی ہیں تو صرف پڑھنے کی حد تک اور وہ اسے سمجھتے بالکل نہیں۔ لہٰذا وہ ہم سے اس کے بارے میں کوئی سوال کس طرح کر سکتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آخر میں لوگوں سے یہ بھی کہا کہ اگر انہیں بنی اسرائیل کے زمانے کی کوئی بات معلوم کرنا ہو تو ان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب کم سے کم قیمت میں خریدنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ممکن ہے اس سے انہیں وہ بات معلوم ہو جائے لیکن بہر حال اس کی تصدیق ان کے لیے قریباً ناممکن ہوگی۔

ابن جریر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھا کرو کیونکہ وہ یا تو اس کے بارے میں تمہیں صحیح بات بتائیں گے ہی نہیں یعنی اگر وہ بات جو اس چیز کے بارے میں مشہور ہے صحیح بھی ہے تو وہ اسے غلط بتائیں گے اور اگر غلط ہے تو اس کے صحیح ہونے کی تصدیق کر دیں گے۔ واللہ اعلم

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار بندہ خدا جریج کا قصہ

امام احمدؒ بیان فرماتے ہیں کہ انہیں وہب بن جریر نے بتایا کہ انہیں یعنی وہب بن جریر کو ان کے والد نے محمد بن سیرین سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے سن کر سنایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین (نومولود) بچوں کے سوا دنیا میں کسی (نومولود) نے گہوارے میں گفتگو نہیں کی۔ ان میں سے ایک عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تھے۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بقول آنحضرت ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار شخص جریج کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے اور انتہائی عبادت گزار شخص تھے انہوں نے ایک صومعہ (عبادت خانہ) بنایا تھا اور اسی میں شب و روز خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک فطرتاً حاسد شخص ان سے جلنے لگا اور اس نے بنی اسرائیل کے دوسرے لوگوں سے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ جریج کو فریب کار و گنہگار ثابت کر سکتا ہے۔ وہ لوگ بولے کہ ہاں ہم یہی چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے اس کی یہ ترکیب نکالی کہ ایک چرواہی کو جو دن بھر اپنی بکریاں جنگل میں چرا کر شام کو انہیں لے کر جریج کی عبادت گاہ کی دیوار کے پاس آ جاتی اور رات کو وہیں سوتی بھی تھی بہکایا۔ وہ چرواہی حمل سے تھی اور اس کے بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ جب اس چرواہی کے بچہ پیدا ہوا تو اس حاسد اور فتنہ پرداز شخص نے بنی اسرائیل کے لوگوں سے جا کر کہا کہ چلو چل کر جریج کے کرتوت دیکھو لو چنانچہ وہ لوگ جمع ہو کر جریج کے صومعہ کی دیوار کے نیچے پہنچے اور اس چرواہی سے جس کا کوئی شوہر نہیں تھا پوچھا کہ بتا یہ بچہ کس کا ہے۔ چرواہی نے جسے اس شخص نے بہکایا اور سکھایا پڑھایا تھا کہا کہ یہ بچہ جریج کا ہے۔

اس عورت کی زبان سے یہ سن کر ان لوگوں نے جریج کو نہ صرف برا بھلا کہا بلکہ گالیاں تک دیں اور ان کا صومعہ بھی منہدم کر دیا۔

ادھر جریج کا عبادت میں یہ حال تھا کہ ان کی ماں کئی بار ان سے گفتگو کرنے صومعہ میں آ چکی تھی اور بار بار انہیں پکار کر کہتی تھی کہ جریج میری طرف دیکھو میں تمہاری ماں ہوں لیکن وہ سوچتے کہ ماں اور عبادت دونوں میں سے کس کا انتخاب کریں اور آخر کار عبادت کو ترجیح دے کر اسی میں مشغول رہتے اور ماں کو کوئی جواب نہ دیتے لیکن جب ان پر زنا کاری کا الزام لگایا گیا اور یہ افترا پردازی کی گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو اپنی قدرت سے میرے دامن سے لوگوں کے لگائے ہوئے اس غلط الزام کے داغ کو دھو دے اور جب انہیں کشف کے ذریعہ معلوم ہوا کہ رب العزت نے ان کی دعا قبول فرمالی ہے تو انہوں نے انہی لوگوں سے کہا کہ وہ اس بچے ہی سے کیوں نہ پوچھ لیں کہ اس کا باپ کون ہے۔

جریج سے یہ سن کر پہلے تو وہ لوگ ہنسنے اور ان کا مضحکہ اڑانے لگے لیکن ان کے اصرار پر انہوں نے اس نومولود بچے سے کہا کہ وہ بتائے کہ اس کا اصلی باپ کون ہے تو اس بچے نے بحکم خداوند تعالیٰ فوراً جواب دیا کہ فلاں چرواہا۔

اس نومولود بچے کو گہوارے میں بولتے دیکھ کر وہ لوگ حیران رہ گئے اور جریج سے معافی مانگ کر کہنے لگے کہ وہ ان کا صومعہ سونے کی اینٹوں سے بنوا دیں گے اور بہت سا زر و مال بھی دیں گے۔

ان لوگوں سے یہ سن کر جریج بولے کہ ان کا مٹی سے بنایا ہوا کچا صومعہ ہی ان کے لیے کافی تھا۔ اس کے علاوہ وہ کسی دوسری چیز کے پہلے خواہش مند تھے اور نہ اب ہیں۔ (حدیث نبوی کا مفہومی و توضیحی ترجمہ)

اس حدیث مبارکہ کو مختلف ثقہ راویوں نے جن میں کئی محدثین بھی شامل ہیں یہ اسناد روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جن تین نومولود بچوں کی گہوارے میں گفتگو کرنے کا ذکر فرمایا ان میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے اس جریج نامی شخص کی حمایت میں اس چرواہی کے نومولود بچے کی گفتگو کے علاوہ اس نومولود بچے کا بھی ذکر فرمایا تھا جس نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام پر لگائے ہوئے غلط الزام کی گہوارے میں گفتگو کرتے ہوئے مدلل تردید کی تھی اور انہیں پاک دامن ثابت کیا تھا۔

اکثر مستند راویوں نے اس آخر الذکر بچے کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ آل فرعون کے ایک شخص کا بچہ تھا جو بعد میں ابن ماشطہ کے نام سے مشہور ہوا۔ واللہ اعلم

قصہ برصیصا

یہ قصہ راہب جریج کے قصے کے بالکل برعکس ہے کیونکہ راہب جریج کا جو قصہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس میں جریج بے گناہ ثابت ہوئے لیکن اس قصے میں جس راہب کا ذکر ہے وہ درحقیقت مجرم تھا۔

اس قصے کو ابن جریر نے یحییٰ بن ابراہیم المسعودی وغیرہ کی زبانی اور اعمش' عمارہ' عبدالرحمٰن بن یزید اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مذکورہ بالا حضرات نے یہ قصہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا جنہوں نے قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کے ضمن میں یہ قصہ بیان کیا۔ وہ آیت قرآنی درج ذیل ہے:

''منافقوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں مجھ کو تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں (داخل ہوئے) ہمیشہ اس میں رہیں گے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے''۔(۵۹:۱۶۔۱۷)

ابن مسعود جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا' اس آیہ شریفہ کی جو ان آیاتِ قرآنی کی پہلی آیت ہے تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک عورت جو بکریاں چرایا کرتی تھی اس کی چار بہنیں تھیں لیکن وہ نہ جانے کیوں شام کو اپنی بکریاں لے کر ایک صومعہ (عبادت خانہ) کے زیر دیوار آ جاتی اور وہیں تنہا سو رہتی تھی۔

پھر ایک رات کو ایسا ہوا کہ اس صومعہ کے راہب کو شیطان مردود نے بہکایا اور گناہ کی ترغیب دی تو اس نے اس چرواہی کو تنہا سوتا پا کر اس کے ساتھ زنا کیا لیکن جب وہ حاملہ ہو گئی تو اس نے بدنامی کے خوف سے اس چرواہی کو قتل کر دیا۔

چونکہ اس بستی کے لوگوں کو ان جرائم کا شبہ زیادہ تر اس راہب ہی پر ہوا اس لیے انہوں نے اسے پکڑ کر حاکم وقت کے سامنے پیش کر دیا۔ تاہم اس حاکم نے اس راہب کو شک کا فائدہ دیتے ہوئے بری کر دیا لیکن اس دوران میں اس چرواہی کی چاروں بہنوں کے علاوہ اس بستی کے ایک اور شخص نے بھی راہب کو خواب میں اس چرواہی کے ساتھ زنا کرتے اور اسے قتل کرتے دیکھا تو انہوں نے اپنے اپنے اس خواب کو سچا جان کر حاکم کے پاس جا کر اس کے خلاف گواہی دے دی۔

بہر حال چونکہ خواب تو خواب ہی تھا اس لیے حاکم پہلے تو تذبذب میں رہا لیکن جب راہب پر زور ڈالا گیا بلکہ تشدد بھی کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا تو اسے حاکم کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی میں منافقین اور شیطان لعین کے کرتوتوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے انجام سے دوسرے بندگانِ خدا کو آگاہ فرمایا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی تفسیر کرتے ہوئے بطورِ مثال ایک راہب کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ دونوں درحقیقت مجرمین کے لیے عبرت اور مومنین کے لیے نصیحت ہیں۔

ان تین آدمیوں کا قصہ جو ایک غار میں پھنس کر رہ گئے تھے

اس قصے کو بخاریؒ کے علاوہ متعدد دوسرے راویوں نے بہ اسناد آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ تین شخص اپنی بستی سے نکل کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں پہاڑی علاقے میں طوفانی بارش سے دو چار ہونا پڑا جس سے بچنے کے لیے وہ قریب کے ایک پہاڑی غار کے سامنے پہنچے تاکہ اس میں بیٹھ کر بارش رکنے کا انتظار کر لیں لیکن اس غار کا دہانہ بہت تنگ تھا۔ بہر حال انہوں نے اس کے اندر جانے کی کوشش کی اور پنجوں کے بل چل کر کسی طرح نہ کسی طرح اس کے اندر جا پہنچے مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ تیز بارش کی وجہ سے اس غار کے اوپر سے ایک بھاری سل پھسل کر اس کے منہ پر آ گئی جس سے وہ چھوٹا سا دہانہ بھی بند ہو گیا۔

یہ دیکھ کر وہ بہت گھبرائے لیکن ان تینوں کے مل کر زور لگانے سے بھی وہ بھاری سل ذرا سی بھی اِدھر اُدھر نہ کھسک سکی۔

آخر تنگ آ کر وہ آپس میں کہنے لگے کہ ان میں سے جس نے کسی گناہ کے ارتکاب سے صرف خدا کے خوف کی وجہ سے گریز کیا ہو تو وہ اس کا سچ سچ قصہ بیان کرے تاکہ خدا اپنی رحمت سے انہیں اس مصیبت سے نجات دے دے۔

چنانچہ وہ تینوں اپنا اپنا ایک ایک قصہ سنانے پر آمادہ ہو گئے اور پہلے شخص نے وہ قصہ یوں سنایا کہ اس کا بوڑھا باپ بہت کمزور تھا جسے دودھ کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے موقع پا کر ایک گائے پکڑی اور اسے اپنے گھر لا کر باندھ لیا تاکہ وہ اس کا دودھ روزانہ اپنے باپ کو پلایا کرے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ یہ تو بہت بڑا گناہ ہو گا اور اس نے خدا کے خوف سے وہ گائے چھوڑ دی اور دل میں سوچا کہ اس کا بوڑھا کمزور باپ جئے یا مرے لیکن وہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

اس پہلے شخص نے ابھی اپنا یہ قصہ ختم ہی کیا تھا کہ خدا کی قدرت سے وہ سل اس غار کے منہ سے تھوڑی سی کھسک گئی۔

یاد رہے کہ ان تینوں شخصوں نے الگ الگ خدا سے فریاد کی تھی اور یہ دعا کی تھی کہ اگر اس نے اس کے خوف سے کسی گناہ سے پرہیز کیا ہو تو وہ اس کا سچا قصہ بیان کرے گا اور اگر اس کا وہ قصہ سچا ہو تو وہ اس بلا کو اس کے سر سے ٹال دے اور جب وہ سل غار کے منہ سے کسی قدر سرکی تو اس نے خوش ہو کر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ساتھیوں سے بولا کہ اب وہ باری باری سے اپنا کوئی ایسا ہی سچا قصہ بیان کریں۔

دوسرے شخص نے کہا کہ وہ ایک زمانے میں اتنا تنگدست تھا کہ اسے اہل وعیال کے لیے غلے کا ایک دانہ بھی کہیں سے نہیں لا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ اپنے پڑوس کی کھیتی پر کیوں نہ قبضہ کر لے اور وہ ایسا کر سکتا تھا کیونکہ اس کا جواز اس کی مجبوری تھی لیکن اس نے اسے گناہ سمجھ کر صرف خدا کے خوف سے اس گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔

اس دوسرے شخص نے جب اپنا یہ قصہ ختم کیا تو وہ پہاڑی سل اس غار کے دہانے سے تھوڑی اور سرک گئی۔

اس کے بعد تیسرا شخص اپنا قصہ شروع کرتے ہوئے بولا کہ وہ بھی کسی زمانے میں اتنا غریب تھا کہ اسے اور اس کے بیوی بچوں کو دو وقت کا معمولی سا کھانا بھی میسر نہ تھا۔ ایک دن اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ دوسروں کے گھروں میں چوریاں کر کے اپنے بال بچوں کی روزی کا ٹھکانہ کرے اور اسی نیت سے وہ ایک رات کو ایک شخص کے گھر میں گھسا جہاں اسے ایک جگہ سو دینار رکھے ہوئے مل گئے۔

لیکن خدا کے خوف نے اسے اس گناہ کے ارتکاب سے باز رکھا اور وہ وہاں سے خالی ہاتھ واپس آ گیا اور اس نے اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو خدا کے حوالے کر دیا کہ وہ انہیں روزی دے یا نہ دے اسے اختیار ہے۔

اس تیسرے آدمی نے جب اپنا قصہ ختم کیا تو وہ پہاڑی سل اس غار کے منہ سے بالکل ہٹ گئی اور تینوں پہلے کی طرح رینگتے ہوئے اس غار سے جو ان کے خیال میں زندگی ہی میں ان تینوں کی قبر بن چکا تھا خوش خوش باہر نکل آئے اور اس کا شکر ادا کرنے لگے۔

حدیث نبوی میں وارد اس روایت کو امام احمدؒ، نعمان بن بشیر، ابی اسحٰق نے بھی کہیں مختصر کر کے بیان کیا ہے جب کہ بزار نے اسے اپنی مسند میں ابی حنش کی زبانی اور علی ابن ابی طالب کے حوالے سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

ایک نابینا ایک مبروص اور ایک گنجے کا قصہ

روایت ہے کہ کسی جگہ ایک نابینا' ایک مبروص یعنی جسم پر سفید داغوں کے مرض میں مبتلا اور ایک گنجا رہتے تھے۔

ان تینوں کی آزمائش کے لیے اللہ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا تا کہ وہ ان سے ان کی خواہش معلوم کرے۔

وہ فرشتہ پہلے اس نابینا کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ نابینا نے اپنی بصارت کے علاوہ زر و مال کی خواہش ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس بکریوں کے ریوڑ ہوں تو؟ اس فرشتے نے اس کی دونوں خواہشیں پوری کر دیں۔

پھر وہ فرشتہ اس مبروص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ مبروص بولا کہ اس کی خواہش ہے کہ اس کا وہ مرض دور ہونے کے علاوہ اسے چمکتا دمکتا رنگ اور خوب صورتی اور ایک اونٹ مل جائے تا کہ وہ اس پر سواری کر سکے۔ چنانچہ اس فرشتے نے خدا کے حکم سے اس مبروص کی خواہش بھی پوری کر دی۔

آخر میں وہ فرشتہ اس گنجے کے پاس گیا اور اس سے اس کی خواہش پوچھی تو وہ بولا کہ وہ چاہتا ہے کہ اسے گنجے پن سے نجات حاصل ہونے کے علاوہ اسے شعر گوئی میں مہارت حاصل ہو جائے تا کہ وہ اپنی حسب منشا خوب صورت شعر کہہ سکے اس فرشتے نے خدا کے حکم سے اس گنجے کی دونوں خواہشیں پوری کر دیں۔

اس کے بعد اس فرشتے کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ وہ ان تینوں کے پاس دوسری شکل میں جائے اور یکے بعد دیگرے ان سے پہلے کی طرح ان کی خواہشات دریافت کرے۔

چنانچہ وہ فرشتہ خدا کے حکم کے مطابق دوسری شکل میں باری باری سے ان کے پاس گیا اور ان سے ان کی خواہشات پوچھیں۔

پہلے وہ اس نابینا کے پاس گیا اور اس سے اس کی خواہش دریافت کی تو وہ بولا کہ مجھے میری بصارت تو ایک دوسرے شخص نے لوٹا دی ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ میرے پاس اتنا زر و مال ہے اور نہ بکریوں کے اتنے ریوڑ جتنے میں چاہتا ہوں کیونکہ دوسروں کے پاس مجھ سے کہیں زیادہ دولت ہے اور ان کے پاس بکریوں کے ریوڑ بھی مجھ سے بہت زیادہ ہیں' میں چاہتا ہوں کہ مجھے دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ یہ چیزیں مل جائیں۔

جب وہ اس مبروص کے پاس پہنچا تو وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا اور اس کی سنہری رنگت کے علاوہ اس کا خوب صورت چہرہ دمک رہا تھا۔ فرشتے نے اس اس سے اس کی خواہش پوچھی تو وہ بولا کہ آپ سے پہلے میرے پاس ایک شخص آیا تھا اور اس نے مجھ سے میری خواہش پوچھی تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ میری خواہش ہے کہ میرا برص کا مرض دور ہو جائے' میری رنگت

بدل کر سنہری ہو جائے اور میرا چہرہ خوبصورت ہو جائے۔ اس شخص نے میری پہلی دو خواہشیں تو پوری کر دیں لیکن مجھے میرا مانگا ہوا صرف ایک اونٹ دیا جس پر میں اس وقت سوار ہوں لیکن آپ ہی سوچیے کہ اس ایک اونٹ سے بھلا کیا ہوتا ہے جب کہ دوسروں کے پاس اونٹوں کے ریوڑ کے ریوڑ ہیں' میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس ان سے کہیں زیادہ اونٹ ہو جائیں۔

آخر میں وہ فرشتہ جیسا کہ اسے خدا کی طرف سے حکم ملا تھا' اس گنجے کی طرف گیا اور اس سے اس کا حال پوچھ کر اس کی خواہش پوچھی تو وہ گنجا جس کے سر پر خوب صورت بال اگ آئے تھے اور وہ اپنی دھن میں اپنے شعر بڑی سریلی آواز میں جھوم جھوم کر گا رہا تھا بولا کہ بھئی مجھے اور کیا چاہیے جب کہ خدا نے میری خواہش کے مطابق تمہارے ہی جیسے ایک بھلے شخص کے ذریعہ جو انسان کی شکل میں شاید کوئی فرشتہ تھا میرا گنجا پن دور کر کے مجھے اپنے فضل و کرم سے یہ خوب صورت بال عطا فرمائے اور اس کے علاوہ میری حسب خواہش شاعری میں مہارت اور یہ خوش گلوئی بخشی' اس کی ان بخششوں پر میں اس کا جس قدر شکر ادا کروں تھوڑا ہے۔

اس کے بعد وہ گنجا بولا کہ آپ کی طرف سے پرسش حال اور میری خواہش پوچھنے کا شکریہ۔ جایئے مجھے اس سے زیادہ اب کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

اس روایت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ ان پہلے دو اشخاص یعنی اس نابینا اور اس مبروص کو خدا نے ان کی ناشکرگزاری اور حد سے زیادہ حرص و ہوس کی وجہ سے سزا کے طور پر ان کی پہلی حالت پر لوٹا دیا جب کہ اس گنجے کی شکرگزاری اور قناعت پسندی کی بنا پر اسے پہلے سے زیادہ دولت و ثروت اور عزت سے نواز دیا اور پہلے سے کہیں زیادہ سرفرازی کے قابل بنا دیا نیز اس فرشتے کے ذریعہ اس سے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی ان صفات پر جن کی اس نے آزمائش کی تھی اس سے خوش ہو گیا ہے۔

امام بخاریؒ نے یہ روایت بھی بنی اسرائیل کے متعدد دوسرے قصوں کے ساتھ بیان کی ہے۔ بنی اسرائیل کے بہت سے دوسرے قصے کتابوں میں لکھے گئے ہیں لیکن ہم نے بخوف طوالت یہاں انہیں بیان کرتے ہوئے دانستہ گریز کیا ہے۔

اہل کتاب کی تحریفات اور اپنے مذہب میں ان کے ردوبدل کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے توسط سے یہودیوں پر توریت نازل کی اور جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے وہ ان کے بعد بھی کچھ عرصے تک ان کے (یہودیوں کے) پاس اپنی اصلی حالت میں رہی بھی' اور وہ اسی کے مطابق کچھ دنوں اس کے احکام پر نہ صرف دوسرے سے عمل کرواتے رہے بلکہ خود بھی ان احکام پر عمل کرتے رہے لیکن پھر انہوں نے اس میں تحریفات اور تبدیلیاں شروع کر دیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا' وہ اس کے الفاظ کو اپنی طرف سے اور اپنے حسب منشا کچھ سے کچھ معنی پہنانے یا ان میں تاویلیں کرنے لگے مثلاً انہوں نے لفظ ''رجم'' کو 'جلد' اور تحمیم سے بدل دیا یا لفظ ''رجم'' تو رہنے دیا لیکن اس کا مطلب اپنے حسب منشا بنا لیا یعنی اگر کوئی شریف اور معزز شخص زنا یا ایسے ہی کسی دوسرے عمل قبیح کا مرتکب ہو تو اس پر شرعی حد جاری کرنے کے بجائے جس کا حکم توریت میں تھا اس میں ردوبدل کر کے یہ کر لیا کہ اسے سزا نہ دی جائے لیکن اگر کوئی غریب اس کا مرتکب ہو تو اسے حکم توریت کے مطابق سزا دی جائے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی طرف سے یہ بھی کر لیا کہ اگر کوئی غریب آدمی چوری کا مرتکب ہو تو اسے شرعی سزا دی جائے لیکن اگر کوئی دولت مند اور شریف شخص اس جرم کا مرتکب ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اگر یہودی اپنی من گھڑت باتوں کے بارے میں یہ اصرار کریں کہ یہ احکام توریت میں ہیں تو ان سے توریت لانے کو کہاں جائے اور انہیں حکم دیا جائے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے توریت سے ثابت کریں۔

''جہاں تک توریت میں زنا کی سزا ''رجم'' (سنگساری) کا تعلق ہے اس کے بارے میں ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما اور صحیح مسلم میں البراء بن عازب اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے اور سنن ابوداؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے درج ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کے بارے میں ارتکاب زنا کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ان دونوں کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا اور جب ان دونوں کو آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ توریت میں اس جرم کی کیا سزا ہے اور اس کے ساتھ ہی توریت لانے کا بھی حکم دیا تو انہوں نے اس جرم کے بارے میں توریت کی متعلقہ آیت تو پڑھی لیکن اس جرم کی سزا ''رجم'' کو نہ پڑھا تو آپؐ نے عبداللہ بن صورکو توریت دے کر فرمایا کہ وہ اس آیت کو ان مجرموں کے سامنے زور سے پڑھیں انہوں نے جب توریت کی اس آیت کو بلند آواز سے پڑھا تو اس میں اس جرم کی سزا ''رجم'' ہی نکلی جوان دونوں مجرموں میں سے مرد نے دانستہ پڑھنے سے چھوڑ دی تھی۔ اس پر آپؐ اس سے فرمایا کہ

''اے یک چشم تو نے دیکھا کہ توریت میں اس جرم کی سزا لکھی ہے' اب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا''۔ اس کے بعد آپؐ نے ان دونوں کو ''رجم'' یعنی سنگساری کی سزا کا حکم دیا اور فرمایا ''یا اللہ تیرے جس حکم کو انہوں نے مردہ کر رکھا تھا میں نے اسے ازسرنو زندہ کر دیا ہے''۔

تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ توریت کو بخت نے تلف کر دیا تھا یعنی اس کے سارے نسخے جلوا دیئے تھے لیکن وہ اس کے بعد بھی انبیائے معصومین میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام اسی کے مطابق عمل کرتے رہے اور اسی احکام پر چلنے کی لوگوں کو ہدایت کرتے رہے لیکن آنحضرت ﷺ کے زمانے تک اس میں بے شمار تحریفات ہو چکی تھیں اور جب یہودیوں سے ان احکام پر عمل کرنے کو کہا جاتا تھا تو وہ تحریف شدہ توریت پر عمل کرنے پر اصرار کرتے تھے جس میں ردوبدل کے بعد یہ درج کر دیا گیا تھا کہ سزائیں صرف غریبوں کو دی جائیں اور معزز و مالدار لوگوں کو چھوڑ دیا جائے۔

تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے اور یہی اکثر مستند روایات میں پایا جاتا ہے کہ وہی سلوک نصاریٰ نے بھی انجیل مقدس کے ساتھ کیا جو اس سے قبل یہودی توریت کے ساتھ کر چکے تھے۔

حنفی علماء توریت یا انجیل کو بے طہارت چھونے کو ممنوع قرار دیتے ہیں لیکن دوسرے مسالک کے علماء کہتے ہیں کہ چونکہ ان دونوں آسمانی کتابوں کے متون اب قریباً سب کے سب تحریف شدہ ہیں اور ان میں اس قدر ردوبدل کیا گیا ہے کہ اب اصل و نقل میں فرق کرنا ناممکن ہے اس لیے اب انہیں بے طہارت بھی چھونے میں کوئی حرج نہیں۔

ذکراخبار العرب

کہا جاتا ہے کہ تمام اہل عرب حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں لیکن جیسا کہ مشہور ہے اور ہم بھی پہلے بتا چکے ہیں کہ عربی الاصل قوموں میں عاد و ثمود' طسم وعمیم' جدیس و جرہم اور عمالیق سب کے سب عربی الاصل یا عرب العاربہ تھے۔ اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل اور ان کے زمانے میں کتنی قومیں عربی الاصل تھیں ان کی تعداد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ البتہ عرب المستعاربہ یعنی جو قومیں کہیں اور سے آ کر حجاز میں آباد ہوئیں وہ یقیناً تمام کی تمام اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہیں۔

اس کے علاوہ یمنی عرب جو حمیری کہلاتے ہیں اور انہیں قحطانی بھی کہا جاتا ہے جب کہ قحطان کا نام ابن ماکولا نے فہرم بتایا ہے اور کئی دوسروں کے علاوہ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ چار بھائی تھے جو قحطان وقاط اور مقحط وفالغ کے نام سے مشہور تھے جب کہ قحطان کو قحطان بن ہود بھی کہا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے قحطان ہی ہود تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ہود کا بھائی تھا اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ہود کی اولاد میں سے تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قحطان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھا اور ابن اسحق وغیرہ نے اس کا نام قحطان بن تیمن بن قیذر بن اسماعیل بتایا ہے جب کہ کچھ اور لوگ قحطان کا سلسلہ نسب اسماعیل علیہ السلام تک دوسرے ناموں سے پہنچاتے ہیں۔ واللہ اعلم

امام بخاریؒ نے بھی یہی بتایا ہے۔ وہ صحیح بخاری میں عنوان ''نسبۃ الیمن الی اسمٰعیل علیہ السلام'' کے تحت فرماتے ہیں کہ ان سے مسدد اور یحییٰ نے یزید بن عبید کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کی طرف تشریف لے گئے جو مسلمان تو ہو چکی تھی لیکن اس کے مختلف لوگوں میں کسی بات پر تلواریں نکل آئی تھیں۔ وہاں پہنچ کر آپ نے حکم دیا کہ بنی اسماعیل پر تیر چلاؤ اور میں فلاں گروہ کے ساتھ ہوں جو فریقین میں سے ایک ہے۔ آپ کے اس حکم کے باوجود کچھ لوگوں کو آل اسماعیل پر تیراندازی کرنے میں تامل ہوا تو آپؐ نے اس کا سبب پوچھا وہ لوگ بولے کہ جب آپ انہی کے ساتھ ہیں تو ہم ان پر تیراندازی کیسے کر سکتے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں (تو) تم سب کے ساتھ ہوں۔

بخاریؒ کہتے ہیں کہ اسلم بن افصیٰ بن حارثہ بن عمرو بن عامر قوم خزاعہ میں سے تھے اور خزاعہ وہ فرقہ تھا جس میں تمزق بھی شامل تھا جو اس وقت قبائل سبا میں تھا جب قوم ارم پر سیلاب کا عذاب نازل ہوا تھا جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے لیکن یہاں یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ قبائل اوس و خزرج بھی یمنی عرب تھے جن کا سلسلہ نسب اسماعیل علیہ السلام سے جوڑنا بظاہر بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی اسماعیل پر یا بنی اسماعیل کو یمن کے کسی گروہ پر تیراندازی کا حکم دینے کے بعد یہ فرمانا کہ میں تم سب کے ساتھ ہوں یا تم سب میں سے ہوں یہ ثابت کرتا ہے کہ یمن کے عربوں کا سلسلہ نسب اسماعیل علیہ السلام سے ملانا

درحقیقت بعید از قیاس نہیں ہے۔

جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ قحطانی عرب ہی درحقیقت یمنی عرب ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے عربوں کا سلسلہ نسب اسماعیل علیہ السلام سے جوڑنا صحیح نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سارے عرب دو قبیلوں یعنی قحطانی و عدنانی قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور باقی سارے قبائل انہی کی شاخیں ہیں۔

محمد بن سلام بصری کہتے ہیں کہ نسب کے لحاظ سے اہل عرب کی تین قسمیں قحطانی' عدنانی اور قضاعی ہیں۔

روایت ہے کہ کسی شخص نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہم بنی معد میں سے ہیں تو آپؐ نے فرمایا نہیں تم بنی قضاعہ میں سے ہو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل عرب ہمیشہ اپنے نسب کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں (یعنی بنی آدم کو) مذکر و مؤنث پیدا کیا ہے اور تمہیں سعوب قبائل میں تمہاری پہچان کے لیے تقسیم کر دیا ہے لیکن اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

علمائے انساب کہتے ہیں کہ شعوب وقبائل کی تقسیم یہ ہے کہ پہلے شعوب ہیں' پھر قبائل' پھر عمائر' پھر بطون' پھر افخاذ' پھر فصائل اور آخر میں عشائر آتے ہیں یعنی عشیرہ کی ہر شخص سے قریبی نسبت ہوتی ہے اور اس سے زیادہ قریبی رشتہ کوئی نہیں ہوتا۔

ہم ان شاء اللہ پہلے قحطانی عربوں کا ذکر کریں گے اور پھر عدنانیوں کا جو حجاز سے تعلق رکھتے ہیں اور زمانہ جاہلیت میں یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا قریب سے مطالعہ کیا تھا۔

قصہ سبا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سبا کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''(اہل) سبا کے لیے ان کے مقام بود و باش میں ایک نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) داہنی طرف اور (ایک) بائیں طرف۔ اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے غفار۔ تو انہوں نے (شکر گزاری سے) منہ پھیر لیا پس ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیئے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی۔ اور ہم سزا ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں' اور ہم نے ان کے اور (شام کی) ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے کے متصل) دیہات بنا دیئے تھے جو سامنے نظر آتے تھے۔ اور ان میں آمد و رفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا کہ رات دن بے خوف و خطر چلتے رہو تو انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار ہماری مسافتوں میں بعد (اور طول پیدا) کر دے اور (اس نے) انہوں نے اپنے حق میں ظلم کیا تو ہم نے (انہیں نابود کر کے) ان کے افسانے بنا دیئے اور انہیں بالکل منتشر کر دیا۔ اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں''۔ (۳۴:۱۵۔۱۹)

علمائے انساب جن میں ابن اسحٰق شامل ہیں کہتے ہیں کہ وہ سرزمین عرب کا پہلا علاقہ تھا جو اس سے علیحدہ ہو گیا تھا اور اسی لیے اس کا نام سبا پڑا تھا یعنی دور جانے والا۔

جس شخص نے سب سے پہلے عرب سے علیحدگی اختیار کی تھی اسے بھی لوگ سبا کے نام سے پکارنے لگے تھے۔ ویسے اس کا نام عبد شمس بن یشجب بن قحطان تھا۔

اسے الرائش بھی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ اپنے ذاتی مال و متاع میں سے لوگوں کو بہت کچھ دیا کرتا تھا۔

سہیلی کہتے ہیں کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے تاج پہنا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں کچھ نعتیہ اشعار بھی کہے تھے۔ اس کا ذکر ابن دحیہ نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد البشیر النذیر'' میں کیا ہے۔

امام احمدؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ سبا کسی مرد کا نام تھا یا کسی عورت کا یا کسی خطہ ارضی کو سبا کہا جاتا تھا تو اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ سبا یمن میں ایک شخص تھا جس کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے چھ تو یمن میں مقیم رہے جن کے نام مذحج' کندہ' ازد' اشعری' انمار اور حمیر تھے اور ان دس میں سے باقی چار شام چلے گئے وہ لخم' جذام' عاملہ اور غسان کے ناموں سے مشہور تھے۔

ہم اپنی کتاب تفسیر میں بتا چکے ہیں کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کیا تھا اس کا نام فروہ بن مسیک غطیفی تھا اور اس حدیث کی روایت اسی سے منسوب ہے اور ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں وہی الفاظ لکھے ہیں جو اس حدیث نبوی کی روایت میں اس نے بیان کیے ہیں۔

محمد بن اسحٰق وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل سبا کی اصلاح وہدایت کے لیے یمن میں تیرہ نبی بھیجے لیکن السدی نے ان کی تعداد بارہ بتائی ہے۔

انہی روایات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب اہل سبا نے ان احکام اور ہدایات سے روگردانی کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کے ذریعے انہیں بھیجے تھے سورج کی پرستش شروع کردی اور انہوں نے اس شرک کا ارتکاب ملکہ سبا بلقیس سے قبل اور اس کے بعد بھی جاری رکھا تو اللہ جل شانہٗ نے ان پر وہ عذاب نازل فرمایا جو سیل ارم کے نام سے مشہور ہے اور جس کا ذکر قرآنِ مجید میں آیا ہے جسے ہم سطور بالا میں پیش کر چکے ہیں۔

سیل ارم کے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد بھی جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے اکثر اہل سبا وہیں رہ گئے تھے اور ان میں سے کچھ لوگ جن کے نام ہم مندرجہ بالا حدیث نبوی کے حوالے سے پہلے بتا چکے ہیں شام چلے گئے تھے اور کچھ دوسرے اِدھر اُدھر کے اور علاقوں میں منتشر ہوگئے تھے۔

سبا کے چھ بیٹے جن کے نام مندرجہ بالا حدیث نبوی کے حوالے سے پہلے بتائے جا چکے ہیں اور ان کے علاوہ یمن کے دوسرے قبائل ایک مدت تک وہاں رہے لیکن پھر حبشہ کے بادشاہ کے یمن پر قبضہ کے بعد وہ بھی جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا وہاں سے نکل کر عرب کے دوسرے علاقوں میں جا بسے۔

ان اِدھر اُدھر کے علاقوں میں بسنے والے قبائل میں سے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' دو قبیلے اوس وخزرج مدینے میں آ کر بس گئے تھے جسے ہجرت سے قبل یثرب کے نام سے پکارا جاتا تھا اور یہ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے بہت پہلے کا قصہ ہے۔

زمانہ اسلام میں جب یمن اہل اسلام کے زیر تسلط آیا اور وہاں کے کچھ لوگ مسلمان بھی ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے وہاں سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کو اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل علیہ السلام کو بھیجا تھا تاکہ وہاں اسلام کی مزید لوگوں کو دعوت دیں لیکن پھر اسود عنسی نے یمن پر قبضہ کر کے وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے ان نائبین کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاہم اسود عنسی کے قتل کے بعد یمن اور اس کا علاقہ سبا وغیرہ سب کے سب اہل اسلام کے زیر تسلط آ گئے تھے اور وہاں مکمل طور پر اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی اور یہ حکومت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قائم ہوئی تھی۔

ربیعہ بن نصر بن ابی حارثہ بن عمرو بن عامر کا قصہ

ابن اسحٰق نے یمنی قبائل میں سب سے پہلے لخمی قبیلے کا ذکر کیا ہے اور اس کا نسب نامہ ربیعہ بن نصر بن ابی حارثہ بن عمرو بن عامر بن لخم لکھا ہے جب کہ سہیلی نے اسے نصر بن ربیعہ ابن نصر بن حارث بن نمارہ بن لخم لکھا ہے۔ البتہ زبیر بن بکار نے اسے ربیعہ بن نصر بن مالک بن شعوذ بن مالک بن عجم بن عمرو بن نمارہ بن لخم لکھ کر یہ بھی بیان کیا ہے کہ لخم درحقیقت جذام کا بھائی تھا لیکن چونکہ جذام نے اسے پالا تھا اور اپنے پاس رکھ کر اس کی نگرانی اور پرورش کی تھی اس لیے وہ لخم اور جذام دونوں ناموں سے مشہور ہو گیا تھا۔

زبیر بن بکار یمنی قبائل کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ حمیر التبابعہ کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جسے اس کے کاہنوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے معجزات شق القمر اور سورج کے مغرب میں غروب ہوتے ہوتے دوبارہ اُبھر آنے کے واقعات سنا کر یہ بھی بتایا تھا کہ وہ عرب کے ایک شخص کے کرشمے ہیں۔ اس لیے اس نے اپنا نام شق اور اپنے بیٹے کا نام سطیح رکھ لیا تھا جو آپؐ کے ان دونوں معجزات کے ہم معنی ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شق اور سطیح دونوں اس کے بیٹے ربیع بن ربیعہ کے نام سے اس لیے چسپاں ہو گئے تھے کہ اس کا جسم ہاتھوں اور ٹانگوں کے بغیر تھا اور وہ بھی مسطح نہیں تھا بلکہ دو ٹکڑوں میں الگ الگ نظر آتا تھا جن میں سے صرف چہرے کی طرف کا حصہ انسانی تھا اور اس کا چہرہ غصے کی حالت میں پھول کر شق ہو جاتا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سطیح ایک اور شخص تھا جس کا اصل نام ربیع بن ربیعہ بن مازن بن ذئب بن عدی بن مازن غسان تھا اور شق اسی خاندان کا ایک دوسرا شخص تھا جس کا اصل نام ہی شق ابن صعب بن یشکر بن رھم بن افرک بن قیس بن عبقر بن انمار بن نزار تھا لیکن بعض لوگ انمار کو انمار بن اراش بن لحیان بن عمرو بن غوث بن نابت بن مالک بن زید بن سبا بتاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ خالد بن عبداللہ القسری اسی کی نسل سے تھے۔

سہیلی کہتے ہیں کہ شق اور سطیح دونوں اس دن پیدا ہوئے تھے جس دن مشہور کاہنہ طریفہ بنت الخیر الحمیریہ مری تھی لیکن اس نے مرتے مرتے ان دونوں بچوں کے منہ میں پھونک ماری تھی اور ان دونوں نے کہانت طریفہ ہی سے وراثت میں پائی تھی اور یہ کہ طریفہ عمرو بن عامر کی بیٹی تھی جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ربیعہ بن نصر یمن کے ملوک تبابعہ میں کمزور ترین بادشاہ گزرا ہے۔ ایک دن خواب میں اس نے اپنے گرد ہالے کی شکل کا ایک حلقہ کھنچا ہوا دیکھا جسے دیکھ کر وہ سخت پریشان ہو گیا لیکن اس کا قاعدہ تھا کہ جمعہ کے علاوہ وہ کسی اور دن اپنے کاہنوں، نجومیوں یا مستقبل بینوں کو نہیں بلایا کرتا تھا لیکن اس روز صبح ہوتے ہی اس نے انہیں بلا بھیجا اور ان سے اپنے اس

خواب کا ذکر کر کے تعبیر پوچھی اور اپنی ذات پر اس کے اثرات کے بارے میں بھی دریافت کیا۔

ان سب ساحروں' نجومیوں' کاہنوں اور پیشینگوئیاں کرنے والوں نے اسے کسی بڑی آفت کے آنے کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد اس نے شق اور سطیح سے اپنے اس خواب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یکے بعد دیگرے ایک ہی جواب دیا اور وہ یہ تھا کہ کچھ عرصے میں ان کے ملک پر حبشہ کا بادشاہ حملہ کرے گا اور یمن پر قبضہ کر لے گا اور جس عرصہ تک وہ یہاں قابض رہے گا اس کے دوران عدن یا ارم کے کسی علاقے سے کوئی دوسرا شخص شاہ حبشہ کو یمن سے بھگا دے گا لیکن وہ بھی یہاں کم و بیش ستر سال تک ہی حکومت کرے گا جس کے بعد بنی غالب یہاں آ جائیں گے اور ان کا زمانہ یمن کے لیے بڑی آسودگی کا زمانہ ہوگا کیونکہ ان میں اس وقت جو نبی ہوگا وہ سب نبیوں سے زیادہ رحمدل ہوگا اور وہی خدا کا آخری نبی ہوگا جس کے زمانے میں قریب قریب ساری دنیا اطمینان کا سانس لے گی' ان کی بتائی ہوئی ایک ایک بات سچ نکلی۔

یمن کے ملوک تبابعہ میں سب سے نیک خصلت بادشاہ کا اہل مدینہ سے سلوک

مؤرخین اور دوسرے تمام ثقہ راویوں نے اس بادشاہ کا نام ابی کرب بتایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ابرہہ کے بعد اس نے بھی خانہ کعبہ پر تسلط کا ارادہ کیا لیکن پھر اس کی عظمت و حرمت کا قائل ہو کر اس کا احترام کرنے لگا تھا یہاں تک کہ جب اس نے مکے سے مدینے کا رخ کیا تھا تو وہاں سے عمرہ ادا کر کے گیا تھا اور اس نے عرب کے جملہ قبائل کو حج کے لیے وہاں آنے کو عام اجازت دے دی تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اس نے مدینے پر قبضہ کیا تھا تو وہاں کے کسی شخص کو قتل کیا تھا نہ کسی عمارت کو نقصان پہنچایا تھا بلکہ اس کے بیٹے کی اہل مدینہ نے جب اس سے شکایت کی تھی کہ اس نے وہاں کے بے شمار درخت کٹوا دیے ہیں اور بہت سی پرانی عمارتیں منہدم کرادی ہیں تو اس نے اسے قتل کر دیا تھا۔

ابی کرب ہی یمن کا وہ بادشاہ تھا جو مدینے کے حبرانی یہودیوں کو جو مدینے میں فساد کی جڑ تھے گرفتار کر کے یمن لے گیا تھا اور اس نے اس کے بعد نہ کبھی مدینے پر خود حملہ کیا تھا نہ مشرقی علاقے کے کسی حکمران کو اپنی طرف سے اس کے لیے راستہ دیا تھا۔

ابن اسحٰق نے ابی کرب کو یمن کے ملوک تبابعہ میں سب سے زیادہ نیک خصلت بتاتے ہوئے اس کے انہی واقعات اور اہل مدینہ کے ساتھ اس کے اچھے سلوک کا ذکر کیا ہے۔

ابن ہشام نے عمرو بن طلحہ یعنی عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عامر بن مالک بن نجار اور اس کی ماں طلہ خزرجیہ کو جو عامر بن زریق کی بیٹی تھی ابی کرب کی نسل سے بتایا ہے۔

بہرکیف ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ جب ابی کرب نے خانہ کعبہ کی عترت و بحالی بحال کرنے کے بعد مدینے کا رخ کیا تھا اور وہاں کے لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو احبار یہود کے دو بڑے عالموں نے جن کا تعلق بنی قریظہ سے تھا اسے ان کے قتل سے روکا تھا اور یہ کہا تھا کہ یہاں بیت الحرام سے ہجرت کر کے ایک زمانے میں جو لوگ آئیں گے اہل مدینہ ان کی بڑی مدد کریں گے کیونکہ ان میں وہ خدا کا آخری نبی بھی ہوگا جس پر یہ لوگ ایمان لا کر روئے زمین کی اکثر قوموں کی ہدایت و اصلاح کا سبب بنیں گے۔

یمن پر لخنیعہ ذی شناتر کی حکومت کا ذکر

جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے یمن پر لخنیعہ ذی شناتر نامی ایک شخص نے سترہ سال حکومت کی تھی لیکن قوم لوط کے لوگوں کی طرح لواطت کے فعل شنیع وقبیح کی عادت میں مبتلا تھا۔

وہ اپنے سے پہلے بادشاہوں کی اولاد میں سے حسین وجمیل لڑکوں کو طلب کر کے اس خلاف فطرت فعل کا مرتکب ہوتا تھا۔ آخر کار لوگوں نے اس سے تنگ آ کر ذی نواس اور قبیلہ حمیر کے کچھ لوگوں سے کہا کہ وہ انہیں ایسے لعنت کے قابل حکمران سے کسی طرح نجات دلائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک بہت ہی حسین وجمیل لڑکی کو اس بات کے لیے تیار کیا کہ وہ اس سے مل کر پہلے اپنی خدمات اسے پیش کرے اور اس کے انکار پر ایسی آواز نکالے کہ پس پردہ چھپے ہوئے لوگ سامنے آ کر اسے قتل کر دیں۔

جب اسے قتل کیا گیا تو اس کا سر کاٹنے کے بعد جو مسواک اس کے منہ میں تھی اسے اس کے منہ ہی میں رہنے دیا گیا اور اس کا سر شہر کے ایک چوراہے پر لٹکا دیا گیا جو ایک مدت تک لوگوں کے لیے باعث عبرت بنا رہا۔

اس کے قتل کے بعد قبیلہ حمیر کے اکثر لوگ جن میں یمن کے لوگ بھی شامل تھے ذی نواس کی تلاش میں نکلے اور اسے تلاش کر کے اس سے کہا کہ آپ ہی نے درحقیقت اس خبیث حکمران سے ہمیں نجات دلائی ہے اور ویسے بھی اپنے بزرگوں کی طرح یمن پر قبیلہ حمیر ہی کو حکومت کا حق ہے اور آخر کار ان سب نے مل کر اسے یمن کی حکومت سنبھالنے پر مجبور کر دیا۔

اس ذی نواس نے جس کا اصلی نام یوسف تھا کچھ عرصے یمن اور نجران کے علاقے پر حکومت کی۔ اس زمانے میں اہل نجران دین عیسوی پر چلتے اور اصل انجیل کے احکام پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ ان نجرانیوں کا سربراہ عبداللہ بن ثامر نامی ایک شخص تھا۔

ابن اسحٰق نجرانیوں کے کے دین مسیحی قبول کرنے کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نصرانیت قبول کرنے سے قبل اہل نجران ایک درخت کو یہ سمجھ کر پوجا کرتے تھے کہ اس میں ان کے بزرگوں کی پاک روح حلول کر گئی ہے جو خصوصاً ان کے حلقہ خواتین میں بہت مقبول ہے اور ان کے ساتھ ان کے مرد بھی اس کی پوجا پر مجبور ہیں۔ لیکن عیسائی مذہب کے ان بزرگوں نے جو اصل انجیل مقدس کے احکام پر عمل پیرا تھے اور نجرانی عوام میں بھی بہت مقبول تھے انہیں بتایا کہ وہ اس طرح شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرکین نجران کی ایک عبادت گاہ میں اس درخت کی پرستش کے دوران میں کچھ ایسے عجیب واقعات پیش آئے کہ وہ اس درخت کی پرستش سے ڈرنے لگے' اور رفتہ رفتہ قریباً سب کے سب نے دین مسیحی اختیار کر لیا۔

آخر کار اہل نجران کے کچھ دانشوروں نے جن میں نجران کے عربی علاقے کے کچھ بزرگ بھی شامل تھے' نجران پر رومیوں

اور حبشہ کے نصرانیوں کے روز افزوں اثرات کے پیش نظر ایک بار پھر ذونواس سے جو اس وقت یمن و نجران کے بعض مدتوں کا وہ آخری بادشاہ تھا جس کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا رجوع کیا اور اس سے کہا کہ اگر رومی و حبشہ کے نصرانیوں کے نجران و یمن پر اسی طرح اثرات بڑھتے رہے تو یمن کے ساتھ سارا نجران بھی ہمیشہ کے لیے ان کے زیر انتداب بلکہ قبضے میں آ جائے گا۔

ابونواس اور اس کے مشیران مملکت نے اس پر غور کرنے کے بعد یہ کہا کہ نجرانی عیسائیوں کے مذکورہ بالا سربراہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو بنی اسرائیل نے اصحاب الاخدود کے ساتھ کیا تھا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے یعنی ایک لمبی خندق کھدوائی اور اس میں آگ بھروا کر اس میں ان تمام نصرانیوں کو جھونک دیا جن کی مجموعی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔

یمن کے حمیری بادشاہ کا حبشہ کے علاقہ سوڈان کے خلاف خروج

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' شق و سطیح یمن کے کاہنوں نے ربیعہ بن نصر کو بتایا تھا اور اس کی پیشینگوئی کی تھی کہ یمن کا ایک شخص کسی دن گھوڑے پر سوار ہوگا اور حبشہ کے نجرانی علاقے کے نصرانیوں سے اہل یمن کو نجات دلا دے گا۔

چنانچہ ذونواس حمیری نے جب وہ یمن پر حکومت کر رہا تھا تو یمن کے ان کاہنوں کی اس پیشگوئی کے بارے میں سوچ کر حبشہ کے نجرانی علاقے سوڈان پر فوج کشی کا ارادہ کیا لیکن اس سے قبل اس نے رمالوں سے رمل کے دانے پھینکوائے لیکن ان سے موافق و مخالف کوئی جواب حاصل نہ ہو سکا۔

اس کے باوجود ذونواس نے سوڈان پر فوج کشی کا مصمم ارادہ کر لیا اور اسے پورا کرنے کے لیے اپنی فوج کے ساتھ سوڈان کی طرف روانہ ہو گیا لیکن جب اس کی خبر قیصر روم اور حبشہ کے نجرانی بادشاہ کو ہوئی تو ان دونوں نے اپنے دینی بھائیوں یعنی نصرانیوں کی امداد کے لیے اپنی اپنی فوجیں روانہ کر دیں جس کی خبر ذونواس کو اس وقت ہوئی جب حاکم سوڈان اور اس کی فوجوں کا مقابلہ ہوا۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا تین نصرانی اتحادیوں کے مقابلے میں ذونواس کو شکست ہوئی تو اپنی جان بچانے کے لیے اس نے اپنا گھوڑا ساحل سمندر کی طرف سرپٹ ڈال دیا اور اس کے بعد دشمن کی طرف سے تعاقب کے خیال سے گھوڑے سمیت سمندر میں اُتر گیا اور دور تک' جیسا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے' سمندر کے اندر ہی اندر چلا گیا لیکن پھر اس کا کوئی پتہ نہ چلا اور اغلب یہ ہے کہ وہ سمندر کی طوفانی لہروں سے لڑتا ہوا ہلاک ہو گیا۔

حاکم یمن ارياط پر ابرہہ اشرم کی فوج کشی

ابن اسحق سے مروی ہے کہ ذونواس کی گمشدگی یا سمندر میں غرقابی کے بعد حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے سوڈان کا گورنر ابرہہ کو اور یمن کا گورنر ارياط کو بنایا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد دونوں میں کسی بات پر سخت اختلاف ہوا جس کے نتیجے میں ابرہہ یمن پر اپنی فوج لے کر چڑھ آیا۔

سوڈان اور یمن کے درمیانی علاقے میں پہنچ کر ابرہہ نے جو ایک کوتاہ قامت اور کریہہ المنظر شخص تھا ارباط جو انتہائی قد آور اور خوب صورت شخص تھا کو مقابلے کی دعوت دی لیکن جب دونوں ایک دوسرے کے مقابل آئے تو پہلے ابرہہ پر ارياط نے انتہائی قوت سے تلوار ماری لیکن وہ اپنے محافظ کے پیچھے ہوگیا اور ارياط کی تلوار سے ابرہہ کے حاجب کے سر اور اس کی ناک سمیت اس کے چہرے کے ٹکڑے اڑ گئے۔

ابھی ارياط سنبھل کر ابرہہ پر دوسرا حملہ کرنا چاہتا تھا کہ ابرہہ کے دوسرے محافظ نے جو اس کے پیچھے تھا اچانک ارياط پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اسی روز سے ابرہہ کو ابرہہ اشرم یعنی بے شرم کہا جانے لگا۔

یمن پر ابرہہ کے حملے اور ارياط کے قتل کی خبر جب حبشہ کے بادشاہ کو ملی تو وہ برہم ہوا اور اس نے ابرہہ سے اس کی جواب طلبی کی۔

حبشہ کے بادشاہ کا خط اس کا پیغام رساں ابرہہ کے پاس لایا تھا۔ ابرہہ نے اس خوف سے کہ حبشہ کا بادشاہ کہیں اسے سوڈان کی گورنری سے معزول نہ کر دے یا کہیں قتل ہی نہ کرا دے اس خط کے جواب میں حبشہ کے بادشاہ کو لکھا کہ ارياط اور میں دونوں آپ کے فرماں بردار خادم تھے لیکن ارباط نے خواہ مخواہ مجھ سے جھگڑا مول لیا' بلکہ جیسا کہ مجھے خبر ملی تھی' وہ سوڈان پر فوج کشی کا ارادہ کر رہا تھا۔ لہٰذا میں اس کی پیش قدمی روکنے کے لیے یمن کی طرف بڑھ رہا تھا کہ وہ راستے ہی میں مجھ پر حملہ آور ہو گیا اور میرے ہاتھوں مارا گیا۔

اس کے بعد ابرہہ نے لکھا: ''میں ابھی تک آپ کا فرمانبردار خادم ہوں'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک جراب میں یمن کی مٹی بھر کر حبشہ کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجی اور لکھا: ''یمن اور سوڈان دونوں کو مٹی آپ کی اب تک خاک پا ہے اور میں آپ کا قدیم خادم'' حبشہ کے بادشاہ نے ابرہہ کے اس جواب سے خوش ہو کر اسے معاف کر دیا اور اسے حکم دیا کہ دوسرا حکم ملنے تک تم یمن میں ٹھہرو۔ چنانچہ ابرہہ کچھ دن تک وہیں مقیم رہا۔

ابرہہ کا خانہ کعبہ کو مسمار کرنے ہاتھی لے کر مکے آنا اور اس کا بحکم الٰہی فوراً بے موت مارا جانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں فرمایا ہے

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کا داؤ غلط نہیں گیا؟ اور ان پر جھلڑ کے جھلڑ جانور بھیجے' جو ان پر کھنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔ تو ان کو ایسا کر دیا جیسا کھایا ہوا بھس''۔ (۱۰۵:۱۔۵)

کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے دنیا میں سب سے پہلے ہاتھی کو قابو کیا اور سدھا کر فرمانبردار بنایا وہ فریدوں بن اثفیان تھا اور اسی نے ضحاک کو قتل کیا تھا۔

یہ روایت طبری کی ہے اور اسی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ شخص جس نے گھوڑے پر پہلی بار زین کسوائی وہ بھی فریدون بن اثفیان ہی تھا لیکن جس شخص نے گھوڑوں کو سواری کے لیے مطیع بنایا اور ان پر سوار ہوا وہ دنیا کا تیسرا بادشاہ طہمورث تھا لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عرب میں جس شخص نے پہلی بار گھوڑے کی سواری کی وہ اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام تھے اور انہی نے دنیا میں پہلی بار گھوڑے کو سواری کے لیے مطیع بنایا۔ واللہ اعلم

کہا جاتا ہے کہ ہاتھی جسمانی طور پر عظیم الجثہ ہونے کی وجہ سے سواری کے اونٹ سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اسے ہندوستان میں لڑائیوں کے موقع پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی لیے دوسرے ملکوں میں بھی اسے شکار کے علاوہ اسی مصرف میں لایا جانے لگا۔

پھر ابرہہ نے القلیس کے نام سے صنعاء میں ایک کنیسہ (گرجا) بنوایا جس کی اس زمانے میں دنیا کے حصے میں کوئی مثال نہیں تھی۔

وہ کنیسہ تعمیر کرانے کے بعد اس نے شاہ حبشہ نجاشی کو لکھا کہ میں نے آپ کے لیے یہاں (یعنی یمن میں) ایک ایسا کنیسہ تعمیر کرایا ہے جس کی روئے زمین پر کوئی مثال نہیں مل سکتی کیونکہ اس سے قبل کسی بادشاہ نے بھی ایسا کنیسہ اپنے ملک میں تعمیر نہ کرایا ہوگا اور یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ سارے اہل عرب مکے میں خانہ کعبہ کی بجائے حج کے لیے یہاں آنے لگیں۔

سہیلی کہتے ہیں کہ ابرہہ نے اہل یمن کو ذلیل کرنے کے لیے اس پلید کنیسہ کی تعمیر کے لیے بیگار پر لگا دیا اور یہ بھی حکم جاری کر دیا کہ اگر کوئی شخص طلوع آفتاب سے قبل وہاں عبادت کے لیے نہ آیا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔

اس نے قصر بلقیس سے نہ صرف سنگ رخام اور دوسرے پتھر بلکہ تمام دوسری قیمتی اشیاء اور سونا چاندی لا کر اس کنیسہ کے تہ خانوں میں بھروا دیئے۔ اس نے اس کنیسہ میں ہاتھی دانت کے انتہائی بلند منبر بھی بنوائے لیکن اس کی ہلاکت کے بعد وہ کنیسہ ایسا ویران ہوا کہ یمن تو کیا حبشہ کے کسی شخص نے بھی وہاں آ کر قدم نہیں رکھا۔ کیونکہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ اس میں جنات رہنے لگے ہیں۔

عباسی خلیفہ سفاح نے اس کنیسہ کو منہدم کرا دیا تھا لیکن اس کے آثار کھنڈرات کی شکل میں اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

جب شاہ حبشہ نجاشی کے نام ابرہہ کے اس خط کی خبر عربوں خصوصاً کنانہ کے قرب وجوار کے لوگوں کو ہوئی تو وہاں کا ایک

شخص جیسا کہ قرآن مجید میں ان کی سخت بت پرستی کا ذکر آیا ہے سخت برہم ہوا کیونکہ حج کے زمانے میں اہل عرب خصوصاً وہاں کے لوگ کثرت سے حج وزیارت کعبہ کے لیے مکے میں جمع ہو جاتے تھے جہاں کعبہ میں ہر قبیلے کی پوجا کے لیے الگ الگ بت رکھے گئے تھے۔

بہرکیف جب ابرہہ انہدام کعبہ کے قصد سے یمن سے مکے کی طرف روانہ ہوا تو غمس وطائف تک ذونفر ورغال کے سوا اسے عرب کے کسی قبیلے نے نہیں روکا کیونکہ انہوں نے کعبہ کی طرح کے اپنے اپنے بت خانے تعمیر کر کے ان میں پوجا کے لیے اپنے پسندیدہ بت رکھ لیے تھے۔

ذونضر ورغال کو قتل کرنے کا ابرہہ نے جب حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں قتل نہ کرائیے کیونکہ ہمارے آپ کے ساتھ چلنے سے عرب کے دوسرے لوگوں پر آپ کا رعب پڑے گا اور وہ مزاحمت سے باز رہیں گے۔ چنانچہ ابرہہ نے ان دونوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے لیا۔

جب ابرہہ مکے پہنچا تو وہاں حج کعبہ کے لیے عربی قبائل کے لوگ کثرت سے آئے ہوئے تھے اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست کعبہ کے متولی جناب عبدالمطلب نے حسب سابق کر رکھا تھا۔ ان لوگوں نے جناب عبدالمطلب سے عرض کیا کہ وہ اجازت دیں تو وہ ابرہہ سے جنگ کے لیے تیار ہیں لیکن انہوں نے کہا کہ کعبہ جس کا گھر ہے وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ کہا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے خانہ کعبہ کی ایک دیوار سے لپٹ کر اور رو رو کر اس کی حفاظت کے لیے خدا سے دعا کی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب خدا کے حکم سے ابرہہ کی ہلاکت کے بعد وہ بلا ٹل گئی تو انہوں نے اسی طرح کعبے کی دیوار سے لپٹ کر اور خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب ابرہہ مکے پہنچا تو اس نے وہاں کے لوگوں سے قریش کے قبیلے اور بنی ہاشم کے اس سردار کا نام پوچھا جو وہاں حج کے لیے جمع ہونے والے عربوں کی میزبانی کے فرائض ادا کیا کرتا تھا تو سب نے یک زبان ہو کر جناب عبدالمطلب کا نام لیا جو پہلے ہی اس شرط پر کہ وہ کعبے کو مسمار کرنے سے باز آ جائے اپنے پاس سے اور کچھ دوسرے عربی قبائل کے لوگوں سے جمع کر کے دوسو اونٹ اسے پیش کر چکے تھے۔

بہرحال ابرہہ نے جناب عبدالمطلب کی بڑی تعظیم وتکریم کی بلکہ انہیں بلا کر اس طرح جیسے شاہ حبشہ اپنے پادریوں کو اپنی مسند بٹھایا کرتا تھا اپنے برابر بٹھایا' لیکن انہوں نے جب خانہ کعبہ کے انہدام کی اجازت دینے سے انکار کیا تو اس نے ان کے پیش کردہ دوسو اونٹ واپس کر دیئے اور بیت اللہ کو مسمار کرنے پر تل گیا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور اپنی قدرت سے ابرہہ اور اس کی فوج کثیر اور اس کے دل کے دل ہاتھیوں کو ہلاک کر کے نہ صرف اپنے گھر موسومہ بیت اللہ کو انہدام سے بچا لیا بلکہ عربوں پر یہ انتہائی احسان بھی کیا کہ انہیں میں سے ان کی ہدایت کے لیے اپنا آخری نبی ﷺ مبعوث فرمایا جس نے روم وحبشہ والوں کے دین باطل نصرانیت کے فخر وافتخار کو عرب میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا کیونکہ وہ شرک وباطل پرستی میں کفار قریش سے بھی کہیں زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔

ابرہہ کی ہلاکت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بیت اللہ کی حفاظت کے بارے میں عرب شعراء نے کثرت سے بڑے فصیح وبلیغ اشعار کہے ہیں جنہیں ابن جریر اور دوسرے متعدد عرب مؤرخین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے یقیناً لائق مطالعہ ہیں۔

یمن پر اہل فارس کے حملے

ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمن پر ابرہہ کے تسلط سے قبل جیسا کہ ربیعہ بن نصر کے کاہنوں نے پیشگوئی کی تھی حبشہ کی طرف سے اس پر کئی بار حملے ہو چکے تھے لیکن ابرہہ کی مکے میں ہلاکت کے بعد یمن پر پہلے فارس کے کئی بادشاہوں نے فوج کشی کی۔ پھر کسریٰ نوشیرواں کے حکم سے اس پر اس کے بیٹے مرزبان نے حملہ کیا اور مرزبان کے فوت ہونے کے بعد کسریٰ نے اپنے دوسرے بیٹے تینجان کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا اور اس نے یمن کی قلیل فوج کو شکست دے کر اس پر قبضہ کر لیا اور کچھ عرصے نوشیرواں کی طرف سے وہاں کا حاکم بھی رہا۔ لیکن نوشیرواں نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ باذان کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور اسی کے زمانے میں عرب میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

ابن اسحق ہی سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسریٰ کو جو خط بھیجا تھا اس میں باذان کے ذریعہ یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کسریٰ نوشیرواں فلاں دن فلاں جگہ قتل کر دیا جائے گا اور وہ خط پڑھ کر نوشیرواں نے کہا تھا کہ:

''اگر وہ (یعنی آنحضرت ﷺ) نبی ہیں تو میں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے یقیناً اسی دن اور اسی جگہ قتل کر دیا جاؤں گا''۔

ابن ہشام کے بقول نوشیرواں کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کیا تھا لیکن بعض دوسرے راویوں کے خیال میں اس کے سارے بیٹے اس کے قتل پر مائل تھے اور انہوں نے باہم مل کر اسے قتل کیا تھا۔

فارس کے جس بادشاہ کو قتل کیا گیا اس کسریٰ کا نام پرویز بن ہرمز بن انوشروان تھا جسے نوشیرواں بھی کہا جاتا تھا اور جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے (الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ) اس نے روم کے کچھ علاقوں پر غلبہ حاصل کیا تھا لیکن اپنے انتہائی عدل وانصاف کے بعد وہ ظلم وستم پر اتر آیا تھا اور اس لیے اپنے ہی بیٹوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع تفصیل سے کریں گے۔

سہیلی کہتے ہیں کہ نوشیرواں کو ہجرت کے نویں سال ماہ جمادی الاول کے پہلے عشرے کی چوتھی شب کو قتل کیا گیا تھا اور یہ واقعہ اس کے بعد پیش آیا تھا جب اس نے رسول اللہ ﷺ کا وہ نامہ مبارک جس میں آپؐ نے اسے قبول اسلام کی دعوت دی تھی پڑھ کر پھاڑ دیا تھا۔ واللہ اعلم

کہا جاتا ہے کہ نوشیرواں کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ بھی کم وبیش چھ مہینے ہی حکومت کر سکا۔ البتہ یمن کے حاکم باذان نے نوشیرواں کے قتل کی خبر سنتے ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور اس نے بہت سے گھوڑوں کے علاوہ اپنے سفیر کے ہاتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ بہت سا زر نقد بھی بھیجا تھا۔

ملوک الطّوائف کا ذکر

ملوک الطّوائف میں جس شخص کا نام سب سے پہلے لیا جاتا ہے وہ حضر کا حاکم ساطرون تھا اور سکندر مقدونی کے ہاتھوں ایران کے دارا کے قتل کے بعد جب ایران میں انتشار سے فائدہ اٹھا کر ساطرون ہی ایران کے سیاہ وسفید کا مالک بن بیٹھا تھا اور اس نے سارے ملک کو برباد کر کے وہاں کے خزانوں پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا جس کے بعد ایران کی گھوڑ سوار فوج بھی تتر بتر ہوگئی تھی۔

یہ دیکھ کر اطراف کے تمام حکمرانوں نے اپنی اپنی حفاظت کے لیے خصوصی انتظامات کر لیے تھے۔

بہر حال اس کے فوت ہونے کے بعد ایران کی اقتصادی حالت کسی قدر اس وقت سنبھلی جب ایران میں اردشیر کی حکومت قائم ہوئی لیکن اس سے قبل ساطرون کی اولاد نے قریباً پانچ سو سال تک ایران کو خوب لوٹا کھسوٹا اور وہاں کے عوام کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اردشیر ساسانی تھا اور اس کو اردشیر بن بابک بن بہمن بن اسفندیار بن یشتاسب بن لہراسپ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

اردشیر بن بابک ساسانی نے اپنے ملک کی حالت حسب سابق کرنے اور گھوڑ سوار فوج از سر نو مرتب کرنے کے بعد طائف الملوکی کا بالکل خاتمہ کر کے اطراف کے ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات از سر نو بحال کیے۔

اردشیر کی موت کے بعد جیسا کہ اکثر بیان کیا جاتا ہے اس کے بیٹے سابور نے ان ملوک الطوائف کے آخری مستحکم قلعے کا جو حضر میں تھا محاصرہ کیا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ واللہ اعلم

باب

حجازی عربوں کے بنی اسماعیل کا ذکر جو زمانہ جاہلیت سے قبل زمانہ بعثتِ نبوی ﷺ تک وہاں کے حکمران رہے

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس سے قبل دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے ساتھ کیا جا چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ جب ان کے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں جو اس وقت شیر خوار تھے اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو خدا کے حکم کے مطابق فاران کے ویران پہاڑوں کے درمیان تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے نیز یہ کہ اس وقت ان کی والدہ کے پاس کھانے کے لیے ایک جراب میں تھوڑی سی املی اور ایک چھوٹی سی کپی میں تھوڑا سا پانی تھا اور اس کے علاوہ وہاں دور دور تک انہیں کوئی اپنا ہمدرد و غم خوار نظر نہ آتا تھا لیکن ان کے پروردگار نے اپنی رحمت سے ان کے لیے وہیں ایک چشمہ زمزم جاری کر دیا جس میں کھانے اور پانی دونوں کی ماہیتیں موجود ہیں اور اس کے پانی سے مریض بھی شفا پاتے ہیں۔

یہ واقعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفصیلی روایت میں ہے جسے بخاریؒ نے بھی بیان کیا ہے اور ان دونوں کے حوالے سے پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے کچھ دن قیام کے بعد وہاں قدیم ترین عربی قبیلے جرہم کی ایک جماعت پانی کی تلاش میں آئی جسے حضرت ہاجرہ نے اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت سے انہیں عطا فرمودہ اس کنوئیں کا پتہ بتایا جس کے بعد وہ لوگ بھی ہمیشہ کے لیے وہیں آباد ہو گئے۔

روایت ہے کہ اس زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المقدس سے آتے یا وہاں جاتے ہوئے دو مرتبہ ادھر سے گزرے لیکن ان کا گھوڑا برق رفتاری اور چمک دمک میں بالکل براق معلوم ہوتا تھا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تشریف لائے تو ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو چکے تھے اور اسی زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں بحکم خداوندی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ پیش آیا اور حقیقت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہ فرزند ہیں جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے نام پر قربان کیا تھا اور انہی کا ذکر قرآن مجید میں ''ذبح عظیم'' کے نام سے آیا ہے۔

اس مشہور و معروف واقعے کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کر لی تھی لیکن اسے طلاق دے کر پھر اسی قبیلے کی جس دوسری لڑکی سے انہوں نے شادی کی اس کا نام سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی تھا۔

سیدہ بنت مضاض سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے نام نابت'

قید ز منشا، سمع، ودما، ادر یطور نیشی، وطیما اور قید ما تھے۔

یہ نام محمد ابن اسحاق نے اہل نساب کی روایات کے حوالے سے بتائے ہیں جن میں ابن جریر اور طبرانی نے کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ بہر حال یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیٹی صرف ایک تھی جس کا نام نسمہ تھا اور انہوں نے اس کی شادی اپنے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے عیصو سے کی تھی اور اس کے بطن سے روم اور فارس پیدا ہوئے تھے جب کہ دو روایتوں میں سے ایک روایت کے مطابق اشبان بھی نسمہ ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

بہر کیف بنی جرہم ہی مکے میں کثرت سے آباد ہوتے چلے گئے اور ان کا حکمران کہیے یا بیت اللہ کا متولی کہیے اسی قبیلے کی دو لڑکیوں میں سے ایک کے بطن سے پیدا ہونے والے نابت بن اسماعیل کو تسلیم کیا گیا تھا اور انہی کو زمزم کا نگران بھی بنایا گیا تھا۔

اس کے بعد بنی جرہم کی مکے میں اتنی کثرت ہوئی کہ ان میں باہم جھگڑے ہونے لگے اور پہلے اسی قبیلے نے بیت اللہ میں پرستش کے لیے دو بت اساف و نائلہ رکھے تھے اور اسی قبیلے کی ایک عورت کو بدکاری کے جرم میں دوسروں کی عبرت کے لیے سنگسار کیا گیا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس عورت کا تعلق عمرو بن عامر کے خاندان سے تھا جو یمن سے مکے میں آ کر آباد ہو گیا تھا اور اس کا تعلق بنی خزاعہ کے قبیلے سے تھا۔ تاہم یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی خزاعہ کا تعلق بھی قبائل بنی اسماعیل ہی سے تھا۔

بہر حال بنی خزاعہ ہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے دو اشخاص عمرو اور حارث نے بنی جرہم کو سرداری سے معطل کر کے بیت اللہ کی تولیت اور زمزم کی نگرانی اپنے تصرف میں کر لی۔ اور حجر اسود کے علاوہ جو پہلے ہی سے بیت اللہ میں موجود تھا دوسرے لاتعداد پتھر وہاں لا لا کر جمع کر دیئے جس کے بعد وہ یمن گئے اور وہاں سے بہت سا سونا لا کر چاہ زمزم کی تہ میں دفن کر دیا۔

اس کے بارے میں عمرو بن حارث نے بہت سے فخریہ اشعار بھی کہے ہیں جنہیں اکثر مؤرخین نے اپنی کتابوں میں پیش کیا ہے۔ ابن اسحٰق نے عمرو بن حارث بن مضاض کے ساتھ بنی بکر اور غبشان کا بھی ذکر کیا ہے جو اس کے بعد مکے آ کر آباد ہوئے تھے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ بنی بکر اور غبشان نے مکے آ کر جو اشعار کہے تھے اور متعدد عربی ادب کے مجموعہ ہائے کلام میں ملتے ہیں انہیں عربی شاعری کی ابتدا کہا جاتا ہے۔

سہیلی کہتے ہیں کہ فضائل مکہ میں جو اشعار ابو ولید ازرقی نے اپنی اسی نام کی کتاب میں درج کیے ہیں انہیں عمرو بن حارث بن مضاض کے اشعار بتایا ہے۔

خزاعہ عمرو بن لُحی اور دوسرے عربوں میں اصنام پرستی کا ذکر

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ عمرو بن حارث کے بعد خزاعہ ہی کے قبیلے سے ایک شخص کو جس کا نام غبشان یا غیشان تھا۔ بیت اللہ کی تولیت سپرد کی گئی جن میں عمرو بن حارث قریش اور بنی کنانہ کے وہ لوگ بھی شامل ہو گئے جو ان قوموں میں شامل ہو گئے تھے۔

خانہ کعبہ کی تولیت یکے بعد دیگرے بنی خزاعہ ہی میں منتقل ہوتی رہی حتی کہ وہ ان کے آخری شخص حلیل بن جشیہ بن سلول ابن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی تک پہنچی جس نے قصی بن کلاب کی بیٹی حبی سے شادی کی اور اس کے بطن سے اس کے چار بیٹے عبدالدار' عبد مناف' عبدالعزیٰ اور عبدا پیدا ہوئے اور پھر بیت اللہ کی تولیت بھی یکے بعد دیگرے انہی میں منتقل ہوتی رہی جس کا تفصیلی ذکر ہم حسب محل ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے جو صحیح روایات پر مبنی ہوگا۔ بہرکیف کعبے کی تولیت بنی خزاعہ میں قریباً تین سو سال اور بعض روایات کے مطابق پانچ سو سال تک چلی۔ واللہ اعلم

بعض مستند روایات کے مطابق انہی بنی خزاعہ کا ایک شخص سوس[1] تھا جس نے اپنی تولیت کے زمانے میں بیت اللہ میں اصنام پرستی کی بناء ڈالی تھی۔

بنی خزاعہ میں جس شخص کا نام سوس تھا اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کی تولیت کے زمانے میں اس کے پاس بیس ہزار اونٹ تھے جو اس تعداد میں مکے کے کسی اور تنہا شخص کے پاس نہیں تھے اور اسی لیے مکہ پر اس کی سرداری مسلم تھی۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ان اونٹوں میں سے ہر سال کعبہ کی زیارت اور حج کے لیے آنے والے عربی قبائل کی ضیافت کے لیے کثیر تعداد میں اونٹ ذبح کرایا کرتا تھا اور مکے آنے والوں کو زر نقد بھی دیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس نے بیت اللہ میں بت رکھ کر بت پرستی کا آغاز کیا اور دوسرے اہل عرب کو بھی اس کی دعوت دی تو وہ انکار نہ کر سکے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ مکے کا ایک شخص عمرو بن لحی اپنے کسی کام سے شام گیا تو راستے میں بلقاء میں ایک آدھ روز کے لیے ٹھہرا جہاں عمالیق یعنی قبیلہ عمالیق کے لوگ رہتے تھے۔ عمرو بن لحی نے دیکھا کہ وہ لوگ بت پرست ہیں اور خاص بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور انہوں نے ان بتوں کے الگ الگ نام بھی رکھ چھوڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس

[1] اصل نسخے میں یہی نام لکھا ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ بنی خزاعہ کا کوئی اور برا شخص ہو جس نے اپنی تولیت کے زمانے میں بیت اللہ میں بت پرستی کی رسم شروع کی ہو اور اس کو اسی وجہ سے لوگ ''برا'' شخص کہنے لگے ہوں جو بگڑ کر سوس بن گیا' جس کے بجائے اس کا کوئی اور نام رہا ہو۔

نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی عبادت ہے جو وہ کرتے ہیں اور وہ ان پتھروں کے بتوں کو کیوں پوجتے ہیں؟ آخر کار اس سے انہیں کیا فائدہ ہے؟

عمرو بن لحی کے اس سوال کے جواب میں وہ لوگ بولے کہ وہ ان بتوں سے خشک سالی کے زمانے میں بارش کے لیے مدد مانگتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جب بھی انہیں کوئی مشکل پیش آتی ہے اس وقت بھی وہ انہی بتوں سے امداد طلب کرتے ہیں اور وہی بت ان کے حسبِ خواہش ان کی مدد کرتے ہیں۔

ان عمالیق نے عمرو بن لحی کو اپنے ان بتوں میں سے جن کی وہ پوجا کرتے تھے ایک بت اس کی درخواست پر اسے دے دیا جسے لے کر وہ مکے آیا اور ان عمالیق کے عقائد اہل مکہ سے کچھ انداز میں بیان کیے اور ان بتوں کی کرشمہ سازی کا بھی ذکر کیا تو انہوں نے اسے اس بت کو بیت اللہ میں رکھنے کی اجازت دے دی بلکہ خود بھی اس کی دیکھا دیکھی اس کی پرستش کرنے لگے۔ بعض روایات میں اس پہلے بت کا نام جو بیت اللہ میں رکھا گیا ہبل بتایا گیا ہے اور بعض میں لات یا عزیٰ بتایا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب تک بنی اسماعیل مکے تک محدود رہے ان میں بت پرستی کا نام ونشان تک نہ تھا لیکن جوں جوں وہ عرب کے دوسرے علاقوں میں آباد ہوتے گئے اور وہ جب بھی کسی جگہ سے مکے آتے یا کوئی اور شخص ان کے ساتھ آتا تو وہ اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی بت ضرور لاتا اور پھر اسے بیت اللہ میں سجا دیا جاتا جہاں لوگ اس کی پرستش کرنے لگتے۔

پھر انہی بتوں کی تعداد جیسا کہ مشہور ہے تین سو ساٹھ تک جا پہنچی اور اس طرح نہ صرف مکے میں بلکہ سرزمین عرب میں جگہ جگہ بت پرستی کا چلن شروع ہو گیا لیکن اس کا مرکز بعثت نبوی ﷺ تک مکہ ہی رہا۔

باب ۶

عرب کے ایام جاہلیت

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابی عوانہ نے ابی بشر' سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جسے ایام جاہلیت میں اہل عرب کی بداعمالی اور جہالت کا پتہ لگانا ہو تو وہ قرآن مجید میں سورۂ انعام کی صرف وہ آیت پڑھ لے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بالاختصار مگر صاف صاف ذکر فرمایا ہے۔

وہ آیت یہ ہے:

''جن لوگوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بے سمجھی سے قتل کیا اور خدا پر افترا کر کے اس کی عطا فرمائی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا وہ گھاٹے میں پڑ گئے۔ وہ بے شبہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں''۔ (۱۴۰:۶)

ہم نے اس آیت کی تفسیر اپنی کتاب میں کرتے ہوئے ایام جاہلیت کے عربوں کے باطل عقائد اور ان کی بداعمالیوں پر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ ان باطل پرستوں کا سرغنہ عمرو بن لحی تھا نیز پچھلے باب میں یہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ بلقاء سے اس نے پہلی بار ایک بت لا کر خانہ کعبہ میں نصب کرایا تھا اور پھر بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہو گئی تھی۔

ابن اسحٰق وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب مکے کے لوگوں نے دین اسماعیل سے منحرف ہو کر بت پرستی شروع کی تو ان کی دیکھا دیکھی عرب کے دوسرے مقامات پر بھی بت پرستی پھیلتی چلی گئی اور اس کی انتہا یہ ہوئی کہ ان دوسرے مقامات پر لوگوں نے اپنے الگ بت بنا کر ان کی پرستش کے لیے نئے بت خانے تعمیر کر لیے۔

ابن ہشام نے ان بتوں کے نام جو خانہ کعبہ میں رکھے گئے تھے لکھنے کے علاوہ ان بتوں کے نام اور شکلیں بھی بتائی ہیں جو عرب کے دوسرے مقامات پر پوجے جاتے تھے اور جہاں جہاں ان کی پرستش کی خاطر بت خانے تعمیر کیے گئے تھے ان مقامات کے نام کے ساتھ ان بت خانوں کے نام بھی لکھے ہیں۔

سہیلی کہتے ہیں کہ زمانہ اسلام میں فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نہ صرف خانہ کعبہ میں نصب کردہ تمام بت توڑ دیئے گئے تھے بلکہ آپؐ نے عرب کے ان دوسرے مقامات پر بھی چھوٹے چھوٹے لشکر بھیج کر اپنی وفات سے قبل ہی وہاں تعمیر شدہ بت خانے سب کے سب منہدم کرا دیئے تھے اور ان میں نصب شدہ بت بھی ایک ایک کر کے تڑوا ڈالے تھے۔

ہم ان بت خانوں کے انہدام کی تفصیلات حسب محل ان شاء اللہ آگے چل کر پیش کریں گے۔

حجازی عربوں کے جداعلیٰ عدنان کا ذکر جس پر آنحضرت ﷺ کا قدیم سلسلہ نسب ختم ہوتا ہے

اس سلسلے میں کہ نبی کریم ﷺ کا سلسلہ نسب حجازی عربوں کے جداعلیٰ عدنان پر ختم ہوتا ہے۔ کوئی اختلافی روایت نہیں ہے۔ البتہ عدنان اور اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کے درمیانی آبا کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔

ایک روایت میں جو اہل کتاب کی روایات سے ماخوذ ہے ان کی تعداد چالیس بتائی گئی ہے اور وہ ان کے پاس اب تک موجود ہے۔ انہوں نے یہ تعداد ارمیا بن حلفیا کے کاتب رخیا کی کتاب سے لی ہے اور اس کی سند میں بہت سی روایات ان کے ہاں پائی جاتی ہیں جو اس سے قبل اور بعد کے زمانے کی ہیں یعنی ارمیا سے قبل اور بعد کے زمانے کی لیکن کچھ دوسری روایات میں ان کی تعداد کہیں تیس بتائی گئی ہے' کہیں بیس' کہیں پندرہ' کہیں دس' کہیں نو اور کہیں سات بتائی گئی ہے حتیٰ کہ موسیٰ بن یعقوب نے عبداللہ بن وہب بن زمعہ زمعیؒ اور ان کی چچی کے علاوہ ام سلمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آخر الذکر نے خود رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ معد بن عدنان سے (اوپر کی طرف) آپ کا سلسلہ نسب معد بن عدنان بن اود بن زند بن الیریٰ بن اعراق الثریٰ ہے۔ ام سلمہ نے یہ بھی بتایا کہ زند سے مراد الہمیسع' الیریٰ سے مراد نابت اور اعراق الثریٰ سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام کو الثریٰ اس لیے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے جن پر آگ نے اثر نہیں کیا تھا نیز یہ کہ ثریٰ (نمناک مٹی) پر بھی آگ اثر نہیں کرتی۔

دارقطنی کہتے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے علاوہ انہوں نے زند نام حضورؐ کے سلسلہ نسب میں اور کسی روایت میں نہیں دیکھا۔ البتہ زند بن الجون نام کا جسے ابودلامہ کہا جاتا تھا' ایک شاعر ضرور گزرا ہے۔

منجملہ ائمہ سے حافظ ابوالقاسم سہیلی وغیرہ کا بیان یہ ہے کہ عدنان سے لے کر اسماعیل تک اوپر کی طرف اس کے آباء میں اکثریت چار سے لے کر زیادہ سے زیادہ دس یا بیس ہو سکتی ہے کیونکہ بخت نصر کے زمانے میں معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی۔

ابوجعفر طبری بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارمیا کو جو اس زمانے میں بنی اسرائیل کے نبی تھے وحی کے ذریعہ حکم دیا تھا کہ وہ بخت نصر کے ساتھ بابل چلے جائیں اور معد بن عدنان کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ایسا ہی کیا تھا۔ پھر جب وہ شام گئے اس وقت بھی معد بن عدنان ان کے ساتھ تھے اور جب وہ شام سے بخت نصر کے تیار کردہ بیت المقدس کی از سر نو تعمیر کے لیے بحکم خداوندی وہاں واپس آئے تو وہاں سے معد بن عدنان کو بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس کے بعد جب بنی جرہم عرب کے دوسرے علاقوں سے کثیر تعداد میں آ کر حجاز خصوصاً مکے میں آباد ہوئے تو اس وقت بھی معد بن عدنان ان

میں شامل تھے اور انہیں اپنے والد معد بن عدنان سے پہلے کا اپنا شجرۂ نسب جو انہوں نے ارمیاؑ کے مذکورہ بالا کاتب برخیا کے پاس ایک کتاب میں دیکھا تھا بفضل خدا اچھی طرح یاد تھا کیونکہ اس کے بعد معد بن عدنان ہی کی نسل میں خدا کے آخری نبی رسول عربی نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت بحکم خداوندی ہونا تھی۔

اللہ تعالیٰ مالکؒ کو بھی اجر عظیم سے نوازے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس نسب نامے کی تحقیق میں یقیناً کافی دقت اٹھائی ہوگی۔

ابن ہشام نے عدنان سے لے کر آدم علیہ السلام تک آنحضرت ﷺ کا نسب نامہ پیش کیا ہے اور اس کے علاوہ آپ کا جو نسب نامہ جو سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے وہ ایک مشہور حدیث نبوی کے حوالے سے پیش کیا جو تمام راویوں کے نزدیک حرف بحرف درست ہے جس میں اس کے اظہر من الشمس ہونے کی وجہ سے نہ کسی اختلاف کی گنجائش ہے نہ کسی ایک نام میں ردوبدل کی۔

بہرکیف ہم آنحضرت ﷺ کے اس نسب نامے پر حسب توفیق دوسرے اہل عرب کے نسب ناموں کے ساتھ آگے چل کر ان شاء اللہ اور زیادہ تفصیلی گفتگو کریں گے۔ وما توفیقنا الا باللّٰہ.

ویسے آنحضرت ﷺ کے اس نسب نامے کو امام ابوالعباس عبداللہ بن محمد ناشی نے عربی میں انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ نظم کیا ہے جس کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے شیخ ابوعمر بن عبدالبر‘ حافظ ابوالحجاج انمری اور متعدد دوسرے عربی ادب کے ناقدین نے ان کے علم و فضل اور وسعت مطالعہ و تحقیق کی حد درجہ داد دی ہے۔

ابوالعباس عبداللہ بن محمد ناشی اصلاً انبار کے رہنے والے تھے جہاں سے وہ پہلے بغداد گئے اور وہاں سے مصر چلے گئے تھے۔

خطیب بغدادی نے عبداللہ بن محمد ناشی کے اس منظوم نسب نامے اور اسی میں شامل حضور نبی کریم ﷺ کی مدح میں قصیدے کے اشعار کی تعداد چار ہزار بتائی ہے اور اسے انتہائی لائق تحسین و تمجید بتایا ہے۔

خطیب بغدادی ہی نے عبداللہ بن محمد ناشی کا سال وفات دو سو ترانوے ہجری بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ عرب کے اس عظیم شاعر اور حضور نبی کریم ﷺ کے اس گراں قدر مداح کو اپنی بے پایاں رحمت سے نوازے۔ آمین!

حجاز کے عربی قبائل کا عدنان تک اصولِ انساب

حجازی علمائے انساب نے عدنان کا نسب نامہ بتاتے ہوئے بتایا ہے کہ ان کے دو بیٹے معد اور عک تھے۔

سہیلی نے عدنان کے نسب نامے میں ان کے ایک بیٹے کا نام حارث بھی بتایا ہے جسے المذہب بھی کہا جاتا تھا۔

سہیلی کہتے ہیں کہ عدنان کی اولاد میں ان کے ایک بیٹے کا نام ضحاک بھی بتایا گیا ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ضحاک عدنان کا نہیں بلکہ معاد کا بیٹا تھا۔

سہیلی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عدنان کا ایک بیٹا عدن بھی جس کے نام پر شہر عدن آباد ہوا لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عدن نام کے دو شخص ہوئے ہیں جن میں سے ایک عدنان کا بیٹا تھا۔ یہ روایت طبری کی ہے جو یہ بھی کہتے ہیں کہ عدنان کے بیٹے عک نے اشعریوں میں شادی کی تھی اور یمن میں انہی کے شہر میں رہ پڑا تھا نیز ان کی زبان کی لغات پر بھی اسے عبور حاصل تھا اور وہ یمن کے اہل زبان کی طرح اس زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اس لیے یمن کے لوگ اسے یمن ہی کا باشندہ جانتے تھے اور وہ اس کا سلسلہ نسب عک بن عدنان بن عبداللہ بن ازد بن یغوث بیان کرتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگ عک بن عدنان بن ذیب بن عبداللہ بن اسد بتاتے ہیں لیکن بعض لوگ اس دوسرے سلسلہ نسب میں ذیب کی جگہ ریث بتاتے ہیں۔

بہرحال عدنان کے دو بیٹے اور ان کا نسب نامہ وہی صحیح ہے اور متفق علیہ ہے جسے ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔ تاہم معد کے ہاں چار بیٹے ہوئے اور ان بیٹوں کے صحیح نام یہ ہیں: نزار، قضاعہ، قنص اور ایاد۔

قضاعہ کے بارے میں ہم نے پہلے جو کچھ بیان کیا ہے یعنی اس کی نسل کے بارے میں وہ ابن اسحٰق کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ قضاعہ مجرد اور غیر شادی شدہ تھا یا اس کی اولاد کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

جہاں تک قنص کا تعلق ہے اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اسے یمن ہی میں لوگوں نے ہلاک کر دیا تھا اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی جس کی وجہ سے اس کی نسل ہی کا خاتمہ ہو گیا۔ البتہ نعمان بن منذر حیرہ میں کسریٰ کا نائب السلطنت تھا اور وہی اپنے اسلاف کے ایک گروہ کا فرد واحد باقی رہ گیا تھا۔

نزار کے تین بیٹے ربیعہ، مضر اور انمار ہوئے۔ لیکن ابن ہشام کہتے ہیں کہ ایاد بن نزار کا بیٹا تھا۔

ابن ہشام کے بقول ایاد و مضر سگے بھائی تھے اور ان کی ماں کا نام سودہ بنت عک بن عدنان تھا جب کہ ربیعہ اور انمار کی ماں کا نام سقیفہ بنت عک بن عدنان تھا۔ شقیفہ کا نام جمعہ بنت عک بن عدنان بھی بتایا گیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انمار قبیلہ جریر ابن عبداللہ بن البجلی کے دو مشہور جوانوں خثعم اور بجیلہ کا باپ تھا' اس نے اسی قبیلے میں شادی کی تھی اور یمن ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

ابن اسحق بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن انمار کو انمار بن اراش ابن لحیان بن عمرو الغوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بتاتے ہیں اور یہی درست بھی ہے کیونکہ سبا کے بارے میں ایک حدیث نبوی سے جسے ہم پہلے پیش کر چکے ہیں اسی کا ثبوت ملتا ہے۔

کہتے ہیں کہ مضر عرب کا پہلا حدی خواں تھا اور بڑا خوش گلو تھا لیکن ایک روز وہ اونٹ سے گرا تو اس کا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا' اور وہ ہائے میرا ہاتھ' ہائے میرا ہاتھ کرتا رہ گیا۔ تاہم اس کی وجہ اس کا اونٹ کو تیز بھگانا تھا۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ مضر بن نزار کے دو بیٹے تھے جن کے نام الیاس اور عیلان تھے اور الیاس کے بیٹوں کے نام مدرکہ' طانجہ اور قمعہ بتائے جاتے ہیں اور ان کی ماں کا نام خندف بنت عمران بن الحان بن قضاعہ بتایا جاتا ہے۔

ابن اسحق بیان کرتے ہیں کہ مدرکہ کا اصل نام عامر اور طانجہ کا اصل نام عمرو تھا' لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ وہ دونوں شکار کو گئے اور جو کچھ شکار کیا تھا اسے وہیں پکانے بیٹھ گئے لیکن اس دوران میں ان کا اونٹ بھاگ نکلا تو عامر اس کی تلاش میں گیا اور اسے پکڑ کر واپس لایا جب کہ عمرو وہیں بیٹھا کھانا پکاتا رہا۔

جب وہ دونوں بھائی شکار سے واپس لوٹے اور اپنے باپ الیاس سے وہ واقعہ بیان کیا تو اس نے مزاحاً عامر کا نام جو اونٹ کو تلاش کر کے لایا تھا مدرکہ اور عمرو کا نام جو کھانا پکاتا رہ گیا تھا طانجہ رکھ دیا اور پھر وہ دونوں بھائی انہی ناموں سے مشہور ہو گئے۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ مدرکہ کے ہاں خزیمہ اور ہذیل پیدا ہوئے تھے جن کی ماں بنی قضاعہ کی ایک عورت تھی اور خزیمہ کے ہاں کنانہ' اسد' اسدہ' ہون اور کنانہ کے ہاں ابو جعفر طبری پیدا ہوئے۔ تاہم ابو جعفر طبری کے کنانہ کا بیٹا ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ویسے کنانہ کے بیٹے عامر' حارث' نضیر' غنما' سعد' عوف' جرولا' حدال اور غزوان بتائے جاتے ہیں۔

بعض لوگ نضر' مالکا' عبد منات اور ملکان کو بھی کنانہ ہی کے بیٹے بتاتے ہیں۔

قریش کے نسب' ان کی شاخوں اور ان کی ایک شاخ بنو نضر بن کنانہ کے فضلاء کا ذکر

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ برہ بنت مرہ بن اد بن طانجہ صرف نضر کی ماں تھیں جب کہ ان کے شوہر کے دوسرے سب بیٹے ان کی دوسری بیوی سے تھے لیکن ابن ہشام ابن اسحاق کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ برہ نضر' مالک اور ملکان تینوں کی ماں تھیں۔

ابن ہشام یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عبد منات کی والدہ ہالہ بنت سوید بن عظریف جن کا تعلق قبیلہ ازشنوہ سے تھا۔

اب ہشام کے مطابق صرف نضر کی نسل کے لوگ قریش ہیں اور وہی قرشی کہلانے کے مستحق ہیں اور جو لوگ ان کی نسل سے نہیں ہیں وہ قریش ہیں اور نہ قرشی کہلائے جا سکتے ہیں۔

ابن ہشام نے فہر بن مالک کو قریش اور ان کی اولاد کو بھی قرشی بتائے ہوئے ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو منجملہ قریش یا قرشی کہلانے کا مستحق نہیں سمجھا۔

یہی دونوں قول متعدد دائمہ علم الانساب نے بھی جن میں شیخ ابن عمر بن عبد البر' زبیر بن بکار اور مصعب وغیرہ شامل ہیں پیش کیے ہیں یعنی یہی بیانات ان کے بھی ہیں۔

ابوعبید اور ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے نضر کو کنانہ کا بیٹا بتایا ہے' یہی بیان اسعد بن قیس کا ہے جو اس سلسلے میں ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ شافعی کا ماٴخذ ہے۔

ابوعمر نے خصوصیت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ فہر بن مالک کی نسل میں سے کسی نے قریش سے اپنے نسبی تعلق کا اظہار نہیں کیا بلکہ خود اپنے آپ کو فہر بن مالک کی نسل سے بتاتے ہوئے اس کے ثبوت میں زبیر' مصعب زبیری اور علی بن کیسان کے بیانات پیش کیے ہیں۔

زبیر بن بکار جنہوں نے قریش کے نسب ناموں کی تحقیق میں بڑی جدوجہد کی ہے وہ بھی فہر بن مالک اور نضر بن کنانہ کو نسبی طور پر الگ الگ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے کیونکہ فہر بن مالک کا نسل قریش سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اپنے اس بیان کی تائید میں علم الانساب کے بڑے بڑے جید علماء اور حفاظ انساب کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ کلیب بن وائل کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آغوش میں تربیت یافتہ

آپ کی بیٹی زینب سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اگر اپنے نسب کے بارے میں کبھی ان سے کچھ فرمایا تو وہ انہیں بتائیں تو وہ بولیں کہ" وہ اس کے سوا اور کیا فرما سکتے تھے کہ وہ حضرت نضر بن کنانہ کی نسل سے ہیں"۔

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے ابراہیم بن نائلہ اصفہانی نے اسماعیل بن عمرو بجلی حسن بن صالح اور ان کے والد اور جشیش الکندی کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز قبیلہ کندہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے کہا کہ" آپ ہم میں سے ہیں"۔ اور پھر آپ کو اپنے قبیلے میں تشریف لے جانے کی دعوت دی تو آپؐ نے فرمایا: "نہیں' ہم بنی نضر بن کنانہ ہیں اگر کوئی اس سے اتفاق کرتا ہے تو فبہا اور کوئی انکار کرے تو کیا کرے"۔ (حدیث نبوی کا مفہومی ترجمہ)

امام ابوعثمان سعید بن یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد اور کلبی سے ابی صالح اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے سنا کہ ایک دن بنی کندہ کا کوئی شخص جسے جشیش کہا جاتا تھا ایک روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپؐ سے عرض کیا: "یارسول اللہ (ﷺ) ہمارا خیال ہے کہ عبد مناف ہم میں سے ہیں"۔

اس شخص کے اس سوال کا آنحضرت ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے دوبارہ وہی سوال کیا تب بھی آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن جب تیسری بار اس نے وہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہم کوئی مانے نہ مانے' نضر بن کنانہ کی نسل سے ہیں۔ (حدیث نبوی کا توضیحی ترجمہ)

ابن ہشام نضر بن کنانہ کی والدہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ برہ بنت مر یعنی تمیم بن مر کی بہن تھیں۔

قریش کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قریش لفظ تقرش سے مشتق ہے جس کے معنی اکتساب اور تجارت کے ہیں۔ چونکہ قبیلہ قریش اکتساب رزق تجارت کے ذریعہ کرتا تھا اور اس کی تجارت شام کے علاوہ اور ملکوں تک پھیلی ہوئی تھی اس لیے وہ قریش کہلایا جانے لگا اور اس قبیلے کے افراد قرشی کے نام سے مشہور ہوئے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے یہ پورا قبیلہ نضر بن کنانہ کی نسل سے تھا اس لیے اس میں کسی اور قبیلے کے لوگوں کو شامل نہیں کیا جا سکتا نہ کوئی اور لوگ قریش یا قرشی کہلائے یا کہے جا سکتے ہیں۔ اس کا مکمل ثبوت دو مندرجہ بالا احادیث نبوی سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔

بہرکیف زبیر بن بکار قریش کو قرش کی تصغیر بتا کر کہتے ہیں جو سمندر کی تیز رو لہر یا کسی سمندری جانور کے نام سے ماخوذ ہے اور بعض شعرائے عرب نے بھی یہی کہا ہے مثلاً:

و قریش هی التی تسکن البحر وبها سُمِّیت قریش قریشا

یہ شعر جمحی کا ہے جس نے اس قافیے میں قریش کی شان میں کئی دوسرے اشعار بھی کہے ہیں۔

مسلمؒ "صحیح مسلم" میں ابی عمرو اوزاعی کی زبانی شداد ابوعمار اور واثلہ ابن اسقع کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کنانہ کو منتخب فرمایا اور کنانہ میں قریش کو' قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں مجھے منتخب فرمایا"۔

قصی بن کلاب کے بیت اللہ کی تولیت قریش کو منتقل کرنے بنی خزاعہ کے اس میں مزاحمت کرنے اور قریش کے حرم میں (جسے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر منتشر اپنے بندوں کے لیے جائے امن بنایا ہے) اجتماع کا ذکر

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب قصی کے باپ کلاب کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی ماں نے عذرہ کے ربیعہ بن حرام سے نکاح کر لیا تھا اور ربیعہ اس کی ماں اور اسے ساتھ لے کر اپنے شہر چلا گیا تھا اور پھر قصی جوان ہو کر مکے لوٹا تھا اور وہاں آ کر خزاعہ کے رئیس حلیل بن حبشیہ کی بیٹی حبی سے شادی کر لی تھی۔

اسی زمانے میں بنی خزاعہ کے خزانہ نامی ایک شخص نے یہ سمجھ کر کہ اگر حلیل کی بیٹی حبی کے بطن سے قصی کے کئی بچے پیدا ہو گئے تو یقیناً حلیل خانہ کعبہ کی تولیت قصی یعنی اپنے داماد کے نام منتقل کر دے گا اور پھر اس سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ بھی قصی کے قبضے میں آ جائے گی حلیل کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ خانہ کعبہ کی تولیت پر قصی کے مقابلے میں اس کا حق زیادہ ہے کیونکہ اس کا تعلق بنی خزاعہ سے ہے جب کہ قصی بنی کنانہ کی نسل سے ہے۔

خزاعہ سے یہ سن کر حلیل نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ابھی مرا نہیں جا رہا ہے اس لیے یہ قضیہ آئندہ طے کر لیا جائے گا لیکن خزاعہ نے جب بہت زیادہ اصرار کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ وہ یہ کام اپنی زندگی ہی میں کر دے۔

خزاعہ کی اس بے جا ضد پر حلیل کو غصہ آ گیا اور اس نے خانہ کعبہ کی تولیت اس کے نام منتقل کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

حلیل کے انکار سے خزاعہ کا یہ خیال یقین میں بدل گیا کہ حلیل بیت اللہ کی تولیت اور اس کا سارا زر و مال قصی ہی کو دے گا اور اس نے حلیل سے لڑائی کی ٹھان لی۔

یہ دیکھ کر حلیل نے مکے میں موجود بنی کنانہ کو جمع کیا اور انہیں یہ قصہ سنایا تو وہ بھی خزاعہ کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے۔

اس کے بعد بنی خزاعہ اور بنی کنانہ جہاں جہاں بھی تھے سب آ کر مکے میں جمع ہو گئے اور ان میں باہم سخت جنگ چھڑ گئی اور کئی سال تک جاری رہی۔

آخر کار اس جنگ میں بنی کنانہ کو فتح حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں بیت اللہ کی تولیت قصی کے نام ہو گئی۔

اس کے بعد خانہ کعبہ کی تولیت کبھی بنی خزاعہ اور کبھی بنی کنانہ میں منتقل ہوتی رہی حتیٰ کہ مجاہدین اسلام نے اپنی عدل پسندی اور سچے مذہبی رجحانات کی وجہ سے غلبہ حاصل کر لیا اس وقت خانہ کعبہ کی تولیت بنی ہاشم کے پاس تھی جس کے بعد اسلام عرب میں ہر جگہ پھیلتا چلا گیا اور جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں خانہ کعبہ کو بتوں سے خالی کرا کے ایک بار پھر دین ابراہیمی یعنی اسلام کی تولیت قائم کر

کے بیت اللہ کی عزت وحرمت ہمیشہ کے لیے بحال کر دی گئی۔

بہرکیف یاد رہے کہ قصی نے کبرسنی میں خانہ کعبہ کی تولیت اور اس سے منسلک زیادہ تر اختیارات اپنے سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دے دیئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ اختیارات اپنے بھائیوں عبد مناف وغیرہ کو بھی دیئے تھے اور آخر میں جملہ اختیارات عبد مناف کی اولاد بنی ہاشم کے پاس آ گئے تھے جن کے ایک بزرگ جناب عبدالمطلب سے مشرکین قریش اس لیے برسر پیکار ہو گئے تھے کہ ان کے پوتے حضرت محمد ﷺ نے جو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے انہیں کفر سے کنارہ کشی کر کے اسلام کی دعوت دی تھی۔ تاہم اپنے سامنے آنے والی جملہ مشکلات برداشت کرنے کے بعد جب آپؐ نے مکہ فتح کیا تو اہل مکہ کے ساتھ جو نرمی برتی گئی بلکہ اس حسن سلوک کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے اور اسے تاریخ عالم میں آج تک نقش دوام حاصل ہے۔

زمانہ جاہلیت کے سب سے بڑے سخی حاتم طائی کا ذکر

حاتم طائی کا پورا نام حاتم بن عبداللہ بن سعد بن حشرج بن امری القیس بن حازم بن ابی حازم تھا جب کہ ابی حازم کو ہردمہ بن ربیعہ بن جرول بن ثعل بن عمر بن الغوث بن طئی کہا جاتا تھا۔

حاتم طائی زمانہ جاہلیت میں سب سے بڑا فراخ دل' کشادہ دست اور سخی مانا جاتا تھا اور اس کی سخاوت کے ہر طرف چرچے تھے اور لوگ ہر وقت اس کی مدح میں رطب اللسان رہتے تھے۔ حاتم کے بیٹے عدی نے زمانہ اسلام میں سخاوت میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔

حاتم طائی کی سخاوت اور دریا دلی کے سینکڑوں طویل اور عجیب وغریب قصے مشہور ہیں تاہم ان میں سے ثقہ راویوں کے حوالے سے جو قصے کتب تواریخ میں درج کیے گئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں کہ اس نے کبھی کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا' ایک بار مہمانوں کے لیے اپنی سواری کا واحد گھوڑا ذبح کر دیا' ایک یتیم لڑکے کو اپنی سو بکریوں کا ریوڑ پورا کا پورا دے دیا' خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلایا پلایا۔

حاتم کی بیوی کا بیان ہے کہ ایک بار خود اس کے ننھے ننھے بچے بھوک سے بلبلاتے رہے لیکن اس نے پڑوسی کے دوسرے غریب بچوں کو اس کے پاس اس روز کھانے کو جو کچھ تھا کھلا دیا۔ اور یہ دیکھ کر سب پڑوسی کہنے لگے کہ اس سے بڑا سخی ان کی نظر سے کبھی نہیں گزرا تھا۔

حاتم کی بیوی ہی سے یہ حکایت منسوب ہے کہ اس کی اس درجہ سخاوت اور اپنی اور اپنے بچوں کی خستہ حالی سے تنگ آ کر اس نے اپنا خیمہ اس کے خیمے سے بہت دور لگالیا جو اس زمانے میں شوہر سے علیحدگی کا نشان سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کے قبیلے والوں کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اس کا اور اپنے بچوں کا خیال رکھنے لگے گا لیکن اس سے بھی اس کی دریا دلی اور سخاوت میں فرق نہیں آیا۔ البتہ جیسا کہ اس کی بیوی کا بیان ہے اس کے باوجود اس نے اپنی بیوی بچوں کی کفالت میں حتی الامکان کبھی کمی نہیں آنے دی بلکہ وہ جب کبھی سفر سے لوٹتا تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ لاتا اور اسے بھیج دیتا تھا۔

حاتم طائی کی سخاوت کے قصے عربی میں کثرت سے نظم کیے گئے ہیں جن میں سے کچھ ابھی تک زبان زد خاص و عام چلے آتے ہیں۔ البتہ اس کی سخاوت کی بناء پر اس کے ناجی ہونے کے بارے میں اہل اسلام کو ابھی تک کلام رہا ہے اور اس کے ثبوت میں علی الترتیب حافظ ابوبکر البزار اور امام احمدؒ سے مروی دو احادیث نبوی پیش کی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

حافظ ابوبکر البزار اپنی مسند میں محمد بن معمر' عبید اللہ بن واقد القیسی اور ابونصر الناجی کی زبانی اور عبداللہ بن دینار اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں آنحضرت ﷺ کے سامنے حاتم طائی کا ذکر آیا

تو آپؐ نے فرمایا کہ ''جو کچھ اس کا مقصد تھا اس نے (دنیا ہی میں) پالیا''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یزید بن اسماعیل اور سفیان نے سماک بن حرب مری بن قطری اور عدی بن حاتم کے حوالے سے بیان کیا کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے (جو مسلمان ہو گئے تھے) ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ حاتم طائی کے ناجی ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے باپ نے جو چاہا (دنیا ہی میں) پالیا (یعنی آخرت میں اس کے اجر کی امید نہ رکھی جائے)

یہی سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کے بارے میں کیا گیا تھا جو مہمان داری اور داد و دہش میں بہت مشہور تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ ''اس نے ان تمام دنیاوی خوبیوں کے باوجود زندگی میں کبھی خدا سے اپنے گناہوں کی توبہ اور آخرت میں اپنی نجات کے لیے توبہ نہیں کی تھی''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص اپنی تمام تر سخاوت اور دنیوی خوبیوں کے باوصف خدا پر ایمان بغیر اس کی مغفرت کا حق دار نہیں ہو سکتا۔

امرئ القیس بن حجر' معلقات میں سے ایک کے مصنف کا ذکر

امرئ القیس بن حجر عرب کے زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر کو اس اس زمانے کا عظیم ترین شاعر گردانا گیا ہے اور عربی شاعری میں اس کے مجموعہ کلام (معلقہ) کو سات معلقات میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔

اس کی تعلّیوں یعنی فخریہ اشعار میں اس کا درج ذیل مصرعہ سب سے زیادہ مشہور ہے:

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل.

''میرے بعد میرا ذکر محبت اور عزت سے کیا جائے گا''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ہشام اور ابوالجہم نے زہری' ابی سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''امرؤ القیس (روز قیامت) جہنم کی طرف لیے جانے والے شاعروں کا علمبردار ہوگا''۔

یہی حدیث نبوی ہشام وغیرہ کے علاوہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اکثر دوسرے راویوں نے روایت کی ہے لیکن صرف اس وجہ سے کہ اس کا استخراج ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے اس حدیث کی صحت یقینی نہیں ہو سکتی۔

حافظ ابن عساکر نے امرؤ القیس کا پورا نام امرؤ القیس بن حجر بن حارث بن عمرو بن حجر آکل المرار بن عمرو بن معاویہ بن حارث بن یعرب بن ثور بن مرتع بن کندہ بتایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسے ابو یزید اور ابو وہب بھی کہا جاتا تھا نیز بیان کیا ہے کہ وہ زیادہ تر ابوالحارث الکندی کے نام سے مشہور تھا۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ امرؤ القیس کا تعلق دمشق کے ایک علاقے سے تھا جس کا ذکر اس نے اپنے اشعار میں بڑے خوبصورت انداز سے کیا ہے۔

ابن عساکر ہی ہشام بن محمد بن سائب کلبی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس سے اس کے بقول فروہ بن سعید بن عفیف بن معدی کرب نے اپنے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دن وہ دونوں باپ بیٹے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ امرؤ القیس کا ذکر چھڑ گیا تو ان دونوں نے آپؐ سے عرض کیا امرؤ القیس کے دو شعروں نے ایک دن ان کی جان بچالی تھی پھر اس کا قصہ عرض کیا کہ ایک سفر کے دوران میں جب وہ چند اور لوگوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے تو انہیں کافی دیر کہیں دور دور تک پانی نہ ملا' اور وہ سب کے سب راستے میں ایک درخت کے نیچے جا پڑے اور وہاں ان کی یہ حالت تھی کہ اب دم نکلا اب دم نکلا کہ اچانک ان کے سامنے سے اونٹ پر سوار ایک مسافر گزرا تو انہیں دیکھ کر وہ ان کے قریب آ گیا اور ان سے پوچھا کہ ان کا یہ حال کیوں ہے۔ اس کے اس سوال کے جواب میں ان دونوں میں سے ایک نے بڑی مشکل سے ہمت کر کے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ۔

وہاں سے وہ تبالہ چلا گیا تھا جہاں ایک بت خانے میں ذوالخلصہ نام کا بت رکھا گیا تھا اور اس کے پجاری وہاں تبرکاً زائرین کو شراب پیش کیا کرتے تھے۔ امرؤ القیس کو شراب کے چار پیالے پیش کیے گئے لیکن اس نے وہ سب کے سب یکے بعد دیگرے اس بت کے منہ پر مار مار کے توڑ ڈالے' پھر بولا:

''تو کیسا ذوالخلصہ ہے جو میرے باپ کو موت سے خلاصی نہ دے سکا۔ اگر تیرا باپ قتل کیا جاتا تو کیا پھر بھی تو خاموش رہتا؟''۔

تبالہ سے وہ بنی اسد کی طرف گیا اور وہاں جنگ میں بہت سے لوگ قتل کر دیئے۔

کلبی کہتے ہیں کہ اس کے بعد زمانہ اسلام کے آغاز تک ذوالخلصہ کے بت خانے میں کوئی تبرک تقسیم نہیں کیا گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امرؤ القیس نے قیصر روم کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا لیکن جب اس کی حسب امید پذیرائی نہ ہوئی تو اس نے قیصر روم کی ہجو کہہ ڈالی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا اور اس کی موت ایک عورت کی قبر کے پاس ہوئی جو کہ عسیب کے قریب واقع تھی۔

زمانہ جاہلیت کے شاعروں میں زمانہ اسلام پانے والے شاعر ابی صلت ثقفی کا کچھ ذکر

حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ابی صلت ثقفی کا خاندانی نام امیہ بن ابی صلت عبداللہ بن ابی ربیعہ بن عوف بن عقدہ بن عزہ ابن عوف بن ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن ابوعثمان تھا' اسے ابوالحکم ثقفی بھی کہا جاتا تھا' وہ زمانہ جاہلیت کا شاعر تھا اور آغاز اسلام سے قبل دمشق میں مستقل جابسا تھا[1]' اس نے اسلام قبول کرلیا تھا لیکن بعد میں مرتد ہوگیا تھا' وہ ابی صلت ہی تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

''اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں (اور ہفت پارچہ علم شرائع سے مزین کیا) تو اس نے ان کو اتار دیا پھر شیطان نے بہکایا تو وہ گمراہوں میں ہوگیا''۔ (۷:۱۷۵)

زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کا شاعر امیہ بن ابی صلت رقیہ بنت عبدشمس بن عبدمناف کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس کے باپ ابی صلت کا خاندانی نام ربیعہ بن وہب بن علاج بن ابی سلمہ بن ثقیف تھا لیکن کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے' اس کے باپ کا شمار طائف کے مشہور شاعروں میں ہوتا تھا لیکن خود اُمیہ ابن ابی صلت اپنے زمانے میں سب سے زیدہ شہرت رکھتا تھا۔

عبدالرزاق ثوری کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر سے حبیب بن ابی ثابت نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ قرآنی آیہ شریفہ: ''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ'' الخ میں جس شخص کا ذکر آیا ہے وہ امیہ بن ابی صلت ہی تھا۔

ابوبکر بن مردویہ نے ابی بکر شافعی' معاذ بن مثنیٰ' مسدد' ابی عوانہ' عبدالملک بن عمیر اور نافع بن عاصم بن مسعود کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر خود اس کے بقول اس حلقے میں شامل تھا جہاں قرآنی آیت: ''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ'' الخ کے بارے میں حاضرین نے بالاتفاق بیان کیا کہ یہ آیت امیہ بن ابی صلت کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ تاہم بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآنی آیت میں صیفی بن راہب کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ کچھ اور لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے ایک شخص بلعم کے بارے میں اُتری تھی۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر میں ''قدم دمشق قبل الاسلام و قيل انه كان مستقيما'' (آغاز اسلام سے قبل دمشق میں مستقل جابسا تھا) ہی لکھا ہے لیکن بعض کتابوں میں ''مستقيمًا'' کی جگہ ''نبيًا'' لکھا ہے۔

بہر حال اس روایت کے آخر میں ابو بکر بن مردویہ کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے یہی بیان کیا ہے کہ اس آیت قرآنی میں امیہ بن ابی صلت ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہی بات ابو صالح اور کلبی نے قتادہ کے حوالے سے کہی ہے۔

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن عبد العزیز' عبد اللہ بن شعیب الربعی' محمد بن مسلمہ بن ہشام مخزومی' اسماعیل ابن طریح بن اسماعیل ابن طریح بن اسماعیل ثقفی نے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول اس کے باپ اور دادا نے اس سے بیان کیا کہ ان دونوں کو مروان بن حکم نے معاویہ بن ابی سفیان اور ان کے والد کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر کے بقول وہ اور امیہ بن ابی صلت ایک دفعہ چند اور لوگوں کے ساتھ تجارتی سلسلے میں شام کی طرف جا رہے تھے تو ابی صلت منزل بہ منزل ٹھہر کر اپنے سامانِ سفر میں سے ایک کتاب نکالتا اور ہم لوگوں کو پڑھ کر سناتا جاتا تھا۔ اسی طرح ہم ایک گاؤں میں پہنچے جہاں عیسائی رہتے تھے تو وہاں کے باشندوں نے آگے آ کر ہمارا استقبال کیا اور سب سے زیادہ تعظیم و تکریم ابی صلت کی کی اور اسے دوسرے تحائف کے علاوہ کچھ زر نقد بھی پیش کیا اور اسے اپنے ساتھ اپنے گھروں تک لے گئے۔

وہ جب واپس آیا تو اس کے پیچھے پیچھے ان نصرانیوں کا ایک شیخ (پادری) بھی آیا جہاں واپس آ کر ابی صلت نے اپنے کپڑے اتار کر وہ سیاہ لباس پہن لیا جو وہ ان عیسائیوں کے گاؤں سے اپنے ساتھ لایا تھا۔

اس کے بعد جیسا کہ ابی سفیان نے بتایا' ابی صلت رات بھر ٹہلتا رہا اور ایک گھڑی کے لیے بھی نہیں سویا۔ پھر جب ہم سو کر اٹھے تو اس نے مجھ سے کہا: ''تم نے ان نصرانیوں کے حیرت ناک کارنامے دیکھے؟ میں نے کہا: ''کون سے کارنامے؟'' وہ بولا: ''اگر تم دیکھتے تو تم بھی حیران رہ جاتے''۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا: ''ابی سفیان! تم ثقفی ہو نا؟'' میں نے کہا: ''نہیں میں تو قرشی ہوں''۔ یہ سن کر وہ بولا: ''خیر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اہل نصاریٰ اور اہل اسلام میں سے کون ناجی ہیں اور جنت میں جاتے ہیں اور کون جہنم میں''۔

ابو سفیان کے مطابق اس زمانے میں ابی صلت بظاہر مسلمان ہو چکا تھا لیکن یقیناً وہ منافق تھا اور اس کے بعد کھلم کھلا مرتد ہو گیا اور قرآنی آیت: ''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ'' الخ ابی سفیان کے نزدیک بھی یقیناً اس کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

اس روایت کے آخر میں طبرانی نے مندرجہ بالا حوالوں کے علاوہ ابو سفیان کے حوالے سے بتایا ہے کہ جب وہ لوگ شام سے مکے واپس ہوئے تو ابی صلت دعویٰ کرنے لگا تھا کہ اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ بنی ثقیف کے علاوہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد کسی دوسرے قبیلے میں نبی کا آنا ناممکن تھا۔

ابو سفیان کے بقول ابی صلت کے قبیلے والوں نے اس کے ان ہذیانات پر اسے بہت برا بھلا کہا بلکہ زدوکوب تک کیا لیکن وہ مرتے مرتے اپنی اسی ضد پر قائم رہا۔

بحیرہ راہب کا ذکر

ویسے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے رسول اللہ ﷺ کو سرزمین عرب میں نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرما لیا تھا لیکن آپ کی بعثت مبارکہ و شریفہ سے قبل بھی آپ کی زندگی میں جب آپ کمسن ہی تھے آپؐ سے متعلق ایسے واقعات ظہور پذیر ہونے لگے تھے کہ انہوں نے دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیا تھا مثلاً جب آپ کی عمر شریف صرف بارہ سال تھی اور آپ اپنے چچا جناب ابو طالب کے ہمراہ تجارتی سلسلے میں مکے سے شام تشریف لے جا رہے تھے تو بحیرا راہب نے یہ دیکھ کر کہ آپؐ کے ہمراہیوں میں سے صرف آپؐ پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کیے ہوئے آپؐ کے ساتھ ساتھ فضا میں چل رہا ہے اپنے گرجا سے آگے آ کر بڑی تعظیم و تکریم سے آپ کا اور آپؐ کے ہمراہیوں کا استقبال کیا اور آپ کی وجہ سے آپؐ کے جملہ ہمراہیوں کو گرجا کے اندر لے گیا اور آپؐ سے وہاں قیام کی درخواست کر کے آپ کی ضیافت و مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جس کا ذکر ہم آپ کی سیرت کے ساتھ ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع تفصیل سے کریں گے جیسے ترمذیؒ نے آپ کی سیرت مبارکہ کے سلسلے میں بیان کیا ہے اور ابن عساکر نے بھی اسے بہ اسناد و شواہد اپنی تاریخ میں پیش کیا ہے۔

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ بحیرا راہب نواحی شام کے ایک گاؤں السکفر[1] کے گرجا میں رہتا تھا' جسے ''دیر بحیرا'' کہا جاتا تھا اور اس گاؤں اور بصرے کی درمیانی مسافت چھ میل تھی۔

ابن عساکر یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس گاؤں کو بعض لوگ بلقاء کے علاقے کا گاؤں بتاتے ہیں جو مذکورہ بالا گاؤں سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔ واللہ اعلم

[1] صحیح ترمذی اور تاریخ ابن عساکر میں اس گاؤں کا یہی نام لکھا ہے جب کہ اسے معجم البلدان میں اسے شامی علاقے کا ایک گاؤں کفر یہ بتایا گیا ہے۔

قس بن ساعدہ الایادی کا ذکر

حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی نے اپنی کتاب "ھواتف الجان" میں متعدد مستند حوالوں کے ساتھ لکھا ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ ایاد کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کے افراد سے دریافت فرمایا کہ قس کا کیا ہوا تو وہ بولے کہ یارسول اللہ (ﷺ) وہ تو ہلاک ہو گیا۔

اس کے بعد حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا ان میں سے کسی کو یاد ہے کہ اس نے ایک روز مکے کے بازار عکاظ میں سرخ اونٹ پر بیٹھ کر لوگوں سے کیا کہا تھا؟ اور کیسی عجیب وغریب حیرت انگیز اور عبرت آمیز باتیں کی تھیں؟

آپؐ کے اس سوال کے جواب میں ایک اعرابی نے اٹھ کر عرض کیا: "یارسول اللہ (ﷺ) مجھے یاد ہے"۔ اس اعرابی سے یہ سن کر آپؐ نے مسرت کا اظہار فرمایا کہ "اس نے وہاں لوگوں سے کہا تھا کہ لوگو! میرے پاس جمع ہو جاؤ اور میری باتیں کان لگا کر سنو"۔ پھر اس نے لوگوں کو کائنات واشیائے کائنات کی باتیں بتا کر کہا تھا کہ "آج پہاڑ سر بلند کیے کھڑے ہیں' دریا بہہ رہے ہیں' ستارے گردش کر رہے ہیں سمندروں میں کوئی تغیر نہیں' راتیں اور دن آ جا رہے ہیں لیکن ایک دن جو آیا ہے اسے جانا ہے' یہ بات اٹل ہے' اگر تم کھڑے رہنا چاہو تو کھڑے رہو اور سونا چاہو تو سو جاؤ لیکن موت بہرحال سب کا مقدر ہے۔ اور سب کو ایک دن خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے میں دیکھتا ہوں کہ جو جاتے ہیں پھر لوٹ کر نہیں آتے' آسمانوں میں خیر ہے اور زمین جائے عبرت ہے"۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ کا جو دین ہے وہی قس نے اختیار کیا اور اللہ اس سے راضی ہو گیا تھا۔ الحمد للہ کہ تم بھی اس دین پر چل رہے ہو جو قس بن ساعدہ ایادی کا دین تھا"۔ (حدیث نبوی کا مفہومی وتوضیحی ترجمہ)

آخر میں آپؐ نے حاضرین سے فرمایا تھا کہ اگر کسی کو قس کے کچھ شعر یاد ہوں تو سنائے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے اس کے چیدہ چیدہ اشعار آپ کو سنائے تھے۔

یہ حدیث نبوی جو اپنی جگہ غریب ہے حافظ ابوبکر کے علاوہ متعدد دوسرے ثقہ راویوں نے اپنے اپنے انداز میں کہیں لفظی' کہیں مفہومی اور کہیں توضیحی طور پر روایت کی ہے ان میں طبرانی جس نے اپنی کتاب "المعجم الکبیر" میں اور حافظ بیہقی جس نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں یہ حدیث بہ اسناد پیش کی ہے نمایاں ہیں۔

زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کا ذکر

زید کا پورا خاندانی نام زید بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی تھا۔

زید کا یہ نسب نامہ زبیر بن بکار اور ابن اسحٰق کا بیان کردہ ہے۔

زید بن عمرو نے اصنام پرستی چھوڑ کر اپنے آبائی مذہب سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کے علاوہ کسی اور جانور کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔

یونس بن بکیر محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد اور اسماء بنت ابوبکر کے حوالے سے بیان کیا کہ انہیں بتایا کہ انہوں نے زید بن عمرو کو خانہ کعبہ کی طرف پشت کیے ہوئے بیٹھے اور قریش سے یوں خطاب کرتے ہوئے دیکھا اور سنا کہ ''اے قریش کے لوگو! تم سے میرے سوا کوئی اب تک دین ابراہیم پر چلنے والا پیدا نہیں ہوا''۔ پھر کبھی اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے کہتے ''یا اللہ کاش میں جانتا کہ مجھے تیری ہی عبادت کیوں عزیز ہے اور اگر اس وقت کسی سواری پر بیٹھے ہوتے تو اسی پر بیٹھے بیٹھے خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔

یہی روایت ابواسامہ نے ہشام کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے مزید بتایا ہے کہ زید بن عمرو خانہ کعبہ میں عبادت کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ''ابراہیم کا معبود ہی میرا معبود اور انہی کا دین میرا دین ہے''۔

اسی روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے کہ زید بن عمرو زندگی کو خدا کی نعمت سمجھ کر اسے انتہائی عزیز رکھتے تھے اور اگر کوئی شخص زمانہ جاہلیت میں اپنی کسی نومولود بیٹی کو قتل کرنے لگتا تو اس سے کہتے کہ ''اسے قتل کرنے کے بجائے مجھے دے دو' میں اسے پالوں گا' پھر تم اگر چاہو تو اسے مجھ سے واپس لے لینا ورنہ میں ہی اس کی پرورش کرتا رہوں گا''۔

اس روایت کا استخراج نسائی نے ابواسامہ ہی کی روایت سے کیا ہے اور بخاریؒ نے بھی اسے اسی سے لیا ہے۔

بخاریؒ یہ بھی بتاتے ہیں کہ لیث نے ہشام بن عروہ کو اپنے والد کے حوالے سے لکھا اور یونس ابن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے زید بن عمرو اور ان کے علاوہ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ' عثمان بن حویرث بن اسد بن عبدالعزیٰ' عبداللہ بن جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن برہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسعد بن اسد بن خزیمہ اور آخر الذکر کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب اور خزیمہ کی بہن زینب بنت جحش ہی جن سے ان کے شوہر اور رسول اللہ ﷺ کے غلام زید بن حارثہ کے بعد خود حضور نبی کریم ﷺ نے نکاح کیا تھا اسلام کی طرف مائل تھے ان کا الگ الگ تفصیلی ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسبِ موقع و محل عنقریب کریں گے۔

زمانہ جاہلیت کے کچھ مزید واقعات

کہا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی اوّلین تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی اور اس سلسلے میں ایک حدیث مرفوع عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے جس کی سند میں ابن لہیعہ کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن اسے بالاتفاق ضعیف قرار دیا جا چکا ہے۔

اس سلسلے میں جو قوی ترین اور مستند اقوال ہیں وہ یہ ہیں کہ بیت اللہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی اور اسے پہلی بار تعمیر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے کیا تھا جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور سماک بن حرب نے خالدہ بن عرعرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس سلسلے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعمیر کردہ بیت اللہ کی عمارت جب مرورِ ایام سے منہدم ہوگئی تو اس کے بعد اسے پہلے عمالقہ نے' پھر جرہم نے اور آخر میں قریش نے تعمیر کیا۔

قریش کی تعمیر کردہ بیت اللہ کی عمارت کا تفصیلی ذکر ہم ان شاء اللہ حسب موقع ومحل عنقریب کریں گے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پانچ سال میں مکمل ہوئی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی تکمیل قریش نے پندرہ سال میں کی تھی۔

زہری کہتے ہیں کہ اس کی از سرِ نو تعمیر و تکمیل اور تہذیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے آپ کے دورِ نبوت میں ہوئی۔

بہرکیف ان تمام واقعات پر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ مفصل گفتگو کریں گے۔

کعب بن لوی کا ذکر

ابونعیم سے بتوسط محمد بن حسن بن زبالہ اور بحوالہ محمد بن طلحہ تیمی' محمد بن ابراہیم بن الحارث اور ابی سمہ مروی ہے کہ ایک دفعہ جمعہ کے دن جسے قریش عروبہ یا یوم العروبہ کہتے تھے کعب نے اپنی قوم قریش کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''سنو! جانو اور سمجھو کہ راتیں گزرتی جا رہی ہیں' دن ویران تک ہوتے جا رہے ہیں' پست زمین ایک نہ ایک دن سب کا بچھونا ہوگی' آسمان بکھر جائیں گے' پہاڑ جو آج آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' اول و آخر سب برابر ہو جائیں گے' اپنے نام و نسب کی باتیں کرنا چھوڑ دو' اپنے مستقبل کی فکر کرو' اپنے مال و متاع سے پھل پانے کی کوشش کرو' کیا تم سمجھتے ہو کہ جو چلا گیا پھر لوٹ کر آ جائے گا؟ یا جو مر گیا سو مر گیا؟ نہیں ایک اور جگہ آئندہ تمہارا گھر ہونے والی ہے' تمہارے گمان غلط ہیں' صحیح باتوں کا خیال کرو کہ انہی کی عزت و حرمت تم پر لازم ہیں' میں تمہیں جلد ہی ایک خوشخبری سناؤں گا جو ایک نبی کریم کے بارے میں ہوگی''۔

اس کے بعد کعب بن لوی نے حاضرین کو پند و موعظت اور عبرت پر مبنی کچھ اشعار بھی سنائے جو مختلف کتابوں میں آج تک محفوظ ہیں۔

آخر میں کعب بن لوی نے اسی قبیل کی کچھ اور باتیں قریش کے سامنے کر کے اور انہیں نیک کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے بچنے کی نصیحت کر کے انہیں سیدھی راہ پر چلنے کا مشورہ دیا۔

ابونعیم کہتے ہیں کہ کعب بن لوی کی وفات اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت میں پانچ سو ساٹھ سال کا فصل ہے۔

چاہِ زمزم کی کھدائی کی تجدید

چاہ زمزم کی کھدائی از سرِ نو اس وقت ہوئی جب خانہ کعبہ کی تولیت اور اس کی نگرانی جرہم سے جس نے اسے پاٹ دیا تھا ایک مدت مدید اور عرصہ بعید کے بعد جناب عبدالمطلب کے سپرد ہوئی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جیسا ان سے یزید بن حبیب مصری نے مرثد بن عبداللہ مزنی اور عبداللہ بن زرین الغافقی کے حوالے سے جنہوں نے زمزم کی از سرِ نو کھدائی کا ذکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سن کر بیان کیا اس کی کھدائی جناب عبدالمطلب کے حکم سے ہوئی تھی۔

اس سلسلے میں جو واقعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے والد ابی طالب بن عبدالمطلب سے سن کر بیان فرمایا یہ ہے کہ ایک روز جناب عبدالمطلب اپنے حجرے میں سونے والے تھے کہ انہیں غیب سے ایک آواز آئی: ''اپنی پاک چیز کو کھود و'' یہ آواز انہیں دوسرے دن پھر آئی تو انہوں نے غیب سے آواز دینے والے سے پوچھا: ''کون سی پاک چیز؟'' تو انہیں آواز آئی ''سوکھی پاک چیز'' جب انہوں نے تیسرے دن وہی آواز سنی اور اس ''سوکھی پاک چیز'' کی وضاحت چاہی تو انہیں جواب ملا کہ ''اپنے سوکھے کنویں کو نہر میں بدل دو'' اور پھر صاف آواز آئی: ''زمزم کو''۔

اس تیسرے روز جناب عبدالمطلب بخوبی سمجھ گئے کہ ان سے چاہ زمزم کی دوبارہ کھدائی کے بارے میں کہا جا رہا ہے جسے جرہم نے پٹوا دیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے اس کی از سرِ نو کھدائی کا حکم دے دیا۔

جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جس روز ان کے دادا جناب عبدالمطلب نے زمزم کی دوبارہ کھدائی کا حکم دیا تو ان سے قریش نے تعاون نہیں کیا اور اس روز چونکہ ان کے ساتھ ان کے بیٹے حارث کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا اور وہ خود بھی کبر سنی کو پہنچ گئے تھے اس لیے ان دونوں باپ بیٹوں سے مل کر بھی اس جگہ کھدائی کرنا ناممکن تھا جس کی جناب عبدالمطلب کو نشان دہی کی گئی تھی۔

بہر کیف انہوں نے قریش کے لوگوں کو برضا و رغبت اس کی کھدائی پر یہ کہہ کر آمادہ کرنا چاہا کہ اس سے سارے قریش کے علاوہ ان تمام اہل عرب کو بھی فائدہ پہنچے گا جو خانہ کعبہ کی زیارت اور حج کے لیے مکے آتے ہیں تو انہوں نے یہ شگوفہ چھوڑا کہ جب بنو جرہم میں زمزم کے بارے میں باہم تنازعہ ہوا تھا اور اس وقت خانہ کعبہ کی تولیت کے علاوہ زمزم کی نگرانی بھی ان کے سپرد تھی تو ان میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ زمزم کو ہمیشہ کے لیے پاٹ دیا جائے اور اس بات کو ایک زمانہ ہو گیا ہے لہٰذا اب صرف عبدالمطلب کی نشاندہی پر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے زمزم کی نشاندہی ٹھیک کی ہے۔

آخر کار یہ طے پایا کہ اس جگہ کی نشاندہی کے لیے بنی سعید بن ہزیم کی اس کاہنہ کے پاس چلا جائے جو نواحی شام کے کسی

گاؤں میں رہتی تھی اور اس زمانے میں بہت مشہور تھی۔

جناب عبدالمطلب یہ دیکھ کر کہ قریش کو زمزم کی دوبارہ کھدائی پر آمادہ کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے نہ ان کی بات مان لی جائے قریش کے لوگوں کے ساتھ جن میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کے علاوہ قریش کے دوسرے قبائل کے کچھ لوگ بھی شامل تھے۔ شام کے اس گاؤں کی طرف چل دیئے۔ لیکن راستے میں خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ابھی انہوں نے مکے سے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ عبدالمطلب کے سوا سب کے پاس پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو وہ پھر پیاس سے تڑپنے لگے اور یہ دیکھ کر کہ وہ سب کے سب کہیں پیاسے نہ مر جائیں کسی نہ کسی طرح مکے کی طرف واپسی کا ارادہ کیا تو پہلے عبدالمطلب ہی اپنی سواری کے قریب پہنچے اور ان کے علاوہ دوسرے سب لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں زمین سے پانی ابل رہا ہے۔

یہ کرشمہ قدرت دیکھ کر انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ ضرور کوئی غیبی طاقت جناب عبدالمطلب کے ساتھ ہے اور وہ ان کے ساتھ مکے واپس آ کر ان کی بتائی ہوئی جگہ پر کھدائی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ اس کے بعد یہ قدرتی چشمہ فیض پھر جاری ہو گیا اور زمزم کی نگرانی' اس سے حجاج کعبہ کو پانی پلانے اور ان کی مہمان داری کی ذمہ داری بلکہ خانہ کعبہ کی تولیت بھی انہی کے سپرد کر دی گئی۔

جناب عبدالمطلب کا خانہ کعبہ کے قریب بطور نذر اپنے ایک بیٹے کی قربانی کا ارادہ

ابن اسحاق سے بحوالہ متعدد ثقہ ومستند روایات مروی ہے کہ جناب عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ چاہ زمزم کو از سرنو کھدوانے میں کامیاب ہو گئے تو وہ خانہ کعبہ کے سامنے بطور نذر کعبہ اپنے ایک بیٹے کی قربانی دیں گے۔

چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے دس کے دس بیٹوں حارث' زبیر' حجل' ضرار' المقوم' ابولہب' عباس' حمزہ' ابوطالب اور عبداللہ کو خانہ کعبہ کے قریب جہاں چاہ زمزم سے دوبارہ کھدائی کے بعد پانی نکلا تھا جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ آیا وہ اپنے باپ کی منت پورا کرنے کے لیے آمادہ ہیں تو ان میں سے ہر ایک نے اس پر بخوشی آمادگی ظاہر کی لیکن قریش کے لوگ اس میں مزاحم ہوئے کہ وہ اول تو کعبہ کے قریب انہیں یہ قربانی نہیں کرنے دیں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ بطور نذر کس بیٹے کو ذبح کریں اس کا فیصلہ کون کرے گا؟

کسی ایسے متنازعہ معاملے میں قریش کا دستور یہ تھا کہ وہ اس معاملے میں اوامر ونواہی کے فیصلے کے لیے کعبے میں جاتے اور اپنے مشہور بت ہبل کے سامنے جس کے قریب سات پیالے رکھے رہتے تھے اس طرح قرعہ اندازی کرتے کہ ان پیالوں میں یکے بعد دیگرے پرچیاں ڈالتے اگر ان سب پیالوں میں سے ایک ہی حکم نکلتا یا ممانعت نکلتی تو وہ اس کے مطابق تو عمل کرتے تھے۔

مذکورہ معاملے میں انہوں نے یہ کیا کہ کعبے میں ہبل کے سامنے عبدالمطلب کو لے گئے اور ان پیالوں میں یکے بعد دیگرے ان کے دسوں بیٹوں کے نام کی پرچیاں ڈلوا دیں لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان ساتوں پیالوں میں سے قربانی کی پرچی کے ساتھ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ ہی کے نام کی پرچی نکلی جو عبدالمطلب کو اپنے سب بیٹوں میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔

یہ دیکھ کر انہوں نے عبدالمطلب سے کہا کہ وہ عبداللہ کی جگہ کوئی دیت دیں لیکن اب یہ فیصلہ کون کرے کہ وہ دیت کیا ہو۔ اس کا فیصلہ یہ ہوا کہ عبدالمطلب کے ساتھ قریش کے ہر قبیلے کا ایک ایک شخص ایک اور کاہنہ کے پاس جو خیبر کے کسی گاؤں میں رہتی تھی جائیں اور جو دیت وہ کاہنہ بتائے وہی دیت عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کی جگہ دے دیں لیکن انہوں نے شرط یہ رکھی کہ اس دیت کے ساتھ بھی عبداللہ کا نام بھی ان ساتوں پیالوں میں ڈالا جائے گا۔ اگر پھر بھی دیت کی جگہ عبداللہ کا نام ہی نکلا تو وہ عبدالمطلب کو اس دیت کی جگہ قربان کرنے کی اجازت دے دیں گے۔

چنانچہ وہ سب مل کر اس کاہنہ کے پاس پہنچے تو اس نے پہلی بار دس اونٹوں کی دیت دینے کی ہدایت کی اور یہ بھی کہا کہ ان

سات پیالوں میں سے قرعہ اندازی کے بعد اگر عبداللہ ہی کا نام نکلتا جائے تو وہ ہر بار دس اونٹ بڑھاتے جائیں اور سات پیالوں کے بعد بھی قرعہ اندازی جاری رکھیں اور ہر بار دس اونٹ بڑھاتے جائیں یہاں تک کہ ان کی تعداد سو تک پہنچ جائے۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی تو عبداللہ کی جگہ اونٹوں کا ہی نام نکل آیا اور یہ دیت عبدالمطلب نے ان سو اونٹوں کو ذبح کر کے اور ان کا گوشت خیرات کر کے ادا کر دی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کاہنہ کے کہنے کے مطابق ان اونٹوں کی تعداد جو عبداللہ کی جگہ جناب عبدالمطلب کو قربان کرنے تھے تین سو تھی اور انہوں نے وہ تین سو اونٹ اپنے عزیز ترین بیٹے عبداللہ کے خون کی دیت کے طور پر بخوشی ذبح کر کے قربان کر دیئے تھے۔ واللہ اعلم

عبدالمطلب کا اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب الزہریہ کے ساتھ کرنے کا ذکر

ابن اسحق بیان کرتے ہیں کہ رسم نذر کی ادائیگی کے بعد جناب عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل دیئے۔ راستے میں خانہ کعبہ کے قریب انہیں ایک عورت ملی جس کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بنی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی میں کی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کی بہن ام قتال تھی۔

اس عورت نے ان دونوں باپ بیٹوں یعنی عبدالمطلب اور عبداللہ کو ساتھ ساتھ وہاں سے گزرتے دیکھا تو عبداللہ سے پوچھا: ''عبداللہ تم کہاں جارہے ہو؟'' وہ بولے: ''مجھے میرے والد اپنے ساتھ لیے جارہے ہیں' جہاں بھی یہ لے جائیں گے وہیں چلا جاؤں گا''۔

وہ عورت یعنی ام قتال نے عبداللہ سے کہا: ''کیا تم کوئی قربانی کے اونٹ ہو کہ تمہیں نکیل پکڑ کے جہاں کوئی چاہے لے جائے؟''۔

عبداللہ نے جواب دیا: ''یہ میرے والد ہیں' نہ میں ان کی حکم عدولی کرسکتا ہوں نہ ان سے جدائی برداشت کرسکتا ہوں''۔

بہرکیف یہ کہہ کر عبداللہ اپنے والد عبدالمطلب کے ساتھ آگے بڑھ گئے جو انہیں لے کر وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر کے پاس گئے جو ان دنوں اپنے قبیلے بنی زہرہ کے سردار تھے اور ان سے درخواست کی کہ وہ عبداللہ کو اپنی فرزندی میں لے لیں یعنی اپنی بیٹی آمنہ سے ان کی شادی کردیں۔

چونکہ دونوں خاندانوں کا تعلق آخر میں بنی اسماعیل ہی تک جاتا تھا اس لیے وہب بن عبد مناف نے اپنی بیٹی آمنہ کی شادی جو اپنے قبیلے میں ''سیرت النساء'' کہلاتی تھیں عبدالمطلب کے بیٹے سے بخوشی وخوشدلی کردی۔

کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن عبدالمطلب حضرت آمنہ بنت وہب کو رخصت کرا کے اس مکان میں لائے جو انہوں نے ان کے لیے لیا تھا اور وہیں حضرت آمنہ کی شکم مبارک میں وہ حمل قرار پایا جو حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت پر منتج ہوا۔

اس استقرار حمل کی اطلاع پا کر ایک عورت اس مکان میں آئی تو اس وقت عبداللہ وہاں موجود نہ تھے۔ مالک مکان نے اس عورت سے پوچھا: ''کچھ یاد ہے کہ تم نے عبداللہ سے کیا تمنا کی تھی؟''۔

عورت نے پوچھا: ''کون سی تمنا؟''۔

مالک بولا: ''کونسی تمنا! ارے تم کل کی بات آج بھول گئیں''۔

عورت بولی: ''کل کی بات آج کیسے یاد رکھ سکتی ہوں جب کہ عبداللہ کے پاس کل والی چیز ہی نہیں ہے۔ تو آج مجھے اس سے کیا مطلب؟''۔

کہتے ہیں کہ شادی کے بعد عبداللہ کی پیشانی جس نور سے شادی سے قبل چاند کی طرح چمکتی تھی وہ ان کی پیشانی سے حضرت آمنہ کے شکم مبارک میں منتقل ہو گیا تھا اور اس عورت کی مراد عبداللہ کی پیشانی کے اسی نور سے تھی۔

جب ام قتال کے بھائی ورقہ بن نوفل کو حضرت آمنہ کے شکم مبارک میں عبداللہ سے استقرار حمل کی اطلاع ملی تو وہ بہت خوش ہوا کیونکہ اس سے قبل جو کتابیں وہ پڑھا کرتا تھا ان میں لکھا تھا کہ اس کی قوم میں ایک عظیم المرتبت نبی پیدا ہوگا۔ اس نبی کی رسالت کی عظمت کا ذکر قرآن مجید میں بھی ان الفاظ میں آیا ہے کہ ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ یعنی (اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کی رسالت کا محل کون سا ہے اور وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔ (۱۲۴:۶)

وہ عورت جس نے عبداللہ سے پوچھا تھا کہ عبداللہ تم کہاں جا رہے اور وہ عورت بھی مالک سے جس کی گفتگو کا ذکر سطور بالا میں آیا ہے ام قتال ہی تھی اور وہی حضرت عبداللہ سے سب عورتوں سے زیادہ شادی کی مشتاق تھی۔

ام قتال ہی تھی جسے عبداللہ کی آمنہ بنت وہب زہریہ سے شادی کا سب عورتوں سے زیادہ ملال ہوا تھا۔

بیہقی یونس بن بکیر کے توسط اور ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ام قتال نے عبداللہ کی آمنہ بنت وہب کے ساتھ شادی اور آمنہ کے شکم مبارک میں اس سے استقرار حمل کی خبر سن کر نہایت حسرت آمیز اشعار کہے تھے۔

ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن حرب' محمد بن عمارہ القرشی' مسلم بن خالد الزنجی اور ابن جریج نے عطاء بن ابی رباح اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب عبداللہ اپنے والد عبدالمطلب کے ساتھ قبیلہ زہریہ کی طرف جا رہے تھے تو انہیں راستے میں ایک کاہنہ فاطمہ بنت مر الخثعمیہ ملی اور اس نے ان کے چہرے پر نور نبوت دیکھ کر ان کے ساتھ شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور اس کے لیے انہیں سو اونٹوں کی پیشکش بھی کی لیکن وہ اس کے جواب میں دو شعر اسے سنا کر اپنے والد کے ساتھ آگے بڑھ گئے اور ان کے ساتھ قبیلہ زہریہ میں وہب بن عبد مناف کے پاس چلے گئے جہاں ان کے والد نے وہب بن عبد مناف کی بیٹی آمنہ سے ان کی شادی کا پیغام دیا جو قبول کر لیا گیا اور آمنہ بنت وہب سے عبداللہ کی شادی ہو گئی۔

اس روایت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اس کاہنہ فاطمہ بنت مر کو عبداللہ سے آمنہ کی شادی اور آمنہ کے شکم مبارک میں اس شادی کے نتیجے میں استقرار حمل کی خبر ہوئی تو وہ رو پڑی اور اپنی ناکامی پر ام قتال کی طرح بہت سے حسرت آمیز اشعار کہے جو کتب تواریخ میں اب تک محفوظ ہیں۔

امام ابونعیم الحافظ اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں یعقوب بن محمد زہری کے توسط اور عبدالعزیز بن عمران' عبداللہ بن جعفر' ابن عون' مسعود بن مخرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب ایک دفعہ گرمی کے موسم میں مکے سے یمن کا سفر کر رہے تھے تو راستے میں حبر کے پاس جس کا تعلق قوم یہود سے تھا کچھ دیر کے لیے ٹھہر گئے اور وہیں اہل کتاب میں سے

ایک شخص نے ان سے کہا: ''عبدالمطلب ! کیا آپ مجھے اپنے بدن کے کچھ حصے دیکھنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟''۔

ان کے جواب میں عبدالمطلب بولے: ''ضرور بشرطیکہ وہ ستر عورت میں سے نہ ہوں''۔

وہ شخص بولا: ''آپ میرے سامنے اپنے ایک ہاتھ کی ہتھیلی کھولیں''۔

عبدالمطلب نے اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی اس کے سامنے کر دی جسے وہ کچھ دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ان کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کھلوائی اور اسے بھی خاصی دیر تک دیکھنے کے بعد بولا:

''آپ کے ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں حکومت کے آثار پائے جاتے ہیں''۔

اس کے بعد اس شخص نے عبدالمطلب سے کہا کہ ''نبوت کے آثار جہاں تک میں نے دیکھا ہے آپ سے بنی زہرہ کی طرف منتقل ہوتے نظر آتے ہیں''۔

عبدالمطلب نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''۔

اس نے کہا: ''یہ تو مجھے معلوم نہیں''۔

پھر عبدالمطلب سے پوچھا: ''کیا آپ کی شاغہ ہے؟''۔

عبدالمطلب نے پوچھا: ''شاغہ کیا ہے؟''۔

وہ بولا: ''زوجہ''۔

عبدالمطلب نے کہا: ''آج کل تو کوئی نہیں ہے''۔

یہ سن کر وہ شخص بولا:

''تو پھر تم جب اس سفر سے واپس مکے جاؤ تو وہاں بنی زہرہ میں شادی کر لینا''۔

چنانچہ جب عبدالمطلب یمن سے مکے واپس آئے تو انہوں نے ہالہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہری سے شادی کر لی جن کے بطن سے حمزہ اور صفیہ پیدا ہوئے۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کی آمنہ بنت وہب سے شادی کی جن کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

جب عبداللہ کی آمنہ بنت وہب سے شادی کی خبر قریش کو ہوئی تو وہ یک زبان ہو کر بولے۔

''لو بھئی عبداللہ تو اپنے باپ عبدالمطلب سے بھی بازی لے گیا''۔

باب ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتابِ سیرت رسول اللہ ﷺ

اس باب اور اس سے اگلے باب میں ہم رسول اللہ ﷺ کی ولادت' آپ کی حیات طیبہ' آپ کے غزوات اور سرایا (یعنی مشرکین کے مقابلے کے لیے کئی جگہ چھوٹے چھوٹے اسلامی لشکر ارسال فرمانا) آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود آپ کے شمائل وفضائل اور آپ کی نبوت کے سلسلے میں دلائل کا ذکر کریں گے۔ تاہم ضروری ہے کہ اس سے قبل آپؐ کے نسب شریف و طیب اور اس کی اصل منیف کا ذکر کیا جائے جو حسب ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کون سا محل ہے اور) وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے''۔ (۶:۱۲۴)

قرآن مجید کی یہ آیہ شریفہ حضور نبی کریم ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ بنت وہب کے ساتھ شادی کے ضمن میں بطور حوالہ پیش کیے جانے کے بعد (ملاحظہ ہو صفحات سابقہ) یہاں دوبارہ اس لیے پیش کی گئی کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے ابوسفیان سے آپؐ کے دیگر اوصاف کے بارے میں سوال کے ساتھ ان سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ آپ کے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین نسباً کیا رشتہ ہے تو ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ وہ (ﷺ) ہمارے ہم نسب ہیں اور ہم قوم بھی اور ہم دونوں کے آباؤ اجداد میں نبوت ورسالت کا سلسلہ اب تک جاری چلا آیا ہے۔ (صلوات اللہ علیہم اجمعین)

ابوسفیان نے ہرقل سے یہ بھی کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ بنی آدم کے سردار آدم علیہ السلام کے لیے دنیا و آخرت دونوں جگہ باعث فخر ومباہات ہیں' آپ کی کنیت ابوالقاسمؐ اور ابوابراہیمؐ اور آپ کا نام نامی واسم گرامی محمدؐ اور احمدؐ ہے' آپ کی ذات والا صفات وہ ہے جس سے کفر مٹ کر رہ گیا۔ آپؐ خاتم النبیین ہیں' آپؐ کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہوا۔ روز قیامت ساری اولاد آدم آپؐ ہی کے مبارک قدموں میں آ کر ٹھہرے گی' آپؐ نبی رحمت ہیں' آپؐ نبی توبہ ہیں' آپؐ فاتح ہیں' آپؐ طٰہٰ ویٰسین ہیں اور ان جملہ صفات عالیہ کے ساتھ ساتھ عبداللہ یعنی خدا کے بندے بھی ہیں۔

بیہقی اور ان کے علاوہ بعض دوسرے علماء بھی یہ بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان نے ہرقل کے مندرجہ بالا سوال کے جواب میں آخر میں کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں رسول' نبی' امین' شاہد' مبشر' نذیر' داعی الی اللہ (یعنی اس کے حکم سے [illegible]ـانے والا) سراج منیر (روشن چراغ)' رؤف ورحیم' مذکر (خدا کی کتاب پڑھ کر سنانے والا) فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا نے انہیں (ﷺ) دنیا میں (اپنے بندوں کے لیے) رحمت ونعمت بنا کر بھیجا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی کا تذکرہ ہم ان شاء اللہ آپ کی سیرت طیبہ کے بارے میں مختلف روایات پیش کرنے کے بعد حسبِ موقع تفصیل سے کریں گے۔

ویسے آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی اکثر بڑے بڑے علماء وحفاظ نے ایک ہزار تک بتائے ہیں لیکن فقیہ کبیر ابوبکر ابن العربی مالکی نے جنہوں نے ترمذی کی شرح لکھی ہے آپؐ کے اسمائے گرامی چونسٹھ بتائے ہیں۔ واللہ اعلم

حضور نبی کریم ﷺ عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند تھے جو اپنے والد عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے جنہیں ذبیح ثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے ان کی قربانی دینی چاہی تھی لیکن پھر بطور فدیہ سو اونٹ قربان کر دیئے تھے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے حضورؐ کو قریش کا حسین ترین آدمی کہا گیا ہے۔

زہری لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ بھی اپنے بھائیوں حارث' زبیر' حمزہ' ضرار اور ابی طالب وغیرہ میں سب سے زیادہ خوب صورت تھے اور سخاوت میں بھی بہت مشہور تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی پھوپھیوں اروی' برہ اور عمیمہ وغیرہا کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر نام بنام حسبِ موقع تفصیل سے کریں گے۔

آنحضرت ﷺ کے دادا کے والد ہاشم ایک دفعہ بغرض تجارت مکے سے شام گئے تھے تو راستے میں مدینے سے گزرتے ہوئے عمرو بن زید بن لبید بن حرام بن خداش بن خندف بن عدی بن نجار الخزرجی النجاری کے ہاں جو اپنی قوم کے سردار تھے ٹھہرے تھے اور عمرو بن زید کی بیٹی سلمیٰ ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن اس کے باپ نے اس کی شادی کی شرط یہ رکھی تھی کہ وہ (ہاشم) سلمیٰ سے شادی کے بعد مدینے میں مستقل سکونت رکھیں گے۔

ہاشم نے عمرو بن زید کی یہ شرط منظور کر لی لیکن اس کے بعد اپنی طرف سے یہ شرط پیش کی کہ وہ اپنی بیوی سلمیٰ کو مکے لے جاتے رہیں گے جسے سلمیٰ کے باپ نے منظور کر لیا لیکن اس پابندی کے ساتھ کہ سلمیٰ اگر حاملہ ہوئی تو اس کے بچے کی ولادت مدینے ہی میں ہوگی۔

اس فیصلے کے بعد ہاشم مکے سے جو تجارتی سامان لائے تھے اسے لے کر شام چلے گئے اور وہاں سے واپسی پر مدینے آ کر سلمیٰ سے شادی کر لی اور اسے لے کر مکے آ گئے۔

اس کے بعد جب وہ دوبارہ مکے سے بغرض تجارت شام جانے لگے تو اس وقت سلمیٰ حاملہ تھی۔ اس لیے ہاشم شرط کے مطابق انہیں مدینے میں چھوڑ کر شام چلے گئے۔

جب ہاشم سلمیٰ کو مدینے میں چھوڑ کر شام گئے ہوئے تھے تو ان کے پیچھے سلمیٰ کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام اس کے ننہیال والوں نے شیبہ رکھا۔ اُدھر ہاشم قضائے الٰہی سے شام سے واپس آتے ہوئے غزہ میں انتقال کر گئے اور ان کے بیٹے شیبہ اپنے ماموؤں کے پاس سات سال تک مدینے میں پرورش پاتے رہے لیکن ایک سال ایسا ہوا کہ جب شیبہ کے چچا مطلب بن عبد مناف شام سے مکے واپس آتے ہوئے مدینے سے گزرے تو اپنے بھائی ہاشم کے لڑکے شیبہ کو چپ چپاتے اپنے ساتھ 1

کے لے آئے۔

جب مکے میں داخلے کے وقت قریش نے مطلب کے ساتھ سواری پر شیبہ کو بیٹھے دیکھا تو پوچھا ''یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟'' مطلب بولے: ''غلام'' اور بس اسی روز سے لوگ شیبہ کو عبدالمطلب کہنے لگے اور وہ ہمیشہ اسی نام سے مشہور رہے۔

ایک دوسری مشہور روایت یہ ہے کہ عبدالمطلب کو قریش ان کے سر کی امتیازی حیثیت اور ان کی بزرگانہ شکل کی وجہ سے لڑکپن ہی میں شیبہ کہنے لگے تھے۔ تاہم وہ عبدالمطلب ہی کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے اور جب' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے عبدالمطلب کی نشاندہی کے بعد زمزم کی دوبارہ کھدائی کی گئی اور ان کی نشاندہی درست ثابت ہوئی تو ان کی عزت و توقیر قریش میں اس درجہ بڑھی کہ نہ صرف زمزم سے خانہ کعبہ کے زائرین کو ہر سال پانی پلانے اور ان کی مہمان داری کی ذمہ داری انہی کے سپرد کی گئی بلکہ بیت اللہ کی تولیت بھی مستقل طور پر انہی کو سونپ دی گئی جو ہاشم سے پہلے ان کے والد عبد مناف کے پاس تھی اور عبد مناف کے مرنے کے بعد ہاشم کے حصے میں آئی تھی جو رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت بھی انہی کے پاس تھی۔

باب ۸

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت' جیسا کہ اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے' دوشنبہ کے دن ہوئی تھی۔

صحیح مسلم میں غیلان بن جریر بن عبداللہ بن معبد الزمانی کی روایت ابی قتادہ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ دو اعرابیوں نے کسی روز آنحضرت ﷺ سے روز دوشنبہ کے اور دونوں کے مقابلے میں درجے کے بارے میں دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ: ''یہ وہ دن ہے جب میری ولادت اور جس روز مجھ پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی تھی''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے موسیٰ بن داؤد اور ابن لہیعہ نے خالد بن ابی عمران' حنش الصنعانی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت دوشنبہ کے شروع وقت میں ہوئی تھی آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر دوشنبہ کے روز بیت اللہ کے قریب رکھا تھا' آپؐ نے مکے سے ہجرت بھی دوشنبہ کے دن فرمائی' آپ مدینے میں دوشنبہ ہی کے روز داخل ہوئے اور آپ کی وفات بھی دوشنبہ ہی کے دن ہوئی۔

اس روایت کو انہی حوالوں سے عمرو بن بکیر نے بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیہ شریفہ ومبارکہ:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ﴾

یعنی ''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا''۔(۵:۳)

بھی دوشنبہ ہی کے روز نازل ہوئی تھی۔

کچھ راویوں نے اس روایت کو جس میں قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کا نزول بھی دوشنبہ کے روز بتایا ہے بیان کر کے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ غزوہ بدر بھی روز دوشنبہ ہی کو وقوع پذیر ہوا تھا اور کچھ دوسرے راویوں نے بھی موسیٰ بن داؤد کے حوالے سے انہی دونوں روایات کو پیش کیا ہے لیکن اس سلسلے کی یہ دونوں روایات قطعی ''منکر'' (خلاف واقعہ) ہیں کیونکہ جیسا کہ ابن عساکر نے بیان کیا اور اس کی تصدیق بھی کی مندرجہ بالا قرآنی آیت کا نزول اور غزوۂ بدر دونوں روز جمعہ کے واقعات ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور وفات دونوں دوشنبہ (پیر) کے روز ہوئیں۔

بہرکیف اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت دوشنبہ کے دن ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ بعض راویوں کا یہ بیان بھی بعید از قیاس بلکہ غلط ہے کہ آپ کی ولادت ماہ رمضان میں بروز جمعہ ہوئی تھی جب کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ ماہ ربیع الاوّل میں پیدا ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ بعض راوی آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف رکھتے ہیں اور بعض اس ماہ ربیع الاوّل کی سترہ اور بعض کچھ اور بتاتے ہیں لیکن یہ بات بھی اب محقق ہو چکی ہے اور اسی پر جملہ ثقہ و مستند راویوں کو اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاوّل کی ہوئی تھی۔

آنحضرت ﷺ کی صفت ولادت

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے جو نذر مانی تھی اس کی ادائیگی کے لیے وہ اپنے ایک بیٹے کی قربانی دینا چاہتے تھے اور اس کے بعد جب قرعہ اندازی کی گئی تو اس میں بار بار ان کے چھوٹے بیٹے عبداللہ ہی کا نام نکلا لیکن پھر قریش کے مشورے پر ایک کاہنہ کی رائے لی تو اس نے رائے دی کہ عبداللہ کی جگہ دس سے لے کر سو اونٹ تک بطور فدیہ دیئے جا سکتے ہیں اور عبداللہ کی جگہ عبدالمطلب نے سو اونٹ فدیے میں قربان کیے۔

اس امر واقعہ سے اس بات کا صاف ثبوت ملتا ہے کہ قدرت کا منشاء یہ تھا کہ عبداللہ کی نسل سے آنحضرت ﷺ کی ولادت ہو جو ممکن نہ ہوتی اگر عبدالمطلب انہیں اس نذر کی ادائیگی میں قربان کر دیتے جو انہوں نے بطور منت مانی تھی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی متعدد مستند روایات کے حوالوں سے بتائی جا چکی ہے کہ عبداللہ کی آمنہ بنت وہب کے ساتھ شادی سے قبل ان کی پیشانی پر نور نبوت کے جو آثار تھے انہیں دیکھ کر ورقہ بن نوفل کی بہن ام قتال نے ان سے شادی کی تمنا کی تھی اور اس کی یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ ورقہ بن نوفل نے اسے بتایا تھا کہ عبداللہ کی نسل سے ایک عظیم الشان نبی پیدا ہوگا اور ام قتال کی یہ آرزو تھی کہ وہ نبی اس کے بطن سے پیدا ہو۔

اس کے علاوہ یہ ذکر بھی پہلے کیا جا چکا ہے کہ جس کاہنہ سے عبداللہ کے بدلے فدیہ کے بارے میں رائے لی گئی تھی جو وہ خود بھی ان کی پیشانی میں ایک خاص نور دیکھ کر ان سے شادی کی متمنی ہوئی تھی نیز یہ کہ مکے کی ایک دوشیزہ نے جسے اس کے باپ یا بھائی سے وراثت میں کافی دولت ملی تھی اور اس نے عبداللہ سے شادی کے لیے انہیں سو اونٹوں کی پیشکش کی تھی اور جب حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی اور حضرت آمنہ کے بطن میں استقرار حمل کے بعد جب ام قتال اس مکان میں آئی جہاں حضرت عبداللہ نے حضرت آمنہ کو شادی کے بعد رکھا تھا تو وہ فوراً ہی واپس جانے لگی کیونکہ اس وقت وہ نور نبوت حضرت عبداللہ کی پیشانی سے غائب ہو کر حضرت آمنہ کے بطن مبارک میں منتقل ہو گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ ام قتال کو یہ امید ہوگی کہ اگر عبداللہ کی آمنہ سے شادی اور آمنہ کے حاملہ ہونے کے بعد بھی اگر وہ نور عبداللہ کی پیشانی میں موجود ہو تو ممکن ہے کہ وہ عظیم الشان نبی جس کی پیشگوئی اس کے بھائی ورقہ بن نوفل نے عبداللہ کی نسل سے پیدا ہونے کے متعلق کی تھی اسی کے اپنے بطن سے پیدا ہو اور وہ یہی دیکھنے اس مکان میں گئی تھی تا کہ عبداللہ سے شادی کے لیے ایک آخری کوشش اور کرے لیکن وہ نبوت کا نور عبداللہ کی پیشانی میں نہ پا کر مایوسی کی حالت میں لوٹ آئی تھی اور اس نے وہ حسرت آمیز اشعار کہے تھے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

بہر کیف مشیت خداوندی یہی تھی کہ عبداللہ کی شادی صرف آمنہ بنت وہب ہی سے ہو اور انہی کے بطن مبارک سے رسول

اللہ ﷺ کی ولادت ہو۔

اس کا ذکر بھی پہلے کیا جا چکا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل عرب میں با قاعدہ نکاح کا دستور نہیں تھا اور ظہور اسلام کے بعد صرف انہی شادیوں کو صحیح تسلیم کیا گیا تھا جو با قاعدہ نکاح کے ذریعہ ہوئی تھیں اور ایسے جوڑوں کے اسلام لانے کے بعد ان کے قبل اسلام نکاحوں کو شریعت اسلامی کے مطابق درست قرار دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کے دوبارہ اسلامی طریقے سے نکاح کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

ایسا ہی ایک صحیح نکاح وہ تھا جو حضرت عبداللہ کا حضرت آمنہ بنت وہب کے ساتھ ہوا تھا اور اس کا ثبوت اس مستند صحیح حدیث نبوی (ﷺ) سے ملتا ہے جس میں آپ نے فرمایا: "ولدت من نکاح لا من سفاح" یعنی آپ کی ولادت باسعادت با قاعدہ نکاح سے ہوئی نہ کہ (نعوذ باللہ) زنا یا بدکاری سے۔

یہاں اس حدیث نبوی کو خصوصیت سے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جیسا مشہور ہے آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ اسی زمانے میں وفات پا گئے تھے جب آپ ابھی شکم مادر ہی میں تھے۔

محمد ابن سعد کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن عمر (یعنی واقدی) محمد بن عبیدہ یزیدی اور سعید بن ابی زید نے ایوب بن عبدالرحمٰن صعصعہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایوب بن عبدالرحمٰن بن عبدالمطلب سامان تجارت لے کر شام کی طرف گئے تھے جہاں قبائل قریش کی بستیوں میں سے ایک بستی غزہ ہی میں ان کا وہ سارا سامان تجارت فروخت ہو گیا تو وہ مکے واپس آتے ہوئے مدینے میں بیمار ہو گئے اور اپنے عزیزوں بنی عدی بن نجار کے ماموؤں کے پاس ٹھہر گئے اور وہاں ایک مہینے تک ٹھہرے رہے جب کہ ان کے وہ ساتھی جو ان کے ساتھ مکے سے بغرضِ تجارت شام کی طرف گئے تھے مکے واپس آ گئے۔

جب عبدالمطلب نے ان سے اپنے بیٹے عبداللہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ انہیں ان کے ماموؤں بنی عدی بن نجار کے ہاں مدینے میں چھوڑ آئے ہیں کیونکہ وہ بیمار تھے۔

ان لوگوں میں سے یہ سن کر عبدالمطلب نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو ان کی خیریت معلوم کرنے مدینے بھیجا لیکن وہاں پہنچ کر حارث کو معلوم ہوا کہ عبداللہ فوت ہو گئے ہیں اور انہیں دار الغابغہ میں دفن کر دیا گیا ہے۔

عبداللہ کی وفات کی خبر لے کر جب حارث مکے واپس لوٹے اور اپنے والد عبدالمطلب کو اس کی اطلاع دی تو اسے سن کر وہ بے ہوش ہو گئے اور عبداللہ کے دوسرے سارے بھائی بھی تڑپ تڑپ کر رونے لگے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ شکم مادر ہی میں تھے۔ جب عبداللہ بن عبدالمطلب نے داعی اجل کو لبیک کہا اس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی۔

واقدی کہتے ہیں کہ:

''وفات کے وقت عبداللہ بن عبدالمطلب کی عمر پچیس سال ہونے کا ثبوت اور اس کی تصدیق ان مستند روایات سے ہو چکی ہے جو اب تک ہمیں ملی ہیں''۔

محمد بن سعد کہتے ہیں کہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب عبداللہ بن عبدالمطلب فوت ہوئے اس وقت رسول اللہ ﷺ شکم

مادر میں تھے جب کہ زبیر بن بکار بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن حسن نے عبدالسلام اور ابن خربوذ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب عبداللہ بن عبدالمطلب فوت ہوئے اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف دو ماہ ہو چکی تھی' جب آپ کی والدہ ماجدہ نے وفات پائی اس وقت آپ کی عمر شریف چار سال تھی اور جب آپ کے دادا عبدالمطلب کا انتقال ہوا اس وقت آپ آٹھ سال کے ہو چکے تھے اور آپؐ کے دادا نے مرتے وقت اپنے بیٹے ابی طالب کو آپ کی پرورش کی وصیت کی تھی لیکن واقدی نے ثبوت کے ساتھ اپنے اسی بیان کو ترجیح دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت شکم مادر ہی میں تھے اور یہی آخری بات تمام دوسری روایات سے زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

وہ حدیث نبوی پہلے پیش کی جا چکی ہے جس کے مطابق آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب آپؐ اپنی والدہ کے شکم میں تھے تو انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کے جسم سے ایک روشنی نکلی جس نے شام کے تمام محلات روشن کر دیئے اور اسی خواب سے متاثر ہو کر حضورؐ کا نام محمد (ﷺ) رکھا گیا تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی توریت میں احمد' انجیل میں بھی احمد اور قرآن مجید میں محمد آیا ہے یعنی تمام اہل سماوات اور اہل زمین آپؐ کے ثناخواں ہیں اور تا قیامت رہیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے آپ کی ولادت سے قبل جو دیکھا تھا آپ کی ولادت کے بعد اس کی جو تعبیر تمام اہل عالم کے سامنے آئی وہ ایک بدیہی امر ہے۔

واقدی نے موسیٰ بن عبدہ وغیرہ کی زبانی عبداللہ ابن جعفر زہری' ان کی پھوپھی ام بکر بنت المسعود کے حوالے سے بیان کیا کہ ام بکر نے اپنے والد سے سن کر بتایا کہ آمنہ بنت وہب کے بقول انہوں نے اپنے بطن سے رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے کچھ قبل جب وہ دردزہ میں مبتلا تھیں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا اور اس نے تمام مشرق و مغرب کو روشن کر دیا اور اس کے ساتھ ہی انہیں وضع حمل کی تکلیف سے فراغت مل گئی۔ اس کے بعد وہ نور سمٹ کر ان کے قریب آیا اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اس نور مجسم نے پھر ان کی طرف زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر ان کی طرف بڑھائی جو انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس کے بعد اس نور نے اپنا رخ آسمان کی طرف کر لیا۔

حافظ ابوبکر بیہقی متعدد مستند راویوں کی زبانی اور انہی کی طرح کے متعدد حوالوں کے ساتھ آخر میں عثمان بن ابی العاص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر کی والدہ نے انہیں بتایا کہ حضرت آمنہ بنت وہب کے وضع حمل کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ وہاں ایک نور کے سوا اس وقت کوئی دوسری چیز نہ تھی اور باہر ستارے زمین کے اس قدر قریب آ گئے تھے کہ اس پر یقین کرنا ناممکن تھا۔

قاضی عیاض الشفاء ام عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ام عبدالرحمٰن رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت قابلہ (دائی) کی خدمات انجام دے رہی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اپنی والدہ کے بطن سے ان کے ہاتھوں میں آئے تو انہوں نے ایک آواز سنی "یرحمک اللہ" اور نومولود کے جسم سے ایسا نور طلوع ہوا جس سے اس جگہ کے علاوہ

بس کے درودیوار اس نور سے چمک اٹھے مشرق ومغرب کے تمام قصور ومحلات یقیناً روشن ہو گئے ہوں گے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی اطلاع کرنے پڑوس کی ایک کنیز کو آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس بھیجا گیا جن کے بیٹے عبداللہ کا اس وقت انتقال ہو گیا تھا جب آپ شکم مادر میں تھے لیکن انہوں نے بڑی متانت وسنجیدگی کا اظہار کیا اور آپ کی ولادت پر آپ کو دیکھنے کے بعد خدا کا شکر ادا کیا اور شکر خداہی پر مبنی کچھ اشعار بھی کہے اور ان کے علاوہ کچھ ایسے شعر بھی کہے جن میں انہوں نے اپنے پوتے آنحضرت ﷺ کے حسن وجمال کو غلمان کے حسن وجمال سے برتر بتایا اور آپ کی ذات والا صفات اور حیات طیبہ کی برکات سے آئندہ ساری دنیا کو فیض پہنچنے کا خیال بھی ظاہر کیا اور اپنے اس ارادے کا اظہار بھی کیا کہ وہ آپ کو بیت اللہ میں اللہ کی نذر کے بطور لے جا کر پیش کریں گے۔

بیہقی مختلف حوالوں سے جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما' ان کے والد عباس بن عبدالمطلب بھی شامل ہیں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مختون یعنی ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے اور اس پر آپ کے دادا عبدالمطلب نے مسرت آمیز حیرت کا اظہار کیا تھا۔

بیہقی مختلف حوالوں سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنے گھر کی عورتوں کے سپرد کر دیا تھا جن میں ان کی بیٹی اور آپ کی پھوپھی پیش پیش تھیں۔

وہ ہر صبح کو اپنے والد عبدالمطلب سے کہتی تھیں کہ انہوں نے ایسا بچہ کبھی نہیں دیکھا تھا وہ بتاتی تھیں کہ نومولود (رسول اللہ ﷺ) صبح کو ہمیشہ بیدار ہی نظر آتا ہے اور آنکھیں کھولے ٹکٹکی باندھے آسمان کو تکتا رہتا ہے۔اس پر عبدالمطلب جواب دیتے تھے کہ انہیں امید ہے کہ وہ بڑی شان والا ہوگا اور اس کی ذات سے دنیا میں خیر وبرکت پھیلے گی اور اس کی برکات سے دنیا فیضیاب ہوگی۔

بیہقی کے مطابق عبدالمطلب نے ساتویں دن آنحضرت ﷺ کا عقیقہ کیا اور اس میں قریش کو دعوت دے کر شریک کیا تو انہوں نے پوچھا کہ ''عبدالمطلب! تم نے اپنے پوتے کا کوئی نام بھی رکھا ہے؟'' تو وہ بولے: ''ہاں میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور مجھے زمین وآسمان ہر طرف سے اس نام کی گونج سنائی دے رہی ہے''۔

ہم ان شاء اللہ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے آخر میں آپ کے اسمائے گرامی بیان کریں گے۔

آنحضرت ﷺ کی شبِ ولادت کے علامتی واقعات

آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت جنات کی چیخ و پکار' بتوں کا بلی کی طرح میاؤں میاؤں کر کے اوندھے منہ زمین پر گر جانے' حبشہ میں نجاشی کے عجیب چیزیں دیکھنے اپنی والدہ ماجدہ کے جسم سے الگ ہو کر ظہور نور' اس کے آسمان کی طرف رُخ کر کے ساکن ہو جانے' اس نور سے شام کے تمام محلات وقصور کے منور ہو جانے' ستاروں کے زمین کے نزدیک آ جانے اور اس نور کے آپ چہرۂ مبارک پر نمودار ہونے کے مشاہدات کا ذکر ہم ہواتف الجان کے ضمن میں کر چکے ہیں۔

سہیلی بقی بن مخلد الحافظ کی تفسیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابلیس چار بار بلند آواز سے رویا ہے۔ پہلی بار جب اللہ تعالیٰ نے اسے لعین ٹھہرا کر اس پر لعنت کی' دوسری بار جب اسے آسمان سے زمین پر پھینکا گیا' تیسری بار آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت اور چوتھی بار جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ہشام بن عروہ نے اپنے والد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک یہودی مکے میں رہ کر تجارت کیا کرتا تھا۔ جس روز آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی اس روز اس نے قریش کی ایک مجلس میں ان سے پوچھا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ کل رات تمہاری قوم میں ایک عظیم الشان بچہ پیدا ہوا ہے؟'' وہ بولے: ''نہیں تو''۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آمنہ بنت وہب کے بطن سے عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔

اس یہودی نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ تم مجھے وہاں چل کر اس بچے کو دکھاؤ۔ یہودی کی اس درخواست پر وہ لوگ اس مکان پر پہنچے جہاں آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی تھی۔ پھر یہودیوں کی مزید درخواست پر آپ کو مکان سے باہر لایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا روئے مبارک چاند سے زیادہ روشن ہے۔ یہ نور نبوت تھا جس کے آثار اس نور کی صورت میں آپؐ کے چہرے اور پیشانی سے ظاہر ہو رہے تھے۔

یہ دیکھ کر وہ یہودی بے ہوش ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو قریش کے لوگوں نے اس سے پوچھا: ''ارے یہ تجھے کیا ہوا؟''۔

اس سوال کے جواب میں وہ یہودی رو کر کہنے لگا کہ ''آج ہم بنی اسرائیل سے نبوت کا سلسلہ تمہاری قوم میں منتقل ہو گیا' خیر تمہیں خدا کی طرف سے یہ نعمت مبارک ہو' تمہاری سطوت کی اب یہ خبر مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی''۔

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ان سے صالح بن ابراہیم نے یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ کے حوالے سے کہا کہ ایک روز مکے میں یحییٰ بن عبدالرحمٰن کے پاس لوگ بے تحاشا دوڑے چلے آ رہے تھے جن کے پیچھے پیچھے حسان بن ثابت پکار پکار کر کہہ رہے تھے:

''آج یہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے ایک دن میں اس کا غلام بنوں گا''

کل مدینے میں ایک یہودی کہہ رہا تھا:

''اے یہودیو! یاد رکھو کہ کے میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے' تم اس کی اطاعت کرنا''۔

یہودی بولے:

''تجھے کیا ہوا؟ اور تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟''۔

وہ یہودی بولا:

''کل رات جو آسمان پر ایک ستارہ طلوع ہوا اس سے مجھے معلوم ہوا کہ احمد نام کا ایک بچہ آج رات کو کے میں پیدا ہوگا جو آگے چل کر نبی ہوگا' اس کی اطاعت تم پر فرض ہے''۔

حافظ ابونعیم اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ابی بکر بن عبداللہ العامری کی زبانی اور چند دوسرے مستند راویوں کے علاوہ عبدالرحمٰن بن ابی سعید اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ابی سعید' جیسا کہ انہوں نے بتایا' بنی اشہل میں ٹھہرے ہوئے جہاں انہوں نے کسی سے کے میں کسی غیر معمولی بچے کی ولادت کی خبر نہیں سنی لیکن جب وہ اگلے دن اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ قبیلہ حرب میں مدینہ پہنچے تو انہوں نے یوشع یہودی کو کہتے سنا کہ:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ احمد نام کا ایک نبی کے میں پیدا ہونے والا ہے''۔

یہ سن کر بنی اشہل کے ایک شخص خلیفہ بن ثعلبہ اشہلی نے یوشع سے کہا:

''تو مذاق تو نہیں کر رہا؟ اچھا بتا کہ اس نبی کے اوصاف کیا ہوں گے؟''۔

یوشع بولا:

''اس کا ظہور حرم کی طرف سے ہوگا' اس کا قد نہ چھوٹا ہوگا نہ بہت طویل' اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہوں گے' لباس کے ساتھ اس کے سر پر عمامہ ہوگا اور اکثر گدھے پر سوار ہوا کرے گا''۔

جب خلیفہ بن ثعلبہ اشہلی نے اپنے قبیلے میں واپس جا کر یوشع یہودی کی زبان سے سنی ہوئی یہ باتیں سنائیں تو اس کے قبیلے والے یک زبان ہو کر بولے:

''تم ایک یوشع کی بات کرتے ہو' کل سے یثرب (مدینۃ النبی کا پہلا نام) کے تمام یہودی یہی باتیں کر رہے ہیں''۔

اس کے علاوہ مالک بن سنان بتاتے ہیں کہ وہ اس روز اپنے گھر سے نکل کر اتفاقاً قبیلہ بنی قریظہ میں چلے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں بہت سے لوگ جمع ہو کر ایک نبی کی ولادت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور زبیر بن باطا کہہ رہا ہے کہ:

''آسمان پر ایک سرخ ستارہ نمودار ہوا ہے اور ایسا ستارہ صرف اس وقت نمودار ہوتا ہے جب کہیں کوئی نبی پیدا ہوتا ہے''۔

آج جو نبی پیدا ہوا ہے اس کا نام احمد ہے جو آخری نبی کا نام ہے اور وہ ہجرت کر کے یہیں آئے گا۔

جب آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے زبیر بن باطا کی یہ باتیں بیان کیں تو آپؐ نے فرمایا:

''اگر زبیر بن باطا اپنی زندگی میں مسلمان ہو جاتا تو اس کی ساری قوم ایمان لے آتی کیونکہ وہ بھی اس کا اتباع کرتی''۔

ابونعیم چند دوسرے ثقہ راویوں کے علاوہ زید بن ثابت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودیوں نے کہا تھا کہ:

''سرخ ستارہ صرف دنیا کے آخری نبی کی ولادت پر طلوع ہوگا' اس کا نام احمد ہوگا اور وہ ہجرت کر کے یثرب آئے گا۔ ہمارے لیے اس کی اطاعت لازم ہے''۔

لیکن جب آنحضرت ﷺ مکے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے گئے تو وہی یہودی بربنائے حسد اپنے اس قول سے پھر گئے اور کفر پر اڑے رہے۔

آنحضرت ﷺ کی ولادت پر قصر کسریٰ میں ظہور پذیر واقعات

حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی اپنی کتاب ''ہواتف الجان'' میں حسب دستور مختلف حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وقت ولادت کسریٰ کے ایوان میں سخت زلزلہ آیا اور اس کے ایوان کے چودہ کنگرے (گنبد ٹوٹ کر) گر پڑے نیز اس کے ایوان کے آتش کدے (اگن گھر) کی آگ یکایک بجھ گئی بلکہ سارے فارس کے تمام آتشکدوں کی آگ بجھ گئی جب کہ ایک ہزار سال سے اس وقت تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بحیرہ ساوہ بھی جوش کھا کر اُبلنے لگا۔

کسریٰ نے یہ دیکھ کر اپنے مشیر موبذان کو طلب کیا اور اس کو یہ واقعہ سنا کر اس کے بارے میں اس کی رائے معلوم کی۔

موبذان بولا کہ اس نے اس کے علاوہ گذشتہ شب ایک خواب دیکھا تھا جس میں اس نے دیکھا کہ عرب کی طرف سے انسانوں کے غول کے غول اونٹوں پر سوار فارس کی طرف اُمڈے آ رہے ہیں اور انہوں نے دریائے دجلہ بھی عبور کر لیا ہے۔

کسریٰ نے موبذان کا یہ خواب سن کر اس سے پوچھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟

موبذان نے جواب دیا: اس کی تعبیر کسی عالم سے پوچھنا چاہیے۔

چنانچہ کسریٰ نے یمن میں اپنے نائب السلطنت نعمان بن منذر کو لکھا کہ وہ فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو اور اپنے ساتھ کسی ایسے شخص کو لائے جو بڑا عالم ہو اور کسریٰ اس سے جو سوال کرے اس کا جواب دے سکے۔

کسریٰ کا یہ شاہی فرمان ملتے ہی نعمان بن منذر کسریٰ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنے ساتھ کسریٰ کے حسب الحکم عبدالمسیح بن عمرو بن حیان بن نفیلہ غسانی کو لایا۔

کسریٰ نے عبدالمسیح کو تمام واقعہ اور موبذان کا خواب سنا کر اس سے اس کی تعبیر پوچھی تو وہ بولا کہ اس خواب کے بارے میں اگر حضور مجھے حکم دیں تو میں اپنا خیال ظاہر کر سکتا ہوں۔ لیکن میری گزارش یہ ہے کہ اس کے بارے میں میرے ماموں سطیح سے جو شام میں قیصر روم کی طرف سے اس کا نائب السلطنت ہے دریافت کیا جائے کیونکہ وہ مجھ سے بہتر اس کے بارے میں بتا سکتا ہے۔

کسریٰ کو عبدالمسیح کی یہ بات پسند آئی اور اس نے اپنے کچھ آدمی اس کے ساتھ کر کے اسے اس کے ماموں سطیح کے پاس دریافتِ حال کے لیے بھیج دیا۔

عبدالمسیح نے دمشق پہنچ کر سطیح کو سارا قصہ سنایا اور اس سے کہا کہ فارس کے بادشاہ کسریٰ کی خواہش ہے کہ وہ اس کے بارے میں اظہارِ خیال کرے۔

جس وقت عبدالمسیح اپنے ماموں سطیح کے پاس شام پہنچا تھا وہ اس وقت اپنی زریں مسند پر بڑی تمکنت سے بیٹھا تھا۔ عبدالمسیح

کی باتیں سن کر اس نے ان کا کچھ جواب نہیں دیا بلکہ کسی سوچ میں غرق ہو گیا۔

عبدالمسیح نے اس کے اس عدم التفات کو دیکھ کر شکایتاً کچھ شعر پڑھے تو سطیح بولا:

''جو کچھ تم نے بیان کیا اگر وہ صحیح ہے اور جو خواب موبذان نے دیکھا ہے وہ اس نے صحیح طور پر بیان کیا ہے تو سمجھ لو کہ ایک دن نہ صرف کسریٰ کے ہاتھ سے ایران کی سلطنت چھن جائے گی بلکہ یہ شام بھی جس پر آج کل میں قیصر روم کی طرف سے حاکم بنا بیٹھا ہوں انہی ناقہ سواروں کے قبضے میں چلا جائے گا جنہیں موبذان نے خواب میں دریائے دجلہ عبور کرتے دیکھا ہے''۔

پھر جیسا کہ تاریخ کے صفحات میں ثبت ہے حضرت عثمان کے دور خلافت میں مسلمانوں نے فارس فتح کر لیا۔

کہتے ہیں کہ سطیح نصرانی اور کاہن تھا اور اس کا بھانجا عبدالمسیح بھی عیسائی تھا۔ اس نے جب اپنے ماموں سطیح کا جواب کسریٰ کو فارس واپس آ کر سنایا تو وہ بولا کہ ابھی تو میری اولاد میں چودہ بادشاہ فارس پر حکومت کریں گے' اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

حافظ ابو بکر کے علاوہ بیہقی نے بھی اپنے ہاں اس سے ملتی جلتی روایت پیش کی ہے۔

بہر کیف جیسا کہ تواریخ کی صحیح روایات سے ثابت ہے جب فارس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اس وقت وہاں کا بادشاہ یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا اور اسی کے زمانے میں ایوانِ کسریٰ میں زلزلے اور اس کے چودہ برج گرنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔

اس وقت تک فارس پر یزدگرد کے اسلاف تین ہزار ایک سو چونسٹھ سال حکومت کر چکے تھے جن میں سے فارس کا پہلا بادشاہ کیومرث تھا۔

آنحضرت ﷺ کی دایہ اور دودھ شریک کا ذکر

آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد کچھ دن ام ایمن نے جن کا نام برکہ تھا اپنی گود میں رکھا تھا وہ آپ کو اپنے والد عبداللہ سے بطور کنیز وراثت میں ملی تھیں اور آپؐ نے بڑے ہو کر ان کی شادی اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی جن سے ان کے ہاں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے حلیمہ سعدیہ سے قبل کچھ دن اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ساتھ اپنے چچا ابولہب کی کنیز ثوبیہ کا دودھ بھی پیا تھا۔

یہ روایت بخاری و مسلم نے اپنی اپنی جگہ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں زہری کی زبانی اور عروہ بن زبیرؓ زینب بنت ام سلمہ اور ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کی ہے بتایا ہے کہ ام حبیبہؓ نے ایک روز آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) آپ میری بہن سے نکاح کر لیجیے''۔ (مسلم نے بہن کی جگہ عزہ بنت ابی سفیان لکھا ہے) آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم یہ پسند کرو گی؟'' وہ بولیں: ''جی میں اس میں مخل نہیں ہوں گی بلکہ میں چاہتی ہوں کہ آپؐ اس کار خیر میں میری بہن کو بھی شریک فرمالیں''۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر یہ بات میرے لیے (از روئے شریعت) جائز نہ ہو تو؟''۔

آنحضرت ﷺ سے یہ سن کر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''میں جانتی ہوں کہ آپؐ بنتِ ابی سلمہ سے نکاح کا قصد فرما رہے ہیں''۔ (بعض روایات میں بنتِ ابی سلمہ کا نام بھی بتایا گیا ہے یعنی درہ بنت ابی سلمہ)

ام حبیبہؓ سے یہ سن کر آنحضرت نے (حیرت سے) فرمایا: ''بنت ام سلمہ سے؟''۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''جی ہاں انہی سے''۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

''وہ بھی تو میری رفیقہ حیات نہیں بن سکتیں کیونکہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہیں کیونکہ مجھے اور ابی سلمہ دونوں کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے''۔

بخاریؒ عروہ کے حوالے سے مزید بیان کرتے ہیں کہ ثوبیہ ابولہب کی کنیز تھیں لیکن جب ثوبیہ نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا تھا اس سے قبل ابولہب نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

ابولہب کے مرنے کے بعد ان کے اہل وعیال میں سے کسی نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ اس کے علاوہ کہ ابولہب آپؐ کے چچا تھے ان سے آپ کا کوئی اور رشتہ نہیں تھا تو آپؐ نے انکار فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب ان کی کنیز ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا تھا اس سے قبل ابولہب نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا ذکر رضاعت

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے کے لیے حلیمہ سعدیہ کے سپرد کیا تھا وہ حارث تھے اور انہوں نے اپنے بیٹے کا نام عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان بن مضر آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کے نام پر رکھا تھا۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ حارث نے حلیمہ بنت ابی ذوٗیب سے شادی کی تھی اور عبداللہ بن حارث انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے حلیمہ سعدیہ کا دودھ پینا شروع کیا اس وقت عبداللہ بن حارث بھی شیرخوار تھے اور اسی رشتے سے عبداللہ بن حارث آپ کے بھائی ہوئے یعنی رضاعی بھائی۔ اس کے علاوہ عبداللہ بن حارث کی بہنیں انیسہ بنت حارث بھی اسی طرح آپ کی رضاعی بہنیں تھیں۔ مزید برآں جیسا کہ ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں' حذافہ بنتِ حارث نے جسے شیما بھی کہتے تھے' جب وہ آپ کی والدہ کے پاس تھی تو آپ کے ساتھ کچھ روز اس نے بھی حضرت آمنہ کا دودھ پیا تھا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ان سے جہم بن ابی جہم نے جو بنی تمیم کی ایک خاتون کا غلام تھا جو حارث بن حاطب کے پاس رہتی تھی اور اس کا غلام جہم بھی اس کے ساتھ وہیں رہتا تھا۔ اور حارث بن حاطب ہی کا غلام کہلاتا تھا۔ بیان کیا کہ اس نے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے حلیمہ سعدیہ کی وہ باتیں سنیں جو وہ اکثر لوگوں کو سنایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ باتیں خود حلیمہ سعدیہ نے انہیں بتائیں تھیں جو حلیمہ سعدیہ کے بقول یہ ہیں کہ:

''جب قبیلہ بنی سعد میں کسی سال مکے میں کئی بچوں کی پیدائش کی خبر پہنچتی تھی تو بنی سعد کی عورتیں ان بچوں کو اُجرت پر دودھ پلانے کے لیے مکے کی طرف لپکنے لگتی تھیں۔

پھر ایک سال ایسا ہی ہوا کہ مکے کے معزز اور شریف خاندانوں میں کئی بچوں کی پیدائش کی خبر ملی تو بنی سعد کی دس عورتیں جن میں میں بھی شامل تھی مکے کی طرف چلیں اور جتنا ممکن تھا جلد سے جلد وہاں جا پہنچیں اور گھر گھر معلوم کر کے دودھ پلانے کے لیے جس کا مکے میں عام رواج تھا لے لیے لیکن چونکہ ایک تو میرا گدھا مریل سا تھا دوسرے میرے ساتھ میرا ایک چھوٹا لڑکا اور ایک شیرخوار بچہ بھی میرے ساتھ اس پر سوار تھا اس لیے وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا چنانچہ میں جب مکے پہنچی تو میری ساتھی عورتیں مکے کے سارے نومولود بچے لے چکی تھیں''۔

میں یہ سن کر بڑی رنجیدہ ہوئی اور ان سے پوچھا:

''آخر اب مکے میں کوئی شیرخوار بچہ بھی ہے یا نہیں؟''۔

وہ بولیں:

''بس ایک یتیم بچہ بچا ہے' اگر تو چاہے تو اسے دودھ پلانے کے لیے لے لے''۔

حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں:

''میں نے سوچا کہ یتیم بچے کی ماں سے اس کے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت مجھے بھلا کیا مل سکتی ہے لیکن چونکہ اب اس ایک یتیم بچے کے علاوہ مکے میں اور کوئی شیر خوار بچہ تھا ہی نہیں اس لیے میں نے اسی کو غنیمت سمجھ کر لینے کا ارادہ کر لیا اور جہاں میری ساتھی عورتوں نے رات بھر کے لیے پڑاؤ ڈالا تھا میں بھی وہیں رات گزارنے کے لیے پڑ گئی' لیکن وہ ساری رات میری آنکھوں میں کٹ گئی کیونکہ نہ میرے اور میرے چھوٹے سے لڑکے کے لیے کھانے کو کچھ تھا اور نہ گدھے کے لیے چارہ تھا۔ پھر یہ کہ میرا شیر خوار بچہ عبداللہ بھی رات بھر میرے دونوں پستان چچوڑتا رہا لیکن چونکہ میں نے اس رات کو کچھ کھایا ہی نہ تھا اس لیے میری چھاتیوں سے دودھ کہاں سے اُترتا''۔

اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے بتایا:

''خیر وہ رات تو میں نے جوں توں جاگ کر کاٹی اور صبح کو اٹھ کر مجبوراً وہی یتیم بچہ لینے چل دی کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ اس بچے کی ماں سے اتنا تو پیشگی مل ہی جائے گا جس سے میں اپنے اور اپنے لڑکے کے لیے کچھ کھانے کے لیے اور گدھے کے لیے چارہ لے سکوں گی''۔

یہ قصہ سنانے کے بعد حلیمہ سعدیہؓ نے کہا:

''جب میں اس بچے کو لینے اس کی ماں کے پاس پہنچی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ خاتون جس کا بچہ اس وقت ہی یتیم ہو گیا تھا جب وہ ابھی اپنی ماں کے شکم میں تھا اور اس کی ماں کو غم سے فطری طور پر نڈھال ہونا چاہیے تھا لیکن وہ یقیناً بڑی صابر و شاکر عورت تھی۔ وہ مجھ سے بڑی خندہ روئی سے پیش آئی اور مجھے اپنا بچہ دیتے ہوئے اس کی دودھ پلائی کی جو رقم مجھے دی وہ بھی میری توقع سے زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ وہ بچہ جسے میں یتیم سمجھ کر مجبوراً لینے آئی تھی اتنا خوب صورت تھا کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں اس سے زیادہ خوب صورت بچہ کبھی نہیں دیکھا تھا' وہ جب ہمک کر میری گود میں آیا اور پھر میرے سینے سے لگا تو مجھے اتنا سکون ملا جس کا بیان کرنا مشکل ہے''۔

مکے سے واپسی کا حال سناتے ہوئے حلیمہ سعدیہ نے بیان کیا:

''مکے سے واپسی میں میں مایوس اور اداس ہونے کے بجائے میں ان سب عورتوں سے اپنے آپ کو زیادہ خوش قسمت سمجھ رہی تھی جو بڑے بڑے گھرانوں کے بچے دودھ پلانے کے لیے لے آئی تھیں اور انہیں ان گھروں سے بڑی بڑی رقمیں بھی پیشگی ملی تھیں مگر ان بچوں میں سے کوئی بھی اتنا حسین و جمیل نہیں تھا جتنا وہ بچہ تھا جو مجھے اس بیوہ خاتون سے دودھ پلانے کے لیے ملا تھا۔

دوسری بات یہ تھی کہ جب سے میری گود میں آیا تھا نام کو بھی نہیں رویا تھا جب کہ دوسری عورتوں کے بچے سب کے سب

،، تے بسورتے ملکے سے چلے تھے اور اب تک رہ رہ کر رونے لگتے تھے۔

اس کے علاوہ ایک عجیب بات یہ تھی کہ میرا وہ مریل سا گدھا جس نے آتے وقت بڑی سستی دکھائی تھی۔ اور جس کی وجہ سے میں اپنی ساتھی عورتوں میں سب سے پیچھے رہ گئی اور سب سے آخر میں مکے پہنچی تھی اب اتنا تیز چل رہا تھا کہ میری ساتھی عورتیں مجھ سے کہہ رہی تھیں: ''حلیمہ تیرا گدھا تو اب ہوا سے باتیں کر رہا ہے! آخر اب اس میں اتنی جان کہاں سے آ گئی؟'' اور میں خود اس کی اس تیز رفتاری پر سخت حیران تھی۔

خیر میں جب اپنے گھر پہنچی اور اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کو سارا قصہ سنایا تو وہ غم کا اظہار کرنے کے بجائے اتنا خوش ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ وہ اس بچے کو دیکھ کر بولا:

''ارے یہ تو کوئی شہزادہ معلوم ہوتا ہے! تو یہ پری زاد کہاں سے لے آئی؟ یہ تو ان غلمانوں سے بھی یقیناً زیادہ خوبصورت ہے جن کا ذکر نصرانی کیا کرتے ہیں کہ وہ جنت میں ہوں گے اور اس کی متانت اور سنجیدگی تو دیکھو' جب سے آیا ہے بس آنکھیں کھولے خاموشی سے آسمان کی طرف تکے جا رہا ہے' مجھے تو یہ کوئی فرشتہ معلوم ہوتا ہے''۔

میں نے جب حارث کو اس بچے کا نام اور اس کے خاندان کے بارے میں بتایا تو وہ بولا کہ:

''وہ خاندان تو قریش میں سب سے زیادہ شریف اور معزز خاندان ہے' افسوس ہے کہ اس بچے کا باپ عبداللہ بن عبدالمطلب وطن سے دور عین جوانی میں فوت ہو گیا لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کا یہ بیٹا جس کی ولادت وہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکا بڑا ہو کر بڑا ہی خوش نصیب اور صاحبِ اقبال ہو گا جس کے آثار ابھی سے اس کے چہرے سے ظاہر ہیں''۔

آنحضرت ﷺ کے شیر خوارگی کے زمانے کی بہت سی اور باتوں کے علاوہ جوان کے گھر میں آپؐ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے ظہور میں آئیں ان میں ایک بات یہ تھی کہ ان کی چھاتیوں میں اتنا دودھ اتر آیا تھا جس کا اس سے قبل انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا لیکن اس زمانے میں بھی آپ کی منصف مزاجی اور عدل پسندی کا یہ عالم تھا کہ آپ ان کی ایک پستان سے دودھ پی کر دوسری پستان کا دودھ اپنے دودھ شریک بھائی کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جب تک وہ آپ کو دودھ پلاتی رہیں ان کا کوئی بستر یا کوئی دوسرا کپڑا آپؐ کے بول و براز سے خراب ہونا تو کیا ان کا کوئی نشان تک ان پر نہیں آیا۔

اپنے گھر میں آنحضرت ﷺ کے داخل ہوتے ہی جو خیر و برکت کا نزول ہوا اس کا حال سناتے ہوئے جناب حلیمہ سعدیہ نے بتایا کہ ان کی بکریاں اس سے پہلے بہت کم دودھ دیتی تھیں لیکن آپ جیسے ہی ان کے گھر پہنچے انہی بکریوں نے اتنا دودھ دینا شروع کر دیا جو کسی معجزے سے کم نہیں تھا جسے دیکھ کر ان کے قبیلے کی دوسری عورتیں بھی اپنی اپنی بکریاں ان کی بکریوں کے ساتھ چرنے باہر بھیجنے لگیں تو ان کی بکریاں بھی پہلے سے کہیں زیادہ دودھ دینے لگیں۔

حلیمہ سعدیہؓ نے آخر میں بیان کیا کہ:

''جب دو سال گزرنے پر میں آمنہ بنتِ وہب کے اس بچے کو اس کا دودھ چھڑانے کے بعد اس کی ماں کے پاس

چھوڑنے آئی تو اس کی جدائی کے غم کی وجہ سے میری آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ بولیں۔

''کیا تم اسے اپنے پاس کچھ اور رکھنا چاہتی ہو؟''۔ان کی زبان سے یہ سن کر میں خوشی سے بے حال ہو کر بولی: ''اگر آپ چند مہینے اسے میرے پاس اور رہنے دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی''۔

حلیمہ سعدیہؓ نے بتایا کہ:

''میری اس درخواست پر آمنہ بنت وہب نے مجھے خوشی سے اس کی اجازت دے دی۔ یوں تو اس سے پہلے ہی اس بچے کے دم قدم کو خیر و برکت سے میرے گھر کو چار چاند لگ گئے تھے لیکن ان اگلے دو چار ماہ میں اس پر ایسا خیر و برکت کا نزول ہوا کہ وہ میرے سارے قبیلے کے لیے قابل رشک بن گیا''۔

آنحضرت ﷺ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بلکہ ان کے سارے قبیلے کے ساتھ ہمیشہ مشفقانہ سلوک فرماتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب قبیلہ بنی سعد کے کچھ لوگ بھی مشرکین مکہ کے ساتھ گرفتار ہو کر آپؐ کے سامنے لائے گئے تو آپؐ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے' اس کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔

آنحضرت ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب کی وفات آپ کا یکے بعد دیگرے اپنے دادا عبدالمطلب اور اپنے چچا ابوطالب کے زیر پرورش وتربیت رہنے کا ذکر

ابن اسحق کہتے ہیں کہ زمانہ رضاعت ختم ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب کے پاس واپس آئے تو آپ کی پرورش اور تربیت جناب عبدالمطلب نے اپنے ذمے لے لی تو وہاں بھی بحکم خداوندی آپ کی نبوت کی نسانیوں کا کچھ نہ کچھ ظہور ہوتا رہا اور جب آپؐ چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ وفات پا گئیں۔

ابن اسحق بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کا مکے مدینے کے درمیان اپنی آبائی بستی میں اپنے میکے والوں کے پاس انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔ آپ کی والدہ آپؐ کے ماموؤں کے پاس سے لوٹ کر مدینے آنے کا قصد کر رہی تھیں کہ اچانک ان کا انتقال ہو گیا۔

واقدی سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو لے کر اپنے میکے سے مدینے آنے والی تھیں اس وقت ام ایمن ان کے ساتھ تھیں وہ بتاتی ہیں کہ آپ کی والدہ کی مدینے سے مکے واپس آنے کہ تیاری دیکھ کر وہاں کے دو یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ بہتر ہے کہ وہ آپ کو وہیں چھوڑ جائیں اور وہ ان کی بہتر دیکھ بھال کر سکیں گے کیونکہ آپؐ اس قوم کے نبی ہونے والے ہیں اور جب آپؐ کی والدہ کا وہیں انتقال ہو گیا تب بھی وہ دونوں یہودی اس پر اصرار کرتے رہے لیکن انہوں نے ان دونوں کا دلی ارادہ بھانپ لیا تھا اس لیے وہ آپؐ کے ماموؤں کو سمجھا کہ آپ کو مکے واپس لے آئیں اور آپ کو آپؐ کے دادا جناب عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔

متعدد مستند روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب آپ کو حد سے زیادہ چاہتے اور اپنا زیادہ وقت آپ کی پرورش اور دیکھ بھال میں صرف کرتے تھے۔ جب آپؐ کے دادا عبدالمطلب بیت اللہ کی تولیت کے زمانے میں وہاں جس مسند پر تشریف فرما ہوئے تو دوسرے لوگ احتراماً اس مسند کے گرد و پیش بیٹھا کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ جب کبھی اس وقت وہاں آ جاتے تو آپؐ کے دادا آپ کو اپنے برابر مسند پر بٹھایا کرتے تھے۔

جب جناب عبدالمطلب وفات پا گئے تو ان کی وصیت کے مطابق آنحضرت ﷺ کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری آپؐ کے چچا ابوطالب نے لے لی۔ ویسے اس سے قبل بھی آپؐ انہی کے ساتھ مکے سے باہر جایا کرتے تھے اور جب آپؐ انہی کے پاس رہ کر پرورش پا رہے تھے تو وہ آپ کو تجارت کے لیے شام جاتے ہوئے اپنے ہمراہ لے جایا کرتے اور ایسے ہی شام کے ایک سفر میں بحیرہ راہب نے آپؐ کے سر پر بادل کو سایہ کرتے دیکھ کر آپؐ کے چچا ابوطالب اور ان کے ہمراہیوں کو اپنے گرجا میں احتراماً

ٹھہرایا تھا اور آپ کی صدق دلی سے مہمانداری کی تھی نیز آپ کے چچا ابو طالب کو بتایا تھا کہ جس نبی کا ذکر توریت اور انجیل میں آیا ہے وہ آپؐ ہی ہیں کیونکہ اس کے تمام آثار آپؐ میں پائے جاتے ہیں۔ اس راہب نے ابو طالب سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ آپ کی پوری طرح حفاظت کا خیال رکھیں کیونکہ مشرکین مکہ کے علاوہ اکثر یہودی اور نصرانی بھی نہ صرف آپؐ کے درپئے آزار ہو سکتے بلکہ آپ کو قتل تک کرنے پر آمادہ ہو سکتے۔ بحیری راہب کا کچھ ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

بعض راویوں نے کچھ ایسی احادیث روایت کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب عبدالمطلب اور جناب ابو طالب ایمان لے آئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے ناجی ہونے کی بشارت دی تھی لیکن ہرچند کہ ان دونوں حضرات نے مشرکین قریش کے مقابلے میں آپ کی حفاظت کا پورا پورا حق ادا کیا تھا اور آپ کی حمایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی بلکہ جب کفار قریش نے آپؐ کے اعلانِ نبوت کے بعد آپ کی وجہ سے تمام بنی ہاشم کا ثقافتی و اقتصادی مقاطعہ کیا تھا تو جناب ابو طالب آپ کو ساتھ لے کر شعب ابو طالب میں ایک عرصے تک مقیم رہے تھے اور آپ کی حمایت میں ہر قسم کی تکلیفیں اٹھائی تھیں لیکن ان جملہ احادیث کو جن میں جناب عبدالمطلب اور جناب ابو طالب کی آپ کی زبانِ مبارک سے ناجی ہونے کی بشارت کا ذکر ہے تمام محدثین نے منکر و موضوع قرار دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ دونوں حضرات تمام عمر زمانہ جاہلیت کے دین پر قائم رہے۔ باقی یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ رسول مقبول ﷺ کی پرورش اور آپ کی مشرکین کے مقابلے میں حمایت کا انہیں کیا صلہ دے گا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹیوں ارویٰ' امیمہ' برہ' صفیہ' عاتکہ اور ام حکیم البیضاء کو بلا کر آنحضرت ﷺ کی پرورش کی وصیت کی تھی ان کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی اور یہ کہ عبدالمطلب کو حجون میں دفن کیا گیا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کے جانشین عباس ہوئے تھے اور انہی نے اپنا حق جتا کر پہلے آنحضرت ﷺ کی پرورش کی تھی جس کے بعد اس کی ذمہ داری جناب ابو طالب کے سپرد ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

ویسے ابو طالب کی آپؐ سے محبت کے قصے بہت مشہور ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آپ کو اپنے بیٹوں پر ترجیح دیا کرتے تھے۔

قبل بعثت آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا ذکر

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کے زمانہ شباب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اکل و شرب' لہو و لعب اور زمانہ جاہلیت کی ان دوسری تمام ناپسندیدہ اقدار سے جنہیں جملہ مشرکین عرب پسندیدہ خیال کرتے اور ان میں ملوث رہتے تھے محفوظ رکھا اور آپ کی بعثت سے قبل بھی سب مشرکین مکہ بلا استثناء آپ کو حسباً اپنی قوم کا مروت و اخلاق' جود و کرم اور حسن سیرت و کردار میں افضل ترین شخص سمجھتے تھے' وہ آپ کو بہترین ہمسایہ' صادق القول دیانت دار اور امین کہتے اور اپنا صالح ترین انسان گردانتے تھے۔

ایامِ طفولیت میں بھی آپ کا یہ عالم تھا کہ جب مکے کے دوسرے لڑکے کسی کام کے لیے بڑے بڑے پتھر اپنی اپنی کمر پر لاد کر لاتے تو چلتے وقت ان کی ازاریں اکثر نیچے کھسک جاتی تھیں ان لڑکوں کے کام میں آپؐ ان کی مدد تو ضرور فرماتے لیکن اپنی پشت مبارک پر پتھر اٹھاتے ہوئے ایک ہاتھ سے اپنی ازار (پاجامہ) ضرور مضبوطی سے سنبھالے رہتے تھے۔ اس واقعے کے بارے میں آپؐ نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''مجھے عریانی سے (بچپن میں بھی) ہمیشہ حجاب آتا رہا ہے''۔

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ انہیں ابن جریج اور عمرو بن دینار نے جابر بن عبداللہ کی زبانی بتایا کہ جابر بن عبداللہ کے بقول جب قریش بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کر رہے تھے تو چھوٹے بڑے سب لڑکے مل کر اس کی دیواروں کے لیے پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ''ان لڑکوں میں میرے علاوہ رسول اللہ ﷺ بھی شامل تھے میں نے آپؐ سے کہا کہ پتھر کمر پر اُٹھاتے وقت اسے اپنے ازار بند سے کاندھوں پر باندھ لیا کرو لیکن جب آپؐ نے میرے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے ایک پتھر اپنی پشت پر اٹھا کر اسے اپنے ازار بند سے کاندھوں پر باندھا تو اتفاق سے آپ گر پڑے' پھر اٹھ کر بولے: ''ہائے میرا ازار بند''۔ اور پھر اپنی ازار کا نیفہ سختی سے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

یہ روایت صحیح بخاری میں عبدالرزاق کی زبانی بیان کی گئی ہے نیز اسے روح بن عبادہ کی زبانی زکریا بن اسحٰق' عمرو بن دینار اور جابر (بن عبداللہ) کے حوالے سے بھی اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

بیہقی دوسرے متعدد مستند حوالوں کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے والد کے مطابق جب قریش بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر کر رہے تھے تو انہوں نے پتھر لانے کے لیے دو دو مرد ایک ساتھ اور پلستر کی گچ یا چونا لانے کے لیے عورتیں لگا رکھی تھیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے والد کہتے ہیں کہ ان کے جوڑی دار ان کے بھائی کے بیٹے یعنی رسول اللہ ﷺ تھے اور پتھروں کو کمر پر ٹھہرائے رکھنے میں دقت محسوس فرما رہے تھے جب کہ دوسرے گر بھی پڑتے تھے اور آپؐ عباسؓ سے آگے چل رہے تھے۔ تو انہوں نے آپؐ سے کہا کہ پتھر کو ازار پر لگائے رکھیے تو وہ پھسل کر نیچے نہیں آئے گا۔ آپؐ نے ایسا کیا تو اتفاقاً آپ گر پڑے اور پتھر کے

ساتھ آپ کی ازار بھی کمر سے کھسک کر نیچے آ گئی۔ عباس نے جیسا کہ وہ بتاتے ہیں' آپ کو اٹھایا تو آپؐ نے اٹھتے ہی سب سے پہلے اپنی ازار دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر کی اور بولے: ''میں اس طرح عریاں ہو کر نہیں چل سکتا'' اس کے بعد فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہ لوگ کہیں دیوانہ نہ کہنے لگیں''۔

بیہقی ہی سے یونس بن بکیر کی زبانی مروی ہے کہ انہوں نے انہیں بحوالہ محمد بن اسحٰق' محمد بن علی بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بتایا کہ بقول علی ابن ابی طالبؓ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''مجھے جوانی میں کبھی اس عیش پرستی اور بدکاریوں کی ہمت نہیں پڑی بلکہ یوں کہیے کہ میرے پروردگار نے مجھے ان سے ہمیشہ محفوظ رکھا جن کی عادت اس جاہلیت کے زمانے میں مکے کے ہر جوان کو تھی' وہ کسی نہ کسی عورت کو رشتہ ازدواج کے بغیر ایک رات یا زیادہ دو راتیں اپنے ساتھ ضرور رکھتے تھے جب کہ میں اور میرے جیسے کچھ دوسرے غریب نوجوان ان کی بکریاں چرایا کرتے تھے''۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''ایک دن شام کو سورج غروب ہونے کے بعد جب میں اور میرے ساتھی بکریاں چرا کر واپس لوٹے تو مکے میں داخل ہوتے ہی مجھے شروع ہی کے ایک مکان سے گانے بجانے کی آواز آئی جسے سن کر میں نے اپنے ایک ساتھی جوان سے کہا کہ وہ میری بکریوں کا دھیان رکھے تا کہ میں اس مکان میں جا کر دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہ جوان بولا کہ جاؤ جا کر دیکھ لو' وہ کسی کی شادی بیاہ کا ہنگامہ ہوگا لیکن میں اس سے یہ سن کر بھی اس گانے بجانے سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس مکان میں داخل ہو گیا کیونکہ میں نے اس سے پہلے کسی شادی میں ایسے ہنگامے کبھی نہیں دیکھے تھے مگر میں جونہی اس مکان میں داخل ہوا کسی نے غیب سے میری کنپٹی پر ایسا مکا رسید کیا کہ مجھے رات کے وقت سورج نظر آنے لگا۔ ایسا واقعہ میرے ساتھ دوبار پیش آیا جس کے بعد میں نے ایسے ہنگامے دیکھنے اور ان میں شرکت سے توبہ کر لی یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نعمت نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دیا۔ (توضیحی ترجمہ)

یہ حدیث بہت ہی عجیب و غریب ہے' ممکن ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ اپنے بارے میں سنایا ہو اور اس میں آخری جملہ یعنی ''یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نعمت نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دیا'' کسی راوی نے سہواً بڑھا دیا ہو۔ واللہ اعلم (مؤلف)

حافظ بیہقی ہی سے ایک اور حدیث نبوی عبداللہ الحافظ' ابو العباس محمد بن یعقوب' حسن ابن علی بن عفان العامری' ابواسامہ' محمد بن عمرو' ابی سلمہ' یحییٰ بن عبدالرحمٰن ابن حاطب' اسامہ بن زید اور زید بن حارثہ کے حوالے سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''خانہ کعبہ میں (بت پرستی کے دوران میں) جو بت رکھے گئے تھے ان میں نحاس نام کا ایک بت بھی تھا جسے اساف اور نائلہ بھی کہا جاتا تھا اور لوگ حجر اسود کا طواف کرتے وقت اسے چھوا کرتے تھے اور میں انہیں اس کے چھونے سے منع کیا کرتا تھا لیکن میں ان کے ساتھ طواف ضرور کرتا رہتا تھا۔ تاہم ایک روز خود میں نے اس بت کے قریب جا کر اسے چھونا چاہا لیکن میں نے اسے چھوا نہیں''۔ (حدیث کا توضیحی ترجمہ)

زید بن حارثہ کہتے ہیں کہ ایک روز حجر اسود کا طواف کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ لاؤ میں بھی اس بت کو چھو کر دیکھوں کہ اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار اس کے نزدیک بھی مت جانا''۔

بیہقی یہ حدیث روایت کرتے ہوئے محمد بن عمرو کی زبانی اور کئی دوسری اسناد پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ زید بن حارثہ نے یہ بھی کہا تھا کہ:

''آنحضرت ﷺ ہی وہ ہستی تھے جس پر خدا نے اپنے فضل وکرم کی بارش کی اور آپؐ پر اپنی وہ کتاب نازل فرمائی جس میں بتوں کو چھونے تک کی ممانعت کی گئی ہے''۔

بیہقی یہ احادیث روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا کہ آپؐ اپنی قوم قریش کے اس دین پر کبھی نہیں چلے جو آپ کی قوم نے دین ابراہیمی ترک کر کے اپنا لیا تھا یہ مطلب ہے کہ آپؐ قبل بعثت بھی کبھی اپنی قوم کے ارتکاب شرک میں ملوث نہیں ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کا مشرکین کے مابین جنگ ملاحظہ فرمانے کا ذکر

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مشرکین کے مابین جنگ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف بیس سال تھی۔ اس جنگ کو ''یوم الفجار'' کہا جاتا ہے آپؐ نے بھی ملاحظہ فرمایا تھا اس جنگ میں قریش اور بنی کنانہ ایک طرف تھے اور دوسری طرف قیس عیلان تھے اور یہ جنگ ان کے درمیان باہمی تنازعات واختلافات کی وجہ سے ہوئی تھی جس میں قریش اور بنی کنانہ کا قائد حرب بن اُمیہ بن عبدشمس تھا اور صبح سے دوپہر تک اس جنگ میں قیس ہی کا پلہ بھاری رہا تھا لیکن اس کے بعد قریش وکنانہ ہی اپنے دشمنوں پر چھا گئے تھے اور اس جنگ میں انہی کو فتح حاصل ہوئی تھی۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ قریش سے قیس عیلان کی جنگ جس میں بنی کنانہ قریش کے اتحادی تھے جیسا کہ انہیں ابوعبیدہ نے بہ اسناد بتایا' اس وقت ہوئی تھی جب آنحضرت ﷺ کی عمر شریف دس یا پندرہ سال تھی۔

اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں حریفوں میں سے کسی کا کوئی شخص بیت الحرام میں قتل ہوگیا تھا اور وہ دونوں اس کا الزام ایک دوسرے پر لگارہے تھے اور اسی تنازعہ کی وجہ سے ان میں باہم جنگ تک نوبت پہنچ گئی تھی اور اسی قتل کے واقعے کی وجہ سے اس جنگ کا نام ''یوم الفجار'' پڑ گیا تھا۔

ابن ہشام کچھ دیگر اسناد کے ساتھ بتاتے ہیں کہ اس جنگ کی وجہ وہ قتل تھا جو بازار عکاظ میں اس مہینے میں ہوا تھا جسے اہل عرب ''شہر الحرام'' کہتے تھے یعنی اس مہینے میں قتل وغارت گری' مار دھاڑ اور جنگ حرام سمجھی جاتی تھی اور ہر شخص اس مہینے کی حرمت کا قائل تھا اور اسے اپنے اوپر فرض سمجھتا تھا۔

بہرحال بازار عکاظ میں جو قتل ہوا تھا اس قتل میں مذکورہ بالا دونوں فریق ایک دوسرے کو ملوث بتاتے اور اس کا خوں بہا طلب کرتے تھے۔ آخرکار یہ تنازعہ اتنا بڑھا کہ ان میں جنگ کی نوبت آ گئی۔

اس جنگ میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کے سارے چچا بھی قریش کی طرف سے شریک تھے اس لیے آپ بھی ان کے ساتھ شریک تھے لیکن جیسا کہ آپؐ نے خود فرمایا کہ:

> ''اس جنگ میں جو تیر میرے چچاؤں کی طرف آتے تھے میں انہیں اپنی ڈھال پر روک لیتا یا تلوار سے کاٹ دیتا تھا''۔ (ترجمہ توضیحی)

بہرکیف اس جنگ میں اگرچہ قریش کو فتح حاصل ہوئی تھی اور اس میں بنی کنانہ بھی شامل تھے لیکن بعد میں جیسا کہ اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے ان دونوں فریقوں کے بزرگوں نے جمع ہو کر کہا کہ وہ لوگ آپس ہی میں ایک دوسرے کا خون کیوں بہا رہے ہیں اور ان میں باہم صلح صفائی کرادی تھی۔

آنحضرت ﷺ کا حلف الفضول ملاحظہ فرمانے کا ذکر

حافظ بیہقی سے بہ اسناد معتبر مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے اپنے چچاؤں کے ساتھ حلف الفضول کا مشاہدہ کیا' اگر کوئی شخص اسے توڑنے کے لیے مجھے اچھی سے اچھی چیز پیش کرتا تب بھی میں اس اچھے لوگوں کے عہد کو توڑنا پسند نہ کرتا''۔

اس حدیث کے الفاظ کو مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ البتہ اس حدیث میں بشر بن فضل نے عبدالرحمٰن وغیرہ کے حوالے سے ''حلف الفضول'' کے لیے ''قریش کا حلف المطیبین'' لکھا ہے اور ''مطیبین'' کے بارے میں چند دیگر حوالوں سے بتایا ہے کہ اس سے آنحضرت ﷺ کی مراد ہاشم' امیہ' زہرہ اور مخزوم سے تھی جو اس حلف برداری میں شریک تھے۔

حلف الفضول کا قصہ مستند و مشہور روایات کے مطابق یہ ہے کہ قبیلہ زبید کا کوئی شخص اپنا کچھ مال لے کر آیا تھا جو ابی العاص بن وائل نے خرید لیا تھا جس کے بعد وہ زبیدی خانہ کعبہ کے سامنے جا کر بلند آواز سے فریاد کرنے لگا کہ:

''اے مکے کے شریف لوگو! ابی العاص نے مجھ سے میری بیٹی زبردستی چھین لی ہے' میں مظلوم ہوں' مجھ پر ظلم ہوا ہے' میری بیٹی اس سے واپس دلا دو''۔

اس زبیدی کی یہ فریاد سن کر ہاشم' امیہ' زہرہ اور مخزوم وغیرہ وہاں پہنچے اور اس سے اس کا قصہ سن کر ابی العاص بن وائل کے مکان پر جا کر اسے باہر بلایا اور اس سے واقعہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ:

''وہ لڑکی ایک کنیز ہے جو میں نے اس زبیدی سے دوسرے مال کے ساتھ خریدی ہے اور اس سے متاع بھی کر چکا ہوں''۔

ابی العاص کی یہ بات سن کر قریش کے ان لوگوں نے اس زبیدی سے کہا:

''بول! اب تو کیا کہتا ہے؟''۔

وہ زبیدی بولا:

''میں خانۂ کعبہ کی عظمت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ لڑکی کوئی کنیز نہیں بلکہ میری بیٹی ہے جو ابی العاص نے سچ مچ اغوا کر لی ہے''۔

جب ابی العاص پر زور دیا گیا تو اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور ان لوگوں نے اس زبیدی کی وہ لڑکی اسے واپس دلا دی۔

اس کے بعد قریش کے مذکورہ بالا لوگوں نے' جیسا کہ حمیدی نے سفیان بن عیینہ' عبداللہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں محمد اور عبدالرحمن کے حوالے سے بیان کیا ہے' عبداللہ بن جدعان کے مکان پر قریش کے جملہ سربرآوردہ لوگوں کی ایک مجلس بلائی اور اس میں ان سب نے مل کر حلف برداری کے ساتھ طے کیا کہ:

''اس روز کے بعد مکے میں کسی کا ظلم برداشت نہیں کیا جائے گا اور ہر مظلوم کی دادرسی اور ظالم کو سزا دی جائے گی''۔

کہتے ہیں کہ ''حلف الفضول'' کا یہ واقعہ بعثت نبوی (ﷺ) سے بیس سال قبل ماہ ذیقعدہ میں پیش آیا تھا جب ''حرب الفجار'' کو چار ماہ گزر چکے تھے کیونکہ وہ جنگ اس سے چار ماہ قبل ہوئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حلف برداری زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر واقعہ تھا جس کا ثبوت آنحضرت ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث سے بھی ملتا ہے۔ ویسے اس حلف برداری کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر ''یہ حلف برداری زمانہ اسلام میں ہوتی تو میں اس میں سب سے پہلے شریک ہوتا''۔

بعض لوگوں نے قریش کی اس اجتماعی حلف برداری کی وجہ تسمیہ یعنی اسے ''حلف الفضول'' کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس حلف برداری کی بنیاد سب باتیں فضل یعنی خوبی پر مبنی تھیں جس کی جمع عربی میں فضول ہے اسی وجہ سے اس حلف برداری کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔ تاہم بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ اس میں فضل نام کے تین اشخاص نے شرکت کی دعوت دی تھی اس لیے اس حلف برداری کا نام ہی ''حلف الفضول'' مشہور ہو گیا۔

فضل نام کے جن تین لوگوں نے اس حلف برداری میں شرکت کی دعوت دی تھی ان کے پورے نام بعض راویوں نے حسب ذیل بتائے ہیں:

① الفضل بن فضالہ ③ الفضل بن وداعہ اور ② الفضل بن حارث۔ یہ نام بطور خاص ابن قتیبہ نے بتائے ہیں۔

تاہم کچھ راویوں نے ان کے یہ نام بتائے ہیں:

① الفضل بن شراعہ ③ الفضل بن بضاعہ اور ② الفضل بن قضاعہ۔

یہ نام کچھ اسناد کے ساتھ سہیلی نے بتائے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی شادی کا ذکر

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کا شمار مکے کی شریف ترین' معزز اور مال دار خواتین میں ہوتا تھا۔ وہ مکے کے دوسرے تاجروں کے ساتھ مل کر بطور مضاربت (منافع میں شرکت) تجارت کرتیں اور اپنا تجارتی مال مکے سے باہر بھیجا کرتی تھیں۔

جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی صداقت' دیانت' امانت اور خوش اخلاقی کی شہرت سنی تو انہوں نے اپنے میسرہ نامی غلام کے ذریعہ آپ کو اپنا تجارتی مال شام لے جا کر فروخت کرنے کی پیشکش کی اور اس میں منافع بھی آپ کو اس منافع سے زیادہ پیش کرنے کا وعدہ کیا جو وہ دوسرے تاجروں کو حسب معاہدہ دیا کرتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ پیش کش قبول فرمالی اور ان کا تجارتی مال لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ بالا غلام میسرہ بھی تھا۔

جب آپؐ شام پہنچے تو آپؐ نے پہلے ایک درخت کے سائے میں قیام فرمایا جس کے سامنے شامی راہبوں میں سے ایک راہب کا صومعہ (گرجا۔کلیسا) تھا۔

آپ کو اس درخت کے نیچے بیٹھے دیکھ کر وہ راہب اپنے صومعہ سے نکلا اور اس درخت کے قریب آ کر میسرہ سے پوچھا:

''یہ کون صاحب ہیں؟''۔

میسرہ نے جواب دیا:

''یہ مکے کے اہل حرم میں سے ہیں اور وہاں سے تجارتی مال لے کر یہاں آئے ہیں''۔

میسرہ سے یہ سن کر وہ راہب بولا:

''اس درخت کے نیچے کسی نبی کے سوا آج تک کوئی دوسرا شخص آ کر نہیں ٹھہرا''۔

پھر اس نے آنحضرت ﷺ کا وہ تجارتی مال خرید لیا جو آپؐ وہاں فروخت کرنے کے لیے لے گئے تھے۔ چنانچہ آپؐ وہ تمام مال اس راہب کے ہاتھ فروخت کر کے اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ مکہ واپس تشریف لے آئے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مکے سے شام اور وہاں سے واپسی کے سفر میں جب شدت کی گرمی پڑ رہی تھی اور دوسرے لوگ اس کی وجہ سے سخت پریشان تھے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ نے دیکھا ہوگا کہ جس اونٹ پر رسول اللہ ﷺ سفر کر رہے

تھے اس پر دونوں بار ایک ابر پارہ سایہ کیے چلتا رہا ہے اور اس نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا ہوگا کہ جس شخص کو انہوں نے مال تجارت فروخت کرنے کے لیے شام بھیجا تھا اس پر تو تیز دھوپ میں فرشتے سایہ کیے رہتے ہیں اور آپ اس غلام سے یہ بات سن انہوں نے آپ کو اپنی پہلے سے قرابت داری کے حوالے سے اپنے ساتھ رشتہ ازدواج کی پیشکش کی ہوگی جس کی تصدیق اکثر ثقہ مستند راوی کر چکے ہیں۔

ویسے جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی جگہ مکے کی شریف ترین خاتون ہونے کے علاوہ ان میں سب سے زیادہ صاحب ثروت بھی تھیں اس لیے مکے کے بہت سے شریف خاندانوں کے لوگ ان سے شادی کرنے کے خواہش مند تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا صفات اور خصوصاً جو آپ کے بارے میں انہیں میسرہ نے سنایا تھا اس کے پیش نظر انہوں نے اس کے لیے آپ ہی کا انتخاب کیا۔

جب خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اس پیشکش کا تذکرہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچاؤں سے کیا تو آپؐ کے چچا' حضرت حمزہؓ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کے رشتے کا پیغام لے کر جناب خویلد بن اسد کے پاس گئے جسے انہوں نے قبول کر لیا اور اس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی پہلی شادی تھی اور جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپؐ نے دوسری شادی نہیں کی اور ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ ان کے حسن خدمت اور قدامت اسلام کا ذکر فرماتے رہے۔

جب آنحضرت ﷺ پر غار حرا میں پہلی بار نزول وحی ہوا تو اس کے اثر سے آپؐ پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپؐ نے اپنے مکان پر واپس آ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کمبل اوڑھانے کے لیے فرمایا اور اس کے بعد جب آپؐ نے انہیں نزول وحی کا عجیب وغریب قصہ سنایا تو وہ آپ کو تسلی دیتے ہوئے بولیں کہ آپؐ لوگوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آئے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ آپ کو ہر خطرے سے محفوظ رکھے گا۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کو بلا کر آپؐ پر نزول وحی کا واقعہ سنایا تو انہوں نے جو خود اس وقت اہل کتاب میں سب سے بڑے عالم تھے آپؐ کے نبی ہونے کی تصدیق کی جس کے بعد وہ آپ کی رسالت پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئیں۔ وہ مکے کی خواتین میں پہلی خاتون تھیں جس نے اسلام قبول کیا تھا۔

اکثر راویوں کے بقول جب آنحضرت ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تھی اس وقت آپ کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پینتیس سال تھی۔

آخر میں ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا۔
"یا رسول اللہ! (ﷺ) ان دونوں مساجد کی یکے بعد دیگرے تعمیر میں فصل کتنا ہے؟"۔
آپ نے ارشاد فرمایا۔
"چالیس سال کا"۔ (ترجمہ توضیحی از شادانی)

مسجد اقصیٰ کی تاسیس کے بارے میں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس کی بنیاد اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی اور جیسا کہ صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی تخلیق تخلیق ارضی کے ساتھ فرمائی تھی اور وہ (ان شاء اللہ) تا قیام قیامت بحرمت خداوندی اسی طرح بحرمت قائم رہے گی"۔

بیہقی فرماتے ہیں کہ انہیں عبداللہ الحافظ ابوعبداللہ الصفار احمد بن مہران عبید اللہ اور اسرائیل نے ابی یحییٰ مجاہد اور عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے بتایا کہ ارض مکہ کی تخلیق ارضی کے ایک ہزار سال کے اندر اندر ہوئی تھی اور تخلیق ارضی کو اس وقت تک ایک ہزار سال کی مدت ہوئی تھی۔ منصور نے بھی مجاہدؒ کے حوالے سے یہی بتایا ہے۔ تاہم یہ حدیث بڑی غریب اور منکر ہے۔ ویسے بھی اس کا بیان کرنے والا عبداللہ بن عمرو ہے جس نے یہ حدیث جنگ یرموک کے موقع پر بیان کی تھی اور اس کا مقصد لوگوں کو خوش فہمی میں مبتلا کرنا تھا جب کہ وہ ایسی ہی حکایات اسرائیلات کی خرافات سے لے کر اس سے پہلے بھی بیان کیا کرتا تھا۔ (مؤلف)

سرزمین مکہ پر بیت اللہ کی تاسیس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور روایت جسے عبداللہ بن عمرو ہی نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور جناب حوا کے جنت سے زمین پر اُترنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ مکے کی سرزمین پر خدا کی عبادت کے لیے اس کا پہلا گھر تعمیر کریں اور خدا کے حکم سے اس گھر کا نقشہ انہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا تھا۔

اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ خدا کی طرف سے یہ حکم ملنے کے بعد آدم وحوا علیہما السلام نے مذکورہ بالا نقشے کے مطابق زمین پر خدا کے پہلے گھر یعنی موجودہ بیت اللہ شریف کی تعمیر شروع کی تھی جس کے لیے آدم علیہ السلام اس کی بنیادیں کھودتے جاتے تھے۔ جب کہ حضرت حوا اس تعمیر کی بنیادوں میں سے مٹی نکال نکال کر باہر پھینکتی جاتی تھیں۔ واللہ اعلم

جہاں تک قریش کے ہاتھوں بیت اللہ شریف کی از سرنو تعمیر کا تعلق ہے اس کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب قریش نے خانہ کعبہ کی از سرنو تعمیر کرنا چاہی تو اس کی منہدم دیواروں کی بنیادوں کو بھی مضبوط بنانے کے لیے دوبارہ بھرنا چاہا تو اس کی بنیادوں میں سے پہلی مٹی نکالنے کے بعد دیکھا کہ ایک بنیاد میں سے اسے تھوڑا سا کھودنے کے بعد پانی نکل آیا تو ڈر گئے کہ ان بنیادوں میں پانی کی سطح اتنی بلند ہے تو ان پر نئی عمارت کب تک ٹھہرے گی؟ لیکن پھر معلوم ہوا کہ اس بنیاد کی قریبی زمین میں ایک کنواں ہے جس کی دیواروں میں سے پانی رس کر اس بنیاد میں ادھر ادھر پھیل گیا ہے۔ تاہم بعد میں معلوم ہوا کہ اس بنیاد میں پانی کی موجودگی کسی ایسے شخص یا گروہ کی سازش تھی جسے اس بنیاد کی منہدم دیوار کے نیچے اس خزانے کی بابت معلوم تھا جو قبیلہ جرہم کے انہی لوگوں نے وہاں دفن کیا تھا جنہوں نے اس سے قبل قصر سبا سے ایک خزانہ مکے لا کر اسے زمزم کی

تہہ میں دفن کر کے چاہِ زمزم کو اوپر سے پاٹ دیا تھا جس کی دوبارہ کھدائی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

بہر کیف جب اس خزانے کی تلاش کی گئی تو اس چوری کی تلاش ہوئی جس نے اسے وہاں سے نکالا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ وہ جرہم ہی کے کسی غلام کی حرکت ہے۔ لہٰذا اس پر دباؤ ڈالا گیا تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اسے اس چوری پر کس نے آمادہ کیا تھا اور اس میں اس کے ساتھ اور کون کون لوگ شامل تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا خزانہ کہیں سے نکالنا ایک آدمی کے بس کی بات تو ہو نہیں سکتی تھی۔

بہر حال چونکہ وہ خزانہ اسی غلام کے پاس سے برآمد ہوا تھا اس لیے کلائیوں سے اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔

اسی قبیل کی ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس خزانے کے اصل چور وہ رومی تاجر تھے جو مکے کے تاجروں کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے اور جدہ کے ساحل تک بحری راستے سے کشتیوں پر تجارتی مال لایا کرتے اور وہیں سے مکے والوں کا مال روم لے جاتے تھے۔

بہر حال چوری کی سزا پانے کے بعد جرہم کے اس غلام نے انکشاف کیا کہ اس خزانے کو نکالنے اور اپنے یہاں محفوظ رکھنے کے لیے انہی رومی تاجروں نے بہت بڑے انعام کے وعدے پر آمادہ کیا تھا۔

وہ تاجر قریش کے ساتھ ایک معاہدے کی رو سے خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کے لیے لوہے اور لکڑی کا ضروری سامان روم سے لا رہے تھے کہ انہیں مذکورہ بالا خزانے کا کسی طرح علم ہو گیا یا انہیں ممکن ہے کسی ذریعہ سے پہلے ہی اس کا علم ہو اور انہوں نے قریش کے ساتھ مذکورہ بالا معاہدہ جو بظاہر ایک تجارتی معاہدہ تھا صرف اسی خزانے کے حصول کی خاطر کیا ہو اور جرہم کے اس غلام کو لالچ دے کر اپنا راز دار بنا لیا ہو اور چاہتے ہوں کہ اس کے گھر سے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے مکے سے روم منتقل کر دیں۔ واللہ اعلم

بہر کیف چوری کے اس انکشاف کے بعد قریش نے خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کے بعد اس کی دیواریں پہلے سے بہت بلند کر دیں اور اس میں داخلے کے لیے دروازے بنوا کر اپنے نزدیک آئندہ کسی چوری کا سدباب کر دیا کیونکہ اب اس عمارت میں اب کے پتھر سے تراشیدہ بتوں کے علاوہ سونے چاندی کے بت بھی رکھے گئے تھے اور خانہ کعبہ کی دوسری سجاوٹوں کے ساتھ ساتھ بہت سا دوسرا سامان بھی رکھا گیا تھا۔

مکے میں آغاز اسلام کے بعد خانہ کعبہ کے بعض ان حصوں میں جہاں بت نہ تھے جانے اور اپنے طریقے سے ادائے صلاۃ کی اجازت تو تھی لیکن فتح مکہ تک اللہ تعالیٰ کا وہ پہلا گھر بت خانہ ہی بنا رہا۔ جہاں بتوں کی شکست و ریخت وغیرہ کا کچھ حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں تاہم اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ واقعہ ہجرت اور فتح مکہ کے ذکر کے بعد حسبِ موقع بیان کریں گے۔

باب ۹

کتابِ مبعث رسول ﷺ

ابن اسحق فرماتے ہیں کہ جوں جوں رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا زمانہ قریب آتا جا رہا تھا عرب میں یہود و نصاریٰ مذہبی پیشوا اور مذہبی عالم و کاہن اس کے بارے میں زیادہ تر باتیں کرنے لگے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی اپنی دینی کتابوں میں اس سلسلے میں جو کچھ پڑھا تھا اس کے آثار اب روز بروز ان کی نگاہوں کے سامنے آتے جا رہے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ان کے ہاں بھی ان کے انبیاء کے ظہور سے قبل وہی آثار ان کے اسلاف کے سامنے آئے تھے نیز ان کے نبیوں نے جو بشارت آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں انہیں اور ان کی قوموں کو دی تھی اور آپ کے متعلق جو نشانیاں بتائی تھیں وہ اب ایک ایک کر کے ان کے سامنے آ رہی تھیں۔

اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

''وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں۔ جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں''۔ (۱۵۷:۷)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات' اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں''۔ (۶.۶۱)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (خدا کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور خدا کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔''۔ (۲۹:۴۹)

پھر ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں''۔ (۸۱:۳)

امام بخاری صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے جب اور جتنے نبی دنیا میں بھیجے تو ان سے عہد لیا کہ اگر محمدؐ تمہارے زمانے میں مبعوث ہوں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی امتوں سے بھی عہد لیں کہ اگر محمد کی بعثت کے زمانے میں وہ زندہ ہوں تو وہ ان پر ایمان لائیں ان کی مدد کریں اور ان کی اتباع کریں۔

بخاری کی بیان کردہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی اُمتوں کو آنحضرتؐ کی دنیا میں تشریف آوری اور آپ کی بعثت کی بشارت دی تھی اور انہیں آپ کی پیروی کا حکم دیا تھا۔

اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تعمیر کعبہ کے بعد اہل مکہ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ: ''اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے''۔ (۱۲۹:۲)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابوالنضر' الفرج بن فضالہ اور لقمان بن عامر نے بیان کیا کہ انہوں نے ابوامامہ سے سنا کہ انہوں نے ایک روز آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی نشانیوں کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا کہ ان کی ابتداء کیسے ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی میرے بارے میں بشارت اور میری والدہ کے مجھے یہ بتانے سے کہ میری ولادت کے وقت ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس نے قصور شام کو منور کر دیا''۔

محمد بن اسحٰق نے بھی ایسی ہی ایک حدیث نبوی ثور بن یزید' خالد بن معدان اور چند اصحاب رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کی ہے جس سے صریحاً یہ مراد ہے کہ آپؐ دعائے براہیمی اور بشارت عیسوی کے بیان سے علی الترتیب ابراہیم علیہ السلام سے عربوں کا قدیمی تعلق اور عیسیٰ علیہ السلام کی آپؐ کے بارے میں بشارت سے بنی اسرائیل پر اختتام نبوت کا ذکر فرما کر یہ ظاہر فرمانا چاہتے تھے کہ اہل عرب کو معلوم ہو جائے کہ زمانہ قدیم ہی سے آپؐ پر اختتام نبوت کی بشارت انبیاء علیہم السلام مسلسل دیتے چلے آ رہے تھے اور آپؐ کے روز ولادت ہی سے اس کی نشانیاں ملنا شروع ہو گئی تھیں۔

جہاں تک ملاء اعلیٰ ہی میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں روایات اور ان کی شہرت کا تعلق ہے یعنی یہ کہ تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل بھی آپؐ نبی تھے تو اس سلسلے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن بن مہدی اور معاویہ بن صالح نے سعید بن سوید کلبی' عبدالاعلیٰ بن ہلال سلمی اور العرباض بن ساریہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں اس وقت بھی عبداللہ اور خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا یعنی میں آدم علیہ السلام کے عالم وجود میں آنے سے قبل بھی نبی تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہل عرب میں میری نبوت کے لیے دعا' عیسیٰ علیہ السلام کی میری نبوت کے بارے میں بشارت' میری والدہ اور امہات المومنین کے اسی پر مبنی خواب سب اسی امر کی گواہی ہیں''۔ (ترجمہ توضیحی)

عمرو بن احمد بن ہشاس سے ان کی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں بحوالہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے آپؐ کے آغاز نبوت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''تخلیق آدم علیہ السلام اور ان میں نفخ روح کے درمیانی زمانے میں''۔

باب ۹

کتابِ مبعثِ رسول ﷺ

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ جوں جوں رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا زمانہ قریب آتا جارہا تھا عرب میں یہود ونصاریٰ مذہبی پیشوا اور مذہبی عالم وکاہن اس کے بارے میں زیادہ تر باتیں کرنے لگے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی اپنی دینی کتابوں میں اس سلسلے میں جو کچھ پڑھا تھا اس کے آثار اب روز بروز ان کی نگاہوں کے سامنے آتے جارہے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ان کے ہاں بھی ان کے انبیاء کے ظہور سے قبل وہی آثار ان کے اسلاف کے سامنے آئے تھے نیز ان کے نبیوں نے جو بشارت آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کے بارے میں انہیں اور ان کی قوموں کو دی تھی اور آپؐ کے متعلق جو نشانیاں بتائی تھیں وہ اب ایک ایک کرکے ان کے سامنے آرہی تھیں۔

اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

''وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں۔ جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں''۔ (۱۵۷:۷)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات' اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں''۔ (۶:۶۱)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (خدا کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور خدا کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں''۔ (۲۹:۴۹)

پھر ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد وپیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں''۔ (۸۱:۳)

اس کے بعد آپؐ نے اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جب آدم منزل تخمیر سے گزر رہے تھے''۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تخلیق نور اور آپ کا آغاز نبوت اس سے قبل ہو چکا تھا جب آدم علیہ السلام کو زندگی عطا کی گئی۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ ان سے علی بن نافع الجرشی نے بیان کیا کہ جب وہ یمن میں رہتے تھے تو اس زمانے میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بارے میں سارے عرب میں چرچے عام تھے۔ چنانچہ انہوں نے کچھ اور لوگوں سے مشورہ کیا اور انھیں ساتھ لے کر ایک قریبی پہاڑ کے دامن میں پہنچے جہاں ایک کاہن رہا کرتا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ اس کاہن سے اس کے بارے میں دریافت کریں گے لیکن وہ لوگ ابھی وہاں پہنچے ہی تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ کاہن پہاڑ سے خود ہی اتر نیچے آ رہا ہے۔ علی بن نافع کہتے ہیں جب اس کا اور ہمارا قریباً ایک کمان کے مساوی فیصلہ رہ گیا تو اس نے ہمیں آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔ اس وقت آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ پہلے تو وہ کاہن آفتاب کی طرف منہ کر کے کچھ دیر خاموش کھڑا رہا۔ پھر اپنا منہ اٹھا کر چند لمحوں کے لیے آسمان کی طرف دیکھا پھر ہماری طرف منہ کر کے بولا:

''لوگو! اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کے قلب کو طیب و طاہر کر کے اور انہیں مکرم و معظم بنا کر نبوت سے سرفراز بنا دیا ہے' ان کا ظہور تمہیں لوگوں میں عنقریب ہونے والا ہے''۔

علی بن نافع الجرشی کہتے ہیں کہ اس کاہن نے اتنا کہا اور پھر وہ پہاڑ کی طرف منہ کر کے اوپر چڑھتا چلا گیا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ ان کی قوم کے لوگ اسلام لانے سے قبل دوسرے اہل عرب کی طرف بت پرستی اور شرک میں بتلا تھے لیکن اس وقت یہود و نصاریٰ میں اور ہم میں باہم ایسی مفارقت نہیں تھی اور نہ ہمیں ان باتوں کا علم تھا جو ان اہل کتاب کو اپنی مذہبی کتابوں کے ذریعہ معلوم تھیں لیکن جب آنحضرت ﷺ کے ظہور نبوت کا زمانہ قریب آیا تو وہی یہودی اور نصرانی جو پہلے ہم سے مل جل کر رہتے تھے ہم سے کہنے لگے کہ:

''تم میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے' جب وہ اپنی نبوت کا اعلان کرے گا اور تم اس پر ایمان لا کر اصنام پرستی سے تائب ہو جاؤ گے تو ہم تمہیں اور اسے قوم عاد وارم کی طرح قتل کر دیں گے''۔

یہ قصہ بیان کر کے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ بہر حال جب آنحضرت ﷺ نے مکے میں اعلان نبوت کے بعد جب ہمیں اسلام کی دعوت دی تو ہماری قوم کے لوگوں نے تو آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا تو وہی یہود و نصاریٰ واقعی ہمارے دشمن ہو کر ہم سے دور ہوتے چلے گئے اور ان میں ہم سے عناد کے علاوہ کفر و شرک اور زور پکڑتا چلا گیا۔

اس روایت کے آخر میں ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ انہیں عاصم بن عمر بن قتادہ نے یہ بھی بتایا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیہ شریفہ انہی یہود و نصاریٰ کے بارے میں اُتری تھی:

''اور جب خدا کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر خدا کی لعنت''۔ (۸۹:۲)

آنحضرت ﷺ کی بعثت کی عجیب وغریب نشانیاں

ابونعیم کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن محمد بن جعفر' محمد بن احمد بن ابی یحییٰ' سعید بن عثمان' علی بن قتیبہ الخراسانی اور خالد بن الیاس نے بحوالہ ابی بکر بن عبداللہ بن جہم اور آخرالذکر کے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے ابی طالب سے ان کے والد عبدالمطلب کے بارے میں یہ ذکر سنا کہ ان کے والد یعنی عبدالمطلب نے حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ایک خواب دیکھا جسے دیکھ کر وہ حد سے زیادہ خوف زدہ ہو گئے۔

اس خواب میں انہوں نے دیکھا کہ ایک سرسبز وشاداب درخت ہے جس کی بلندی آسمان کو چھو رہی ہے اور اس کی شاخیں مشرق ومغرب کی جانب دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور ان شاخوں سے ایسی روشنی نکل رہی ہے جس سے مشرق ومغرب کے تمام علاقے جگمگا اُٹھے ہیں۔

پھر جناب عبدالمطلب نے اسی خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ اپنے ہاتھوں میں کلہاڑیاں لیے اس درخت کو کاٹنے کے لیے ہر طرف سے دوڑے چلے آ رہے ہیں لیکن انہوں نے دیکھا کہ جب وہ لوگ اس درخت کے قریب آ کر اسے کاٹنے لگے تو اس درخت کا تنا درمیان سے شق ہو گیا اور اس کے اندر سے ایک ایسا حسین وجمیل جوان نکلا کہ اس سے زیادہ تو کیا اس جیسا خوب صورت کوئی شخص انہوں نے اس سے پہلے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا عبدالمطلب نے اس کے بعد بیان کیا کہ اس جوان رعنا نے ان لوگوں کو پہلے تو اس درخت کے کاٹنے سے منع کیا لیکن جب وہ نہ مانے تو اس نے نہ جانے کیسے نہ صرف ان کی کمریں توڑ ڈالیں بلکہ ان کی آنکھیں بھی پھوڑ ڈالیں جس کے بعد وہ لوگ چیختے چلاتے اور گرتے پڑتے ادھر ادھر بھاگ گئے۔

اپنا یہ خواب عبدالمطلب اپنے بیٹے ابوطالب کو سنا کر بولے کہ وہ خواب دیکھ کر اس کی تعبیر معلوم کرنے وہ اس زمانے کی ایک مشہور کاہنہ کے پاس صبح ہوتے ہی جا پہنچے اور اس سے کہا کہ انہوں نے شب گزشتہ ایک عجیب وغریب خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر معلوم کرنے وہ اس کے پاس آئے ہیں۔

عبدالمطلب سے یہ سن کر وہ کاہنہ بولی:

''مگر آپ کا چہرہ اس قدر زرد کیوں ہو رہا ہے؟''۔

عبدالمطلب بولے:

''جب تم وہ خواب سنو گی تو تمہیں اس کا سبب خود ہی معلوم ہو جائے گا''۔

کاہنہ بولی:

''اچھا سناؤ تو مجھے اپنا وہ خواب''۔

عبدالمطلب نے بیان کیا کہ جب انہوں نے اپنا وہ خواب اس کاہنہ سے بیان کیا تو ان کی طرح اس کا چہرہ بھی زرد ہو گیا'' .. کچھ دیر سر جھکائے کسی سوچ میں ڈوبی رہی پھر چونک کر بولی:

''تمہارے اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہاری قوم میں عنقریب ایک عظیم الشان نبی ہونے والا ہے اور جس درخت کو تم نے خواب میں دیکھا ہے وہ اس کا شجر نبوت ہے جس کی روشنی سے مشرق ومغرب منور ہو جائیں گے لیکن تمہاری قوم اس کی مخالفت کرے گی بلکہ اسے قتل تک کرنے پر تل جائے گی۔ وہ تمہاری قوم کو اپنی مخالفت سے باز رکھنے اوران کی اصلاح کی حد درجہ کوشش کرے گا لیکن وہ دیکھے گا کہ تمہاری قوم کسی طرح باز نہیں آتی اور اس شجر نبوت کو ہر صورت سے کاٹنے کے درپے ہے تو وہ مجبوراً ان کی کمریں توڑ اوران کی آنکھیں پھوڑ ڈالے گا جس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان پر فتح پا کر انہیں بے بس کر دے گا''۔

ابونعیم اس روایت کے آخر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بحکم خدا اعلان نبوت کے بعد جب کچھ قریش اور ابی طالب اور عبدالمطلب کے خاندان کے چند لوگ بھی آپ کی نبوت اور توحید باری تعالیٰ جل شانہ' پر ایمان لے آئے تو انہی لوگوں نے جس کا ابونعیم نے اپنی اس روایت کے آخر میں حوالہ دیا ہے ابو طالب سے دریافت کیا کہ وہ اوران کے والد عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کی انتہائی حفاظت' حمایت اور عملی مدد کے باوجود ان پر ایمان کیوں نہیں لائے تو وہ بولے: ''شاید انا یا عار کی وجہ سے''۔ واللہ اعلم

اس قبیل کی متعدد دوسری روایات جن میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کی نشانیوں کا ذکر ہے اکثر راویوں نے بیان کی ہیں۔ (مؤلف)

عمرو بن مرہ الجہنی کا قصہ

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن ابراہیم الخزاعی الاہوازی نے عبداللہ بن داؤد بن دلہات بن اسماعیل بن عبداللہ بن شریح بن یاسر بن سوید صحابی رسول اللہ ﷺ اور چند دوسرے معتبر راویوں کے حوالے سے بیان کیا کہ ان سے یاسر بن سوید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہیں عمرو بن مرہ الجہنی نے بتایا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں ایک سال اپنی ایک جماعت کے ساتھ یمن سے حسب دستور کعبہ کے حج کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں جہاں پہلی رات کو پڑاؤ کیا تو اسی رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ مکے میں داخل ہو گئے ہیں اور وہاں خانہ کعبہ سے روشنی کی ایک رو نکل کر یثرب (مدینہ) کے پہاڑوں تک پھیلتی چلی گئی۔ اس روشنی سے ایک آواز بھی آ رہی تھی کہ:

''اب ظلمت کا زمانہ ختم ہو کر روشنی کا زمانہ آ گیا ہے خاتم الانبیاء (ﷺ) خدا کی طرف سے مبعوث ہو چکے ہیں''۔

اس کے بعد عمرو بن مرہ الجہنی نے اپنا وہ خواب بیان کرتے ہوئے مزید بتایا کہ پھر انہیں حیرہ اور مدائن نظر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بھی اسی روشنی سے جگمگا رہے ہیں اور اس روشنی سے مسلسل آواز آ رہی ہے کہ اسلام کا ظہور ہو گیا ہے' بت ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں عدل و رحم دلی کا زمانہ آ گیا ہے۔

عمرو بن مرہ الجہنی نے بیان کیا کہ جب انہوں نے اپنا وہ خواب اپنے ساتھیوں کو سنایا تو ان میں سے ایک شخص بولا کہ:

''یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے بارے میں بہت پہلے سے ہم بشارت سنتے چلے آ رہے ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ ان کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگا اور وہ روئے زمین کے سارے انسانوں کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں گے' اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں گے' بتوں کو توڑ پھوڑ کر سارے عرب میں بت پرستی ختم کرا دیں گے لوگ پہلے کی طرح حج کے لیے مکے آیا کریں گے لیکن اس وقت خانہ کعبہ بتوں سے خالی ہو چکا ہوگا اور تم دیکھو گے کہ لوگ پانچ وقت کی نماز پڑھ رہے ہیں' بارہ مہینوں میں سے ایک مہینے کے جسے رمضان کہا جائے گا روزے رکھ رہے ہیں''۔

اس کے بعد وہ شخص بولا:

''اے عمرو! بہتر ہے کہ تم بھی مکے میں ظاہر ہونے والے اس نبی (ﷺ) پر ایمان لے آؤ کیونکہ جس نے ان کا حکم مان لیا وہ جنت کا مستحق ہوگا ورنہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا''۔

عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ ان سے یہ باتیں کر کے وہ شخص غائب ہو گیا اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے انہیں وہ باتیں بتانے والا یقیناً کوئی

فرشتہ تھا۔ چنانچہ وہ مکے پہنچتے ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھیوں سمیت آپؐ کے دست مبارک پر ایمان لے آئے۔ اس کے بعد عمرو بن مرہ الجہنی نے بیان کیا کہ انہوں نے کچھ روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے کے بعد آپؐ سے عرض کیا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو وہ یمن واپس جا کر آپ کی طرف سے وہاں کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دیں اور آپؐ سے اجازت لے کر وہ یمن واپس گئے اور لوگوں کو مسلسل دعوت اسلام دینے لگے اور خدا کے فضل و کرم اور خدائے تعالیٰ کے حکم سے وہاں کثرت سے لوگ مسلمان ہوتے چلے گئے۔

اس روایت کی تصدیق اکثر دوسری معتبر روایات سے بھی ہوتی ہے۔ (مؤلف)

قصہ سیف بن ذی یزن اور اس کی آنحضرت ﷺ کے بارے میں بشارت کا ذکر

حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی اپنی کتاب ''ھو اتف الجان'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے علی بن حرب' احمد بن عثمان بن حکیم اور عمرو بن بکر لیثی ابن بکار القبطی نے احمد بن القاسم' محمد بن سائب الکلبی' ابی صالح اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کو اس وقت دو سال گزر چکے تھے جب حبشہ پر سیف بن یزن الحمیری جس کا اصل نام ابن منذر نے نعمان بن قیس بتایا ہے حکمران ہوا تو گردو نواح کے اکثر معزز و با اثر لوگ بطور خیر سگالی وفود لے کر اس کی خدمت میں پہنچے جن میں مکے سے عبدالمطلب بن ہاشم بھی قریش کا ایک وفد لے کر جو امیہ بن عبد شمس ابی عبداللہ' عبداللہ بن جدعان اور خویلد بن اسد پر مشتمل تھا تحائف کے ساتھ وہاں گئے اور جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اس کی خدمت میں اجازت ملنے کے بعد حاضر ہو کر عرض کیا کہ ''آپ جیسے ہمہ صفت موصوف بادشاہ کے تخت حبشہ پر جلوہ افروز ہونے سے آپ کے تمام حلیفوں خصوصاً ہم قریش کو بڑی تقویت ملے گئی''۔

سیف بن ذی یزن نے نہایت موزوں و مناسب الفاظ میں عبدالمطلب کا شکریہ ادا کر کے ان سے ان کا نام پوچھا اور ان کی زبان سے عبدالمطلب بن ہاشم سن کر بولا:

''ہماری بہن کے بیٹے؟''۔

عبدالمطلب نے جواب دیا: ''جی ہاں''۔

عبدالمطلب سے یہ سن کر سیف بن ذی یزن الحمیری نے انہیں اپنی مسند پر اپنے قریب بٹھا لیا اور پھر ان کے خاندانی حالات پر گفتگو کرنے لگا۔ اس نے اس کی تفصیل پوچھی تو عبدالمطلب نے اسے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے نام بتا کہ اسے بتایا کہ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا' ان کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہوئی تھی لیکن ان کے بطن سے جو لڑکا دو سال قبل پیدا ہوا ہے وہ اپنے باپ کے انتقال کے بعد پیدا ہوا تھا اور اس کی پیدائش پر کچھ عجیب و غریب واقعات پیش آئے جو اس سے قبل کبھی سنے بھی نہیں گئے تھے۔

سیف بن ذی یزن جناب عبدالمطلب کی وہ باتیں جو آنحضرت ﷺ کی ولادت پر عجیب و غریب انکشافات سے متعلق تھیں سن کر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا: ''آپ نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟'' پھر عبدالمطلب کی زبان سے آپ کا نام محمدؐ سن کر بولا:

''آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ پوتا وہی ہے جس کی بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد تورات وانجیل میں بشارت دی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ عرب میں بنی اسماعیل علیہ السلام میں پیدا ہوگا اور خدا کا آخری پیغمبر ہوگا۔ اس کا نام کہیں احمدؐ اور کہیں محمدؐ بتایا گیا ہے''۔

اس کے بعد سیف بن ذی یزن نے عبدالمطلب سے کہا:

''آپ اس بچے کی اچھی طرح پرورش اور نگہداشت کے ساتھ ساتھ یہودیوں سے اس کی حفاظت کا بھی خیال رکھنا کیونکہ وہ دوستی کے پردے میں دشمنی کرنے کے قائل ہیں اور کبھی نہ کبھی روئے زمین پر اس بے مثال انسان اور خدا کے آخری پیغمبر کو قتل کرنے کی کوشش کریں گے''۔

اس کے بعد حبشہ کے اس وقت کے حکمران سیف بن ذی یزن نے عبدالمطلب کو ڈھیروں سونا اور چاندی اور بہت سے دوسرے تحائف اور ان کے وفد کے ارکان کو بھی کافی قیمتی تحائف دے کر بڑی عزت سے رخصت کیا۔

جناب عبدالمطلب اور سیف بن یزن الحمیری کے مابین یہ گفتگو شدہ شدہ یمن تک بھی جا پہنچی جو اس وقت تک حکومت حبشہ کے قبضے میں تھا اور جب وہ حبشہ سے مکے واپس ہوتے ہوئے یمن سے گزرے تو وہاں بھی ان کی حد سے زیادہ آؤ بھگت کی گئی خصوصاً قبیلہ حمیری نے جس سے خود حبشہ کے اس وقت کے بادشاہ سیف بن ذی یزن الحمیری کا تعلق تھا ان کی مہمان داری میں کوئی کسر نہ چھوڑی بلکہ وہاں ان کے اور ان کے وفد کے قیام کے دوران میں قبیلہ الحمیر میں جتنے بچے پیدا ہوئے سب کا نام محمد رکھ دیا جس کا سلسلہ زمانہ اسلام کے آغاز اور اس کے بعد بھی مدتوں جاری رہا۔

ھواتف الجان کا تذکرہ

جو کچھ شق و سطیح نے یمن کے حکمران ربیعہ بن نصر سے آنحضرت ﷺ کی عرب میں ولادت اور آپ پر نزول وحی کے بارے میں کہا تھا اس کا کسی قدر تذکرہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اب ان شاء اللہ سطیح و عبد المسیح پر تفصیلی گفتگو آپ پر نزول وحی کے ذکر کے ساتھ کریں گے۔

ابن اسحٰق سے بحوالہ غلام عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ' عبداللہ بن مروی ہے کہ آخر الذکر کے مطابق ایک روز وہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں کچھ اور لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک اجنبی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتا ہوا مسجد میں آیا اور انہیں دیکھ کر سلام کر کے بولا:

''یا امیر المومنین! آپ نے مجھے پہچانا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''ہاں! کیا اب تو مسلمان ہو گیا ہے؟''۔

وہ بولا:

''جی ہاں خدا کے فضل سے آپ کی طرح میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں' یہ الگ بات ہے کہ ہم دونوں پہلے اصنام پرستی اور کفر و شرک میں شریک تھے اور اب دین حق میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ شخص زمانہ جاہلیت میں کاہن تھا اور مستقبل کے بارے میں عجیب و غریب باتیں بتایا کرتا تھا۔ پھر انہوں نے ایک روز دیکھا وہی کاہن دیوانہ وار چیخ چیخ کر کہتا جا رہا ہے:

''اٹھو! اٹھو! وہ آ گیا! وہ آ گیا! دیکھو دیکھو! وہ کیسا صاف کہہ رہا ہے لا الہ الا اللہ' لا الہ الا اللہ''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پہلے وہ سمجھے تھے کہ اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس روز جو کچھ کہہ رہا تھا حرف حرف صحیح تھا۔

حافظ ابو یعلیٰ موصلی کہتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن حجر بن نعمان شامی اور علی بن منصور الانباری نے محمد بن عبد الرحمٰن وقاصی اور محمد بن کعب القرظی کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس طرف سے ایک شخص گزرا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''یا امیر المومنین! کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں تو' کون تھا یہ شخص؟''۔

وہ لوگ بولے:

''یہ سواد بن قارب تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی بعثت سے قبل خواب میں دیکھا تھا اور اس کے بارے میں لوگوں کو بتایا کرتا تھا''۔

ان لوگوں سے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کسی کے ہاتھ بلا بھیجا اور اس سے پوچھا:

''کیا تم سواد بن قارب ہو؟''۔

وہ بولا:

''جی ہاں یا امیر المومنین''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

''اب تمہاری وہ کہانت کیا ہوئی؟''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی تو وہ ناراض ہو کر بولا:

''اب جب کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو آپ مجھے وہ زمانہ کیوں یاد دلاتے ہیں؟''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''سبحان اللہ! تم اس زمانے کو یاد نہیں رکھنا چاہتے؟ حالانکہ وہ زمانہ وہ تھا جب ہم تو شرک میں مبتلا تھے اور تم رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام کی باتیں کیا کرتے تھے۔ بہر حال تم بتاؤ کہ وہ سب کچھ تمہاری کہانت کا نتیجہ تھا یا اس کا کوئی اور سبب تھا؟''۔

سواد بن قارب نے کہا:

''یا امیر المومنین! اصل بات یہ ہے کہ ایک دن میں سو رہا تھا کہ کسی نے میرا ایک پاؤں پکڑ کر ہلایا اور بولا: ''اے سواد بن قارب! اٹھ اور اگر تجھ میں کچھ عقل ہے تو میری بات سن کہ لوئ بن غالب میں رسول اللہ (ﷺ) کا ظہور ہو چکا ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات سنا کر سواد بن قارب بولا:

''پھر یہی واقعہ میرے ساتھ اگلی رات کو بھی ہوا اور پھر تیسری رات کو بھی پیش آیا تو میں نے سوچا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ میرے دل کا امتحان لے رہا ہے۔ چنانچہ میں جہاں تھا وہاں سے فوراً اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مدینے آیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) میری بات سنیے''۔

آپؐ نے فرمایا: ''سناؤ!''۔

آپ کی اجازت پا کر جو کچھ تین راتوں تک مجھے پیش آیا تھا میں نے آپؐ سے عرض کر دیا۔

اس کے بعد سواد بن قارب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا:

''میری بات سن کر آنحضرت ﷺ بہت خوش ہوئے اور اس وقت جتنے صحابہ کرام ؓ آپ کی خدمت میں حاضر تھے سب کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے''۔

سواد بن قارب کی زبان سے یہ واقعہ سن کر حضرت عمر ؓ بہت خوش ہوئے' پھر بولے

''میں اس حدیث نبوی ﷺ کی تلاش میں ایک عرصے سے تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم خود میرے پاس آ گئے اور یہ حدیث تم نے مجھے سنا دی' یقیناً یہ صحیح ترین حدیث ہے''۔

اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے سواد بن قارب کو اپنے پاس ہی رکھ لیا اور اس کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔

اس روایت کو محمد بن سائب کلبی نے بھی اپنے والد اور عمر بن حفص کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

حافظ ابو نعیم عبداللہ بن محمد بن عقیل کی زبانی اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر جس نے مدینے میں لوگوں کو سنائی وہ ایک عورت تھی جس کے بارے میں یہ بات سننے میں آتی تھی کہ اس کے قبضے میں جن ہیں جو اسے ایسی باتیں بتایا کرتے ہیں۔

حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی نے ایسی اکثر روایات اپنی کتاب ''ھواتف الجان'' میں مختلف سوالوں سے بیان کی ہیں جن میں بتوں کے منہ سے آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت اور آپ کی بعثت کے بارے میں آوازیں سنی گئیں یا ایسی آوازیں کاہنوں نے غیب سے سن کر ان کے بارے میں قبل بعثت اور اس کے بعد لوگوں کو بتایا۔

جب آنحضرت ﷺ سے ان آوازوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

ذاک من کلام الجنّ. ''یعنی وہ آوازیں جنات کی تھیں''۔

ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ بتوں کے منہ سے جو آوازیں لوگوں کو سنائی دیں ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''بتوں کے منہ سے جو انسانی آوازیں نکلتا ہے وہ ایک شیطان ہے جس کا نام سعد ہے' خدا اسے ذلیل کرے''۔

ایک بار بقول ابن عباس ؓ جبل قبیس سے ابی قبیس کو متواتر تین راتوں تک جو آوازیں سنائی دی تھیں جب ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''ایسی آوازیں منہ سے نکالنے والا جنات میں سے ایک عفریت ہے جس کا نام سمع ہے لیکن اب وہ ایمان لے آیا ہے اور میں نے اسے جزائے خیر کی دعا دی ہے''۔

آنحضرت ﷺ کے ولادت پر کسریٰ کے ایوان میں زلزلے' اس کے ایوان کے بارہ گنبدوں کے گرنے اور اس کے ایوان سمیت فارس کے تمام آتش کدوں کی آگ بجھ جانے کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اب ان شاء اللہ اگلی جلد میں آپؐ پر نزول وحی کا ذکر کریں گے۔